صادق سردھنوی

ایک عظیم تاریخی ناول

محمد قاسم

اوّل

مصنّفہ

مورخ اسلام مولانا صادق حسین صدیقی سردھنوی

قیمت مجلد
آٹھ روپیہ

BACHCHON KA KUTABKHANA RAM
No. 3039
Date 7/9/63

ناشر: مکتبہ اردو لکھنؤ (اکتوبر ۱۹۶۱ء) پرنٹر: نظامی پریس لکھنؤ

بچوں کا کتب خانہ
تھانہ بھون (یوپی)
Bachchon Ka Kutab Khana
Thana Bhon (U.P.)

پہلا باب

"حور وش نازنین"

چاند آسمان میں تیر رہا تھا۔ اور اسکی ٹھنڈی شعاعیں پہاڑ پر بکھری پڑی تھیں ہر طرف چاندنی کی نورانی چادر بچھی ہوئی تھی اور ہر چٹان، ہر پتھر، ہر درخت درخت کا ہر پتہ ہر پودا، ہر پھول اور پھول کی ہر پنکھڑی چاندی کی نور بیز شعاعوں سے جگمگا رہے تھے۔ نہایت کیف آگیں منظر اور روح پرور سماں تھا۔ اس وقت اس فرحت افزا مقام پر ایک نوجوان عرب جسکی مسیں ابھی بھیگنا شروع ہوئی تھیں اپنا مخصوص قومی لباس پہنے ایک پتھر پر کھڑا اس پھول کو دیکھ رہا تھا جو اپنی رنگینیوں کی وجہ سے جاذب نظر بنا ہوا تھا وہ اس لطیف پھول کو دیکھ رہا تھا وہ نہایت غور اور بڑی توجہ سے دیر تک دیکھتا رہا اور آخر اسے دیکھتے ہی دیکھتے محو و بے خود ہو کر رہ گیا۔

ابھی اس کی بے خودی دور نہ ہوئی تھی کہ ہلکے نقری قہقہہ کی آواز آئی۔ اس کا

طلسم بے خودی ٹوٹ گیا۔ وہ چونک پڑا اور آہستہ آہستہ گھوم کر اس طرف دیکھنے لگا جس طرف سے دو رخ پر ور نغمہ زا قہقہہ کی آواز آئی تھی۔

اس طرف سے ایک حسین دوشیزہ شباب کی لطافتوں اور حسن کی رنگینیوں میں ڈوبی ہوئی خرام ناز سے بل کھاتی ہوئی آرہی تھی۔ وہ اس پیکر نور فردوس کی حور کو تکنے لگا... تکتا رہا۔ اس وقت تک وہ اسکے پاس نہ آکھڑی ہوئی۔

اس لڑکی کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی۔ نہایت حسین تھی۔ چہرہ گول پیشانی چوڑی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور رسیلی۔ ناک ستواں اور موزوں۔ دہن غنچہ کی طرح چھوٹا اور دلفریب۔ لب پتلے اور کمان کی طرح سے خمیدہ۔ غرض کہ وہ حسن کی مجسم تصویر تھی۔ اسکے سر کے لمبے لمبے سیاہ بال گوندھے ہوئے دو لٹوں میں سینے کے دونوں طرف دو سانپوں کی طرح سے لٹک رہے تھے جو تقریباً گھٹنوں تک لمبے تھے۔ چاندنی میں اسکی صورت جگمگا رہی تھی۔

نوجوان اسکے حسین چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حور وش دوشیزہ نے نوجوان کی طرف حسین نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ یہاں کھڑے ہیں؟ کس لیے"

نوجوان نے اسکے رخ انور پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا میں؟.... اس دلفریب پھول کو دیکھ رہا تھا!"

کافر ادا حسینہ کے لبوں پر دلفریب تبسم کھیلنے لگا۔ اس نے کہا۔ پھول دیکھ رہا تھا؟.... کیا یہ پھول دلکش ہے؟

نوجوان۔ ہاں دلکش ہے.... اور اس کی نازک دلفریب پنکھڑیوں میں کسی کے گورے گورے رخساروں کی جھلک پائی جاتی ہے۔

یا تو دلربا حسینہ مسکرا رہی تھی یا دفعۃً متین بن گئی اور کچھ عجب نگاہوں

سے نوجوان کو دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی تیز نگاہوں سے کچھ وقفہ کے بعد بولی۔

"کس کے رخسار کی جھلک ہے۔ اس میں؟

نوجوان برابر اس کے منور چہرہ کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ تمھارے... طاہرہ! تمھارے رخ انور کا ظاہر کا عکس ہے!۔

اس حور وش کا نام طاہرہ تھا۔ وہ شرما گئی اس نے شرم آفریں نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے؟... نہیں! تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو اسلم۔

نوجوان کا نام اسلم تھا۔ اس نے کہا۔ دھوکہ دے رہا ہوں؟ جھوٹ بول رہا ہوں... افسوس صد افسوس!"

اسلم نے غمزدہ ہو کر اپنا سر جھکا لیا۔ طاہرہ اسکی طرف دیکھ رہی تھی اس کے غمزدہ ہونے سے وہ بھی افسردہ ہو گئی۔ اس نے کہا تم ناخوش ہو گئے اسلم؟"

اسلم نے آہستہ آہستہ اپنا چہرہ اٹھا کر غمگین نظروں سے طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ناخوش ہو گیا.... کس سے؟ کیا تم سے؟.... نہیں میری یہ مجال نہیں ہے۔

طاہرہ۔ تم زبان سے اقرار نہ کرو... مگر تمھارا چہرہ کہہ رہا ہے۔

اسلم۔ اگر تم کو میرے چہرے کے تاثرات کا اندازہ ہوتا!...

طاہرہ نے دلآویز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ تب کیا ہوتا؟

اسلم۔ تم مجھ پر ظلم نہ کرتیں۔"

طاہرہ چونک پڑی۔ اس نے کہا۔ ظلم؟... میں نے کب ظلم کیا ہے۔

اسلم۔ نہیں کہہ سکتا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ نہ معلوم کیوں تمھارا مزاج

سراندیپ کی آب و ہوا نے ایسا بنا دیا ہے۔

طاہرہ نے نگاہ ناز کے تیر برساتے ہوئے کہا کیسا مزاج ہو گیا ہے میرا؟

اسلم۔ پہلے تم بات بات پر بگڑا نہ کرتی تھیں اور اب . . .

طاہرہ۔ (قطع کلام کرتے ہوئے) اور اب بگڑ جاتی ہوں۔

اسلم۔ اگر میں ہاں کہہ دوں گا تو تم پھر ناخوش ہو جاؤ گی!"

طاہرہ نے روٹھنے کی شان سے کہا۔ اور کچھ کہہ لیجیئے؟

اسلم۔ بس بگڑ گئیں نہ تم؟

طاہرہ۔ اچھا! اب میں جا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ لوٹی اور چلنے لگی۔ اسلم جلدی سے بڑھ کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اس نے کہا۔ خفا ہو کر نہ جاؤ طاہرہ؟۔ طاہرہ نے سامنے والی چٹان کی طرف

لہ ہمارے ناول کا آغاز سرزمین سراندیپ سے ہوا ہے سراندیپ کو لنکا بھی کہتے ہیں یہ ایک جزیرہ ہے جو ہندوستان کے جنوب میں واقع ہے اس جزیرہ کی لمبائی ۲۷۰ اور چوڑائی ۱۴۵ میل نیز کل رقبہ ۲۵۳۳۲ مربع میل ہے جو ممالک متحدہ آگرہ اودھ کے رقبہ سے کسی قدر زیادہ ہے گویا جزیرہ سراندیپ ہندوستان کے صوبہ ممالک متحدہ سے بڑا ہے یہ لنکا وہی جزیرہ ہے جہاں کا راجہ راون تھا۔ جس نے کو شیطانی قوت سے نیز زور حکومت کے بل بوتوں پر رشیوں اور منیوں انک سے خراج لیا تھا اور رام چندر کی چہیتی بیوی سیتا کو اٹھا لایا تھا۔ اس راجہ کا تذکرہ ہندوؤں کی مشہور کتاب رامائن میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اس نے ایک سونے کی لنکا بنا رکھی تھی جسے ہنومان جی نے پھونک دیا تھا رام چندر جی نے بندروں کی مدد سے بندروں کی فوج لے کر لنکا پر حملہ کر کے راون کو مار دیا تھا اور سیتا جی کو چھڑا کر لے آئے تھے یہ تمام واقعات رامائن میں تحریر ہیں اور مشہور اس

دیکھتے ہوئے کہا۔ بس اب ہم سے کوئی نہ بولے۔ اسلم اسکی حسین آنکھوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ کس سے کہہ رہی ہو تم؟ طاہرہ چپ ہوگئی اسلم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا بولو۔ طاہرہ؟ اس نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔ منھ کھتھپائے کھڑی دوسری طرف دیکھتی رہی۔ اسلم نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنی طرف مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

کیا نہ بولوگی اب تم؟ طاہرہ نے بغیر اسلم کی طرف دیکھے کہا۔ جب ہمارا مزاج بگڑ گیا ہے اور پھر ہم سے کوئی کیوں بولے اور ہم کسی سے کیوں بولیں! اسلم نے عاجزی کے ساتھ کہا۔ خطا ہوگئی۔ معاف کردو۔ طاہرہ نے اسکی طرف دیکھا اس نے کچھ ایسی مسکین صورت بنالی تھی کہ اسے خواہ مخواہ رحم آگیا۔ اس نے کہا۔ اچھا اقرار کرو کہ پھر ایسی بات نہ کہو گے۔

اسلم۔ اقرار کرتا ہوں ہرگز نہ کہوں گا۔

طاہرہ۔ اچھا معاف کردیا۔

اسلم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ طاہرہ نے

لہ بقیہ صفحہ ۶ کا۔ مشہور واقعہ کی وجہ سے لنکا یا سراندیپ کو جانتے ہیں۔ لیکن مسلمان لنکا یا سراندیپ کو اس وجہ سے جانتے ہیں کہ جب حضرت آدم نے جنت میں خدا کی نافرمانی کرکے حضرت ماما حوّا کے کہنے سے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا تو خدا نے ان دونوں سے ناخوش ہوکر ماما حوّا کو جدہ میں اور حضرت آدم کو سراندیپ کے پہاڑ پہ اتار دیا تھا اور پورے سو برس تک آدم تنہا اس پہاڑ پہ رہے تھے چنانچہ اس پہاڑ کا نام کوہ آدم مشہور ہوگیا اور آج تک اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سراندیپ میں موسم خوشگوار رہتا ہے۔ (صادق رحمد فتقی)

مسکرا کر کہا۔ کیا مل گیا ہے تم کو؟۔
اسلم۔ میرے لیے تمہاری خوشی ہے سب کچھ ہے اور وہی مل گئی ہے!"
طاہرہ۔ مگر تم اس پھول کو دیکھ رہے تھے جس میں کسی کے رخساروں کا ہلکا سا عکس بنا رہے تھے۔
اسلم نے لوٹتے ہوئے کہا۔ آؤ تم کو اس پھول کو دکھاؤں طاہرہ۔"
طاہرہ۔ چلئے دیکھیں کیسا پھول ہے!"
دونوں پھر پھول کے پاس پہنچے اسلم نے طاہرہ کو دکھایا اس نے دیکھا پھول کی پنکھڑیاں گلابی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اسکی تازگی آنکھوں کو نزہت بخش رہی تھی۔ طاہرہ نے کہا۔ واقعی نہایت دلفریب پھول ہے۔"
اسلم۔ اور جاذب نظر بھی!۔
طاہرہ۔ ہاں۔
اسلم۔ مگر؟۔
طاہرہ نے نازبھری چتون سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا مگر کیا؟
اسلم۔ تمھارے عارض گلگوں کے سامنے ہیچ ہے۔
طاہرہ نے شوخی سے دیکھ کر کہا۔ پھر وہی شرارت شروع کی تم نے؟"
اسلم۔ واقعی پھر غلطی ہوگئی مجھ سے!"
اسوقت ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آواز آئی۔ طاہرہ سہم گئی۔ اور ڈر کر اسلم کے شانہ سے جا لگی۔ اسلم نے اسکے سہمگیں چہرہ کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔

دوسرا باب

"خوفناک ہاتھی"

خاموش طاہرہ سہمی ہوئی اسلم کے شانے سے لگی کھڑی تھی۔ اسلم اس بت طناز کو دیکھ رہا تھا۔ حسن کی دنیا میں مسرت کا جھولا جھول رہا تھا۔ اسے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ کسی وقت طاہرہ بے ساختہ پن کے انداز سے اس سے لپٹ جائے گی۔ وہ بھول گیا کہ طاہرہ ڈر رہی ہے۔ اور اسوقت اس کی دلدہی کرنے کی ضرورت ہے۔ طاہرہ نے خوفزدہ نگاہیں اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا

چلو اسلم اب خیمہ پر چلیں۔

اب اسلم کچھ ہوش میں آیا۔ اور اس نے دلدہی کے لہجہ میں کہا۔ مت ڈرو طاہرہ خوف کی کوئی بات نہیں ہے۔ طاہرہ نے کہا۔ ہاتھی چنگھاڑ رہا ہے۔ یہ جانور بڑا موذی ہے۔ میرا کلیجہ مارے دہشت کے دھک دھک کر رہا ہے آؤ بس اب چلو"۔

چونکہ اب اسلم اچھی طرح اپنے حواس میں آگیا تھا اسلیے کہ وہ سمجھ گیا کہ طاہرہ ڈر رہی ہے۔ اس نے کہا۔ "اچھا چلو طاہرہ"۔

دونوں چلے لیکن طاہرہ اب بھی اسکے شانے سے لگی ہوئی چل رہی تھی۔ دونوں چلتے رہے۔ اور سامنے کی چٹان عبور کر کے دوسری طرف پہنچے اس طرف بہت سے خیمے نظر آئے۔ جو چاندنی میں سفید سفید سے چمک رہے تھے بعض خیموں کے سامنے آگ روشن تھی اور بعض کے سامنے انگارے پڑے دہک رہے تھے ان خیموں کے قریب پہونچ کر طاہرہ اسلم سے الگ ہو گئی اور جب دونوں

خیموں کے حصار میں داخل ہوئے تو وہ "شب بخیر" کہہ کر آگے بڑھی اور ایک خیمے کی طرف چلی گئی۔

اسلم بڑھا چلا گیا۔ اور چند خیموں کے سامنے سے گذر کر ایک بلند اور عالیشان خیمہ پر پہنچا۔ اس خیمے کے سامنے آگ روشن ہو رہی تھی اور ایک ادھیڑ عمر کی عورت آگ کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کہاں چلے گئے تھے بیٹا! میں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی کھا رہی تھیں۔

یہ عورت اسلم کی والدہ تھی۔ اس نے کہا۔ امی جان! میں اس سامنے والی چٹان کے دوسری طرف چلا گیا تھا۔ اس کی والدہ کا نام حلیمہ تھا۔ اس نے کہا یہ پہاڑ ہے اس پر دسیوں قسم کے جانور رہتے ہیں تم کو نہتے نہ جانا چاہیئے تھا۔ کم از کم تلوار ہی لے جاتے۔

اسلم۔ غلطی ہوئی امی جان آئندہ نہتا نہ جایا کروں گا۔"

حلیمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آئندہ جانے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ ہم نے زیارت تو کر ہی لی ہے اب خیر سے علی الصباح روانہ ہو جائیں گے۔ دیکھو عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ جاؤ نماز پڑھ آؤ۔

اس وقت اذان کی آواز آ رہی تھی۔ اسلم نماز پڑھنے کے لیے چلا گیا۔ یہ قافلہ جو جزیرہ سراندیپ کے کوہ آدم پر ٹھہرا ہوا تھا ان مسلمانوں کا تھا۔ جو حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانہ میں ملک ہند و سندھ میں بغرض تجارت آئے تھے اور وہاں سے واپسی پر چند خاندان سراندیپ میں رہ گئے تھے۔ یہ لوگ ان تاجروں کی اولاد تھے اور اب وطن واپس جا رہے تھے۔ وطن جانے سے پہلے وہ اس پہاڑ کی زیارت کرنے آئے تھے جس پر حضرت آدم سو سال تک رہے تھے۔ کئی روز سے یہ قافلہ مقیم تھا اور اب صبح کوچ کا انتظام کر چکا تھا۔

اسلم ایک کھلی ہوئی جگہ پہونچا۔ جہاں ایک چشمہ رواں تھا جو چٹان کے اوپر سے بہتا آرہا تھا۔ چشمے کے کنارے پر بہت سے بڈھے جوان اور بچے جمع تھے اور سب وضو کر رہے تھے۔ اسلم بھی وضو کرنے لگا۔ وضو کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی اور نماز پڑھکر واپس آئے۔ اسوقت بعض عورتیں نماز پڑھ رہی تھیں بعض پڑھ چکی تھیں۔ جب رات زیادہ آگئی تو یہ سب سو گئے اور صبح سویرے بیدار ہوکر ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھنے لگے۔

نماز سے فارغ ہو کر خیمے اکھاڑ اکھاڑ کر خچروں اور گھوڑوں پر لادے اور سب گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے۔ اس قافلے میں بیس مرد اور بارہ عورتیں دس نو عمر لڑکیاں سولہ بچے تھے۔ گویا کل بچاسی افراد تھے۔ سب نہایت خوش تھے۔ وطن جانے کی خوشی ہر شخص کو تھی۔ جوش مسرت میں بہے جا رہے تھے۔

پہاڑ سے اتر کر یہ لوگ ساحل سمندر کی طرف بڑھنے لگے۔ دوپہر تک چلتے رہے۔ جب آفتاب سر پہ آگیا تو انھوں نے قیام کر دیا۔ بقیہ دن اور ساری رات ٹھہرے رہے۔ اگلی صبح کو پھر چل پڑے اور دوپہر کے قریب سنکونا کے درختوں کے جنگل میں پہونچ گئے۔ اس زمانے میں سنکونا کے درختوں کو کاٹ کر ایندھن یا عمارت کے کام میں لایا جاتا تھا اور آج کل اس درخت سے "کونین" بنائی جاتی ہے۔ جو ملیریا کے بخار والوں کو دی جاتی ہے۔

دوسرے روز یہ لوگ پھر چلے اور ناریلوں کے اونچے اونچے گنجان درختوں کے جنگل میں جا اترے۔ ان درختوں پر ناریل لگے ہوئے تھے چونکہ یہ تمام جنگل سراندیپ کے مہاراجہ کی ملکیت تھا۔ اور یہ مسلمان مہاراجہ کے یہاں

مہمان[۱] تھے اس لیے انھوں نے بہت سے ناریل توڑ کر ذخیرہ کر لیے۔

اگلی صبح کو پھر روانہ ہوئے اور ناریل کے درختوں میں جنگلوں میں گھسے چلے گئے ناریل کے درخت نہایت بلند تھے ان پر وہی شخص چڑھ سکتا تھا جو کہ درختوں پر چڑھنے میں مشاق ہو۔

تقریباً تین گھنٹے تک تو یہ لوگ نہایت اطمینان سے چلتے رہے لیکن جب آفتاب نصف النہار کے قریب پہونچ گیا تھا انھوں نے ہاتھیوں کا ایک گروہ دیکھا۔ جس میں پندرہ بیس ہاتھی تھے اور وہ اپنی لمبی لمبی اور مضبوط سونڈوں سے درختوں کو جھکا جھکا کر توڑ رہے تھے۔

سراندیپ میں ہاتھی کثرت سے ہوتے ہیں اتنی کثرت سے کہ شکاری ایک دو ہاتھیوں کو ہر روز مار سکتا ہے۔ مسلمانوں کے گھوڑے ان ہاتھیوں کو دیکھ کر بھڑکنے لگے اور انھیں دیکھ کر مسلمانوں پر بھی خوف طاری ہو گیا۔

ہاتھی ایسا شریر جانور ہے کہ جب کسی انسان۔ جانور یا چیز پر حملہ کرتا ہے تو اسے پامال کیئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ بڑے بڑے تناور درختوں تک کو جڑ سے اکھاڑ کر گرا دیتا ہے۔ ہاتھیوں کو دیکھتے ہی مسلمانوں نے راستہ بدل دیا۔ عورتیں اور بچے آگے چلے اور مرد ان کے پیچھے ہو لیے۔ یہ لوگ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ شاخوں کے ٹوٹنے اور درختوں کے گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ انھوں نے جب گھوم کر دیکھا تو ہاتھیوں کا لشکر شاخوں کو توڑتا۔ درختوں کو گراتا ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ سامان تھا بچے تھے۔ عورتیں تھیں۔ اس لیے ان کا وہاں سے گھوڑے بھگا کر نکل جانا غیر ممکن

---

[۱] جب مسلمان سراندیپ میں آئے تھے تو مہاراجہ نے انکی بڑی خاطر(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

تھا۔ ان میں جتنے بھی مرد تھے وہ سب ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے صرف دو جوان عورتوں بچوں اور سامان کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

ہاتھی درختوں کو تباہ و برباد کرتے سونڈیں اٹھائے مسلمانوں کو پامال کرنے کے لیے بڑھے چلے آ رہے تھے مسلمان نیزے لے لے کر کھڑے ہو گئے تھے ان میں اسلم بھی تھا۔ مگر جب ہاتھی اور قریب آ گئے اور گھوڑوں نے ان سیاہ پہاڑوں کو دیکھا تو خوف سے کانپنے اور بدک بدک کر الف ہونے لگے مسلمان سمجھ گئے کہ اگر وہ گھوڑوں پر سوار رہے تو ہاتھیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس لیے وہ اتر اتر کر کھڑے ہو گئے۔ اور دو آدمی گھوڑوں کو وہاں سے دور ہٹا لے گئے ہاتھی کچھ اس طرح سے بھاگے چلے آ رہے تھے جیسے وہ ہر چیز کو پامال کر دیں گے جو ان کے سامنے آ جائے گی۔"

ایک ضعیف العمر نے کہا۔ "مسلمانوں شاید نیزوں سے ہاتھیوں کا مقابلہ نہ ہو سکے گا۔"

ایک نوجوان نے دریافت کیا۔ "پھر کیا کرنا چاہیئے!؟"

ضعیف العمر۔ ابھی ہاتھی دور ہیں ان کے سونڈوں اور مسکوں پر تیر مارو۔

ایک اور بڈھے نے کہا۔ نہایت مناسب تدبیر ذہن میں آئی ہے اگر دو چار ہاتھی مجروح ہو گئے تو شاید سب لوٹ جائیں۔

(صفحہ ۱۲ کا بقیہ) مدارات کی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کے چند قبیلے رہ گئے اور یہ انہی قبیلوں کی اولاد تھے جو راجہ سے اجازت لے کر وطن جا رہے تھے۔

(از تاریخ ہند۔ صادق۔ صدیقی)

تدبیر موزوں اور مناسب تھی اس لیے سب نے پسند کی اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انھوں نے جلدی جلدی نیزے زمین پر ڈال دیئے اور کمانیں لے لے کر ان میں تیر جوڑے، چلے کھینچے اور پوری قوت سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ ان میں سے اکثر تیر ہاتھیوں کے جسموں میں ترازو ہو گئے۔ اور ہاتھی زخمی ہو کر پورے غصے کے ساتھ تیزی سے دوڑ کر حملہ آور ہوئے لیکن ابھی وہ دور ہی تھے کہ مسلمانوں نے پھر تیر برسائے اور پھر ہاتھی زخمی ہوئے۔

اب ہاتھی جوش و غضب میں بھر گئے اور وہ پھنکاریں مارتے ہوئے اپنی سونڈوں کو ہلاتے ہوئے اور بھی تیزی سے جھپٹے۔ جس زور و شور سے وہ آ رہے تھے اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ آتے ہی مسلمانوں کو مسل ڈالیں گے۔

مسلمانوں نے بھی اس بات کو سمجھ لیا تھا۔ چونکہ ہاتھی اس قدر قریب آ گئے تھے کہ ان پر اب تیروں کا اثر نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے جلدی جلدی کمانیں شانوں پر ڈالیں اور نیزے اٹھا اٹھا کر حملے کرنے کے لیے مستعد ہو گئے۔ بگڑا ہوا ایک ہاتھی بھی نہایت خطرناک ہوتا ہے اور وہاں تو بہت سے ہاتھی تھے۔ پھر وہ غضب ناک ہوئے۔ چھوٹے چھوٹے درختوں کو گراتے مسلتے دوڑتے چلے آ رہے تھے مگر مسلمانوں پر ہراس طاری نہ ہوا وہ نہایت استقلال اور بڑے اطمینان سے نیزے تانے کھڑے تھے۔ اتفاق سے ایک ہاتھی نے سب سے پہلے اسلم پر حملہ کیا وہ بھی تیار تھا۔ اس نے نہایت پھرتی اور بڑی قوت سے اسکی آنکھ پر نیزہ مارا۔

نیزہ کی انی آنکھ پھوڑ کر دماغ میں گھسی چلی گئی۔ ہاتھی نے ایک نہایت خوفناک چیخ ماری اور پشت پھیر کر بے تحاشہ بھاگا۔ نیزہ کچھ ایسا پیوست ہو گیا

تھا کہ اسلم کے بہت کچھ کوشش کرنے پر بھی نہ نکل سکا۔ بالآخر نیزہ اسے چھوڑنا پڑا اب اسلم نے تلوار کھینچ لی اور جھپٹ کر دوسرے ہاتھی پر حملہ کیا۔ تلوار کاری پڑی۔

ہاتھی کی سونڈ کٹ کر دور جا گری۔ وہ بھی چنگھاڑ مار کر بھاگا۔ ان متواتر دو ہاتھیوں کے بھاگنے سے ہاتھیوں کا جوش و غضب سرد پڑ گیا۔ اور ان پر خوف طاری ہو گیا۔ ادھر مسلمانوں نے نیزوں اور تلواروں سے انھیں زخمی کرنا شروع کر دیا۔ دو تین ہاتھیوں کی سونڈیں اور کٹ گئیں اور وہ بھی پیچھے پھر کر بھاگے۔

ان کے بھاگتے ہی تمام ہاتھی لوٹ کر بھاگ پڑے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انھیں نیزوں اور تلواروں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ ہاتھیوں پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ جس کا جس طرف منھ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔

چونکہ وہ نہایت بدحواسی سے بھاگ رہے تھے اسلیئے درختوں سے ٹکرا ٹکرا جاتے تھے۔ اکثر ہاتھی تو بھاگتے بھاگتے گر پڑتے اور مسلمانوں نے انھیں اس قدر مجروح کیا کہ ان میں اٹھنے کی بھی سکت باقی نہ رہی جب میدان صاف ہو گیا تب مسلمان لوٹے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل کر قافلے سے مل گئے۔

تیسرا باب ۳

"نیلگوں سمندر"

جزیرہ سراندیپ میں ہاتھیوں کی اس قدر افراط ہے کہ پندرہ پندرہ بیس بیس کے گروہ ہر جنگل میں اور ہر طرف پھرتے رہتے ہیں چونکہ مسلمانوں کو بھی

وہاں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گذر گیا تھا۔ اس لیے وہ اس بات کو خوب جانتے تھے لیکن مسلمان سوائے خدا کے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس لیے انھیں اس سے مطلق کوئی خدشہ نہ تھا۔ وہ حملہ آور ہاتھیوں کو بھگا کر قافلے سے جا ملے تھے غرض قافلہ دن کو دوپہر تک چلتا رہا اور باقی دن اور تمام رات قیام کرتا بڑھتا رہا... اور اسی طرح سے سفر کرتے کرتے ساحل سمندر پر جا پہنچا یہاں پہلے ہی سے آٹھ جہاز انھیں لے جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ یہ جہاز جزیرہ سراندیپ کے مہاراج نے فراہم کیے تھے۔

ہمارے ناول کا آغاز ۹۳ھ سے ہوا ہے اس وقت ولید بن عبد الملک[1] خلیفہ تھا۔ نہایت پرجوش۔ بہادر۔ اور مسلمانوں کا خیر طلب سلطان تھا۔ چونکہ اسلامی سلطنت بہت کچھ وسیع ہو گئی تھی۔ حجاز۔ عراق۔ عجم۔ شام۔ مصر۔ نجد یمن۔ افغانستان۔ ایران اور افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ اس لیے خلیفہ نے ہر ملک میں ایک گورنر یا صوبہ دار مقرر کر کے چند صوبے داروں پر ایک ایک وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح سے نظام مملکت نہایت معقول ہو گیا تھا اور ہر صوبیدار اپنے صوبے میں صرف امن و امان ہی نہ رکھتا تھا بلکہ ملحقہ ممالک کے فرمانرواؤں کو بھی امن سے رہنے کی تاکید کرتا تھا۔ اگر کوئی بدبخت ہمسایہ بادشاہ اسلامی سلطنت کی حدود پر حملہ آور ہوتا تھا تو اسکی اچھی طرح سے گوشمالی کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اسلامی حکومت کا دبدبہ چار دانگ عالم پر چھایا ہوا تھا۔ اور ہر ہمسایہ فرمانروا مسلمانوں کو خوش رکھنے کی سعی کرتا تھا۔ نہ صرف سلطان اور خلیفہ ہی کو بلکہ وائسرائے اور گورنر تک۔

---

[1] از تاریخ اسلام۔ (صادق صدیقی)

دیکھی۔

اس زمانہ میں بلاد مشرق کا وائسرائے حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔ نہایت دلیر مدبر مخلص اور پرجوش مسلمان تھا۔ اس کے ہیبت و دبدبہ سے دور دور تک کے بادشاہ لرزتے اور کانپتے تھے۔ سراندیپ کے مہاراجہ نے وائسرائے اور خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان جہازوں میں تحائف، غلام اور سراندیپ کی حسین و نوخیز لڑکیوں کو بطور کنیزوں کے مسلمانوں کی خدمت کرنے کے لیے سوار کرا دیا تھا۔ انتظار صرف ان مسلمانوں کی آمد تھا۔ چونکہ مسلمان کوہ آدم کی زیارت کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ اس لیے جہاز اور جہازوں پر سوار ہونے والے ان کے منتظر تھے۔ جب یہ لوگ آ گئے تو انھیں جہازوں پر سوار کرا کر ایک روز صبح ہوتے ہی جہازوں نے لنگر اٹھائے اور آہستہ آہستہ سمندر کو چیرتے ہوئے روانہ ہوئے جہاز کیا تھے بڑی بڑی کشتیاں تھیں جو بادبانوں کے سہارے سے سمندر کو طے کرتی تھیں ان جہازوں پر اسلامی علم لہرا دیے گئے تھے جس سے دور ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا کہ اسلامی جہاز ہیں اور مجاہدین اسلام ان میں سوار ہیں چونکہ ہلکے جہاز تھے اس لیے نہایت سبک روی سے سطح سمندر پر چلے جا رہے تھے جب نماز کا وقت ہوتا مسلمان اذان کہتے اور جہاز ہی میں جماعت سے نماز پڑھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی قوم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے خدا کی توحید کی منادی جنگل پہاڑ آبادی میں ویرانے میں سمندر میں اور خشکی پر کی ہو۔ اول تو توحید دوسرے مذاہب میں ہے ہی کہاں عیسائیوں نے ایک خدا کے تین خدا بنا لیے ایک خدا دوسرے خدا کا بیٹا (حضرت عیسیٰ) تیسرے حضرت روح القدس (جبرئیل)

ہندوؤں میں توحید کا نام بھی نہیں۔ وہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں اور ہر دیوی یا دیوتاؤں کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ ایشور (خدا) ہی دیوتا بن کر آیا ہے۔

بدھ مذہب والے سب کچھ بدھ جی ہی کو مانتے اور جانتے ہیں۔ زرتشتی آگ کو ہی خدا کا نور سمجھ کر پوجتے ہیں۔ غرض کہ ہر مذہب فریب توحید میں پھنسا ہوا ہے۔ توحید کا دعویٰ کرتا ہے مگر موحد بھی نہیں سوائے اسلام کے۔"

دنیا میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو حقیقی توحید کا حامل اور خدا پرستی کا مبلغ اعظم ہے۔ اور مسلمان ہی خدا کی وہ مخلوق ہے جو دنیا کے چپے چپے پر خدا کا نام پکارتی ہے اور پکارتی رہی ہے۔ عیسائی نماز کے وقت کا اعلان گھنٹہ بجا کر کرتے ہیں ہندو عبادت سے پہلے گھنٹے یا سنکھ بجاتے ہیں لیکن مسلمان ہر نماز کا اعلان خدا کی الوہیت سے کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے جہاز سراندیپ سے روانہ ہو کر چلے جا رہے تھے رات اور دن چلتے رہتے تھے۔ وہ بندر دیبل پر چلنا چاہتے تھے۔ ایک رات کو جب کہ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ اور چاندنی نے سمندر کے نیلے پانی پر سفید چادر بچھا دی تھی۔ اسلم ایک تختہ پر بیٹھا ہوا سمندر میں جھانک رہا تھا۔

جس طرح آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ اسی طرح سے زیر آب ایک آسمان اور اس میں ایک چاند ابھرتا نظر آ رہا تھا۔ آج ہوا ساکن تھی۔ اور سمندر خاموش تھا ابھی اسلم کو بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ طاہرہ آگئی۔ وہ کھڑی ہو کر اسلم کو دیکھتی رہی اسکے نازک لبوں پر تبسم لوٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں شوخیاں جھوم رہی تھیں۔

اسلم کچھ ایسا محو سا محسوس ہو رہا تھا کہ اسے طاہرہ کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ جس شان سے بیٹھا تھا۔ اسی شان سے بیٹھا رہا۔ کچھ توقف کے بعد طاہرہ نے دلفریب لہجہ میں کہا! "تم سمندر میں جھانک کر کیا دیکھ رہے ہو۔؟"

اسلم چونک پڑا اس نے خیالات کی گہرائیوں سے نکل کر حورِ وش طاہرہ کو دیکھا! دیکھتا رہا۔ اسکے رخ انور پر نظریں جمائے تکتا رہا۔ گویا وہ خیالات کی گہرائیوں سے نکل کر حسن کی گہرائیوں میں کھو گیا تھا۔

کچھ وقفہ کے بعد سنبھلا اور کہا کون طاہرہ! خوب ہوا تم آگئیں۔ طاہرہ اسکے قریب ہی بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ دیکھو اس وقت چاندنی کیسا نور برسا رہی ہے۔

اسلم۔ مگر زیر آب ایک اور ہی تماشا ہو رہا ہے۔"

طاہرہ نے سمندر کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "کیا"

اسلم۔ چاند پانی کی تہہ کے نیچے ایسا چمک رہا ہے جیسے کسی حسین کا تابناک چہرہ آب رواں کے نقاب کے نیچے جگمگایا کرتا ہے۔

طاہرہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے نگہِ ناز سے دیکھ کر کہا یہ تم میں شاعرانہ خیالات کب سے پیدا ہوئے ہیں۔

اسلم نے بے ساختگی کے انداز سے کہا۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے طاہرہ!

طاہرہ شرما گئی شرم نے اسکے چہرے کو اور بھی دلفریب بنا دیا۔ اسلم کی نگاہیں اسکی چاند سی صورت پر جمی ہوئی تھیں اس نے طاہرہ کو خاموش دیکھ کر کہا۔

طاہرہ! حقیقت یہ ہے کہ میری دنیائے آرزو صرف تمہاری ذات

تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

طاہرہ کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کسی قدر سہمی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسلم کیا تم مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو؟"۔

اسلم نے عاجزی سے کہا۔ "نہیں ... طاہرہ! میں ایسا نہیں کر سکتا!"۔

طاہرہ۔ اگر کسی نے سن لیا تو ...

اسلم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "میں اور تم دونوں بدنام ہو جائیں گے!"... طاہرہ! میں ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر ذرا بھی کسی کو کچھ شبہ ہو گیا تو پھر میں تم سے اور تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔

طاہرہ سمندر کی جانب جھکی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ دیکھنا اسلم! یہ جہاز کے نیچے کیا چیز تیر رہی ہے۔

اسلم اس طرح سے جھکا کہ اس کا جسم طاہرہ کے جسم گداز سے مس ہو گیا اور دونوں کے جسموں میں ایک بجلی کی سی لہر دوڑ گئی۔

طاہرہ جلدی سے الگ کھسک گئی۔ اسلم نے دیکھا کہ جہاز کے نیچے ہی ایک مچھلی تیر رہی ہے۔ اتنی بڑی مچھلی جو کہ جہاز سے بھی کافی گز زیادہ لمبی تھی۔ طاہرہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ مچھلی نے سر نکال کر ایک مچھلی کو جو کہ اس کے منہ میں تھی اچھالا اور اسے نگلنے کے لیے منہ پھاڑا۔

اس کا منہ غار کی طرح سے کھل گیا۔ طاہرہ ڈر گئی اور ڈر کر اسلم کی گود میں جا پڑی۔ اس نے گھبرانے کے انداز میں کہا۔ "یہ کیا ہے؟"۔

اسلم نے دلدہی کے لہجہ میں کہا۔ "مت ڈرو طاہرہ! یہ مچھلی ہے!"

طاہرہ نے سہم گئی نگاہوں سے اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اتنی بڑی!"

اسلم۔ یہ تو بہت چھوٹی مچھلی ہے۔ سمندر میں تو اتنی بڑی بڑی مچھلیاں ہوتی ہیں جو کشتیوں تک کو نگل جائیں۔

طاہرہ۔ خدا کی پناہ!

اس وقت ہوا تیز ہو گئی تھی۔ صاف مطلع پر بادلوں کی ہلکی سی چادر پھیلنے لگی تھی۔ جہاز کے اس کنارے پر سے جہاں ناخدا تھا کچھ شور بلند ہوا۔ طاہرہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور وہ اور اسلم دونوں حیران ہو کر دیکھنے لگے۔

چوتھا باب

"طوفان"

اسلم اور طاہرہ دونوں حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔ تیز ہوا کے چلنے سے رات کا قدرتی سکوت ٹوٹ گیا تھا۔ طاہرہ نے اسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا شور ہونے لگا ہے یہ؟۔ اسلم نے جواب دیا۔ شاید ناخدا نے کوئی خوفناک چیز دیکھی ہے۔

طاہرہ۔ کیا چیز ہو گی وہ؟

اسلم۔ کوئی خوفناک مچھلی یا بحری قزاقوں کا کوئی جہاز!"

طاہرہ۔ ممکن ہے کہ ناخدا نے بحری ڈاکوؤں کا کوئی جہاز ہی دیکھا ہو!"

اسلم۔ لیکن اگر جہاز دیکھا ہوتا تو تمام مسلمان مسلح ہونے لگتے!

طاہرہ۔ یہ ٹھیک کہتے ہو۔ شاید کوئی اور ہی بات ہے آؤ چل کر دیکھیں تو!"

اسلم۔ چلو دیکھیں!"

دونوں اٹھے اور ناخدا کی طرف چلے۔ اب ہوا اور بھی تیز ہو گئی تھی اور

بادلوں کے غلیط دل آسمان پر چھانے لگے تھے۔ چاند بھی سب بادلوں کے نیچے چھپ گیا تھا۔ چاندنی سمٹ سمٹا کر غائب ہو گئی تھی اندر اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ان دونوں نے دیکھا کہ تمام مسلمان جہاز کے صحن میں کھڑے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اسلم نے کہا۔

طاہرہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طوفان آنے والا ہے؟۔

طاہرہ طوفان ......؟ سنا ہے کہ سمندر کا طوفان نہایت خوفناک ہوتا ہے۔

اس وقت ایک سراندیپ کی رہنے والی لڑکی جو کنیزوں کے زمرہ میں تھی ان کے پاس آ گئی۔ وہ سخت خوفزدہ ہو رہی تھی۔ اس نے طاہرہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"سمندر کا طوفان بڑا ہلاکت خیز ہوتا ہے۔!

طاہرہ۔ خدا فضل کرے گا۔

لڑکی۔ ایند (خدا) کچھ بھی نہ کر سکے گا۔"

طاہرہ نے حیرت سے لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیوں!

لڑکی نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس لیے کہ اندر جی مہاراج کسی وجہ سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ بادو باراں ان کے ہی قبضے میں ہے اور انھوں نے ہی یہ طوفان بھیجا ہے۔

طاہرہ مسلمان لڑکی تھی۔ ہر مسلمان ہر بات خدا کی طرف سے سمجھتا اور جانتا ہے۔ خدا کی قوت تمام قوتوں سے بالا تر مانتا ہے۔ اسے یہ سنکر حیرت بھی ہوئی۔ اور افسوس بھی ہوا۔ اس نے کہا۔ ایسی باتیں تو کہو۔ اس خدا کی توہین ہوتی ہے۔ اور ایک مسلمان اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتا خدا

نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

لڑکی۔ مگر طوفان اندرجی مہاراج نے اٹھایا ہے اندر ہی اسے دور کر سکتے ہیں"۔

طاہرہ۔ نہیں سوچو! جب ہر چیز خدا (ایشور) کی پیدا کی ہوئی ہے تو وہی سب پر قادر ہے۔ کوئی چیز بغیر اسکے حکم کے حرکت نہیں کر سکتی۔

لڑکی۔ تم مسلمانوں کا تو یہی عقیدہ ہے۔ مگر ہم ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اوتاروں کو بھی بڑی قوت حاصل ہے اور وہ اس قوت سے جب چاہیں دنیا والوں کو پریشان و دق کر سکتے ہیں۔

طاہرہ۔ لیکن اگر تمہارا ایشور نہ چاہے تب بھی؟"۔

لڑکی۔ ہاں تب بھی! ہمارے دیوی اور دیوتا بڑے غصہ ور ہوتے ہیں جب کسی سے ناخوش ہو جاتے ہیں تو اسے تباہ کئے بغیر نہیں چھوڑتے اسی وجہ سے ہم ان سے ڈر کر انھیں خوش رکھنے کیلیے ان کی پوجا کرتے ہیں۔

طاہرہ۔ افسوس! کس قدر غلط فہمیاں ہیں۔ تمہارے دیوی۔ دیوتا اور رسول پیغمبر سب خدا کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ بغیر اسکی مرضی کے خود کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اگر تم دیوی دیوتاؤں کی پرستش کے بجائے خدا کو پوجو تو کیا اچھا ہے"۔

لڑکی کو کچھ اطمینان نہ ہوا اور وہ وہاں سے چلی گئی۔ طاہرہ اور اسلم دونوں بڑھ کر ناخدا کے پاس پہنچے۔ اس وقت اسکے پاس بہت سے مسلمان کھڑے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ جی ہاں سخت طوفان کے آنے کا خدشہ ہے کیونکہ ہوا کے تھپیڑوں سے سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں ہیں۔ ہلکے جہاز زبردست موجوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

ایک بڈھے مسلمان نے کہا۔ خیال تو میرا بھی یہی ہے مگر ... پھر کیا کرنا چاہیئے؟"

ناخدا۔ میرے خیال میں تمام جہازوں کو زنجیروں سے جکڑ کر بیڑا بنا لینا چاہیئے۔"

اسلم۔ یہ تدبیر نہایت مناسب ہے۔

تمام جہاز آگے پیچھے ایک قطار میں جا رہے تھے۔ یہ جہاز جس پر اسلم اور طاہرہ تھے سب سے آگے تھا۔ ناخدا نے جہاز کی رفتار کم کر دی اسکی رفتار کم ہوتے دیکھتے ہی تمام جہازوں کی رفتار کم ہو گئی۔ اور آخر کچھ دور چل کر تمام جہاز رک گئے۔ جہاز والے تیز ہوا اور بادلوں کی آمد کو طوفان کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے۔ اور اسلیے قریب قریب سب پریشان ہو رہے تھے۔

پریشان ہونے کی وجہ بھی تھی جہاز سمندر میں تیر رہے تھے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ پانی دکھائی دیتا تھا۔ گویا اوپر آسمان تھا اور نیچے پانی۔ ہوا تیز چل رہی تھی۔ کوہ پیکر موجیں اٹھنے لگی تھیں۔ جہاز ہلکے ہونے کی وجہ سے موجوں کے رحم وکرم پر تھے۔ ذرا سی دیر میں الٹ سکتے تھے۔

پہلے جہاز کے ناخدا نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے کہہ دیا کہ چار چار جہازوں کی دو قطاریں بنا کر ایک جہاز کو دوسرے سے زنجیروں میں جکڑ کر بیڑا بنا لو۔ تاکہ تمام جہاز مل کر طوفان کا مقابلہ کر سکیں۔

چنانچہ فوراً چار جہاز آگے بڑھ آئے اور چار ان کے پیچھے ہو گئے اور اس طرح سے آٹھ جہازوں کی دو قطاریں کر کے سب کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا جس وقت ان جہازوں کو ملایا اور زنجیروں سے کسا جا رہا تھا۔ اسوقت ہوا اور بھی تیز ہو گئی تھی اور کالے بادلوں نے گھٹا ٹوپ اندھیرا کر دیا تھا اب سمندر رعد ورجہ

خوفناک ہو گیا۔ سمندر کے نیلے پانی کا رنگ بالکل سیاہ ہو گیا تھا۔ اور آسمان
سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ ہر طرف سیاہی چھا گئی تھی۔ ہر جہاز میں معمولی
قسم کے کمرے تھے۔ جو اس قدر تنگ تھے کہ ان میں سے ہر ایک میں دو دو
اور تین تین آدمی ہی رہ سکتے تھے۔ چونکہ طوفان کے زور وشور سے آنے
کی توقع تھی۔ اس لیے بچوں اور عورتوں کو کمروں میں بھیج دیا گیا تھا۔ طاہرہ
بھی چلی گئی تھی۔ اور مرد سب جہاز کے صحن میں کھڑے رہ گئے تھے۔ اب
آہستہ آہستہ جہازوں کو چلانا شروع کر دیا گیا تھا۔ جو پانی کو چیرتے تاریکی
کے پردے چاک کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

ہوا دمبدم تیز ہوتی جاتی تھی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی تھی۔ بجلی
کی روشنی میں اونچی اونچی اٹھنے والی پانی کی لہریں نظر آ رہی تھیں۔ ان
لہروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاموش سمندر میں طوفان آ ہی گیا ہے۔ اس
وقت ہر ایک شخص پریشان تھا اور ہر ہندو اپنے دیوتاؤں سے طوفان دور کرنے
کی التجا کر رہا تھا اور ہر مسلمان خدا سے دعا مانگ رہا تھا۔ بادل اس زور سے گرج
رہا تھا کہ دل دہل جاتا تھا۔ بجلی بھی چمک رہی تھی۔ اور ہوا کا زور اور
بڑھتا جاتا تھا۔ موجیں جلد جلد اونچی اونچی اٹھ اٹھ کر جہازوں سے
ٹکرا رہی تھیں اور جہاز خزاں رسیدہ پتوں کی طرح کانپ رہے تھے۔

اب بوندیں بھی پڑنے لگی تھیں اور وہ تمام لوگ جو جہازوں کے صحنوں
میں کھڑے تھے۔ کمروں کے اندر جانے پر مجبور ہو گئے تھے تھوڑی ہی دیر
میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک ہوا کی
سنسناہٹ پہلے سے زیادہ تیز ہو کر نہایت خوفناک ہو گئی تھی۔ ہر کڑک کے
ساتھ بجلی چمکتی تھی اور بجلی کے چمکنے سے سارا آسمان روشن ہو جاتا تھا۔ آسمان

کے روشن ہوتے ہی دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو کر بند ہو جاتی تھیں۔ آج خلاف معمول مطلع صاف ہونے پر رات کے وقت اچانک طوفان اپنی پوری ہلاکت خیزیوں کے ساتھ حملہ آور ہو گیا تھا۔

بچے خوف و دہشت سے کانپ کانپ کر اپنی ماؤں کی گود میں چھپے بیٹھے تھے اور جن بدنصیبوں کی مائیں نہ تھیں وہ سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ اس قافلے کے ساتھ بہت سے ایسے بچے تھے[1] جن کے والدین انتقال کر چکے تھے اور وہ ان مسلمانوں ہی کو اپنے ماں باپ سمجھتے تھے۔ مسلمان بھی انھیں بالکل اپنے بیٹوں ہی کی طرح سے سمجھتے تھے۔ وہ کبھی ان کے دلوں کو میلا نہ ہونے دیتے تھے۔ انھوں نے قرآن شریف اور احادیث مقدسہ میں پڑھا تھا کہ یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں سے خدا خوش ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی یتیم کے سر پر پیار و محبت سے ہاتھ پھیرتا ہے تو خدا اسکے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس لیئے وہ یتیموں کی مدارات اپنے بچوں سے زیادہ کرتے تھے۔

چنانچہ اب بھی عورتوں اور مردوں نے سہمے ہوئے یتیم بچوں کو اپنے سینوں سے لگا لیا تھا۔ آج ہم مسلمان یتیم بچوں کو دیکھتے ہیں اور ان سے اسطرح بچ کر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے کہ وہ قابل نفرت مخلوق ہیں۔ نہیں جانتے کہ ہماری ان حرکتوں سے خدا ناخوش ہوتا ہے اور مفت میں ہمارے اعمال نامے سیاہ ہوتے ہیں۔

مسلمانو! خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ کل ہمارے بچے بھی یتیم ہو جائیں۔ آج جیسا سلوک ہم دوسرے یتیم بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر کل ایسا ہی سلوک مسلمان ہمارے بچوں کے ساتھ کریں تو کیا ہماری روح کو صدمہ نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان ہر یتیم بچہ کو اپنا بچہ سمجھے اور انکے ساتھ بھی۔

---

[1] (از ابن اثیر)

ایسا سلوک کرے جیسا اپنے بچوں کے ساتھ کرتا ہے۔

ایسا کرنے سے خدا اور خدا کا رسول دونوں خوش ہوں گے اور ان دونوں کی خوشی جنت میں لے جائے گی۔ ہر مسلمان کا یہی ماحصل زندگی ہے۔

طوفان کے زور و شور میں بھی جہاز برابر چل رہے تھے۔ چونکہ وہ کوہ شکن موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ اس لیے ان کی رفتار بہت کم تھی۔ رفتہ رفتہ رات زیادہ ڈوبتی چلی گئی۔ مگر جوں جوں رات زیادہ آتی جاتی تھی۔ طوفان کا زور اور بڑھتا جاتا تھا۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک ہوا کا زور اور بارش کا شور دل ہلا رہا تھا۔

ناخدا کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی کہ اس نے تمام جہازوں کو ایک دوسرے سے جکڑ دیا تھا۔ اس طرح سے تمام جہاز اس وقت تک بچے ہوئے تھے اگر الگ الگ ہوتے تو شاید ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچتا اور سب کے سب ہچکولے کھا کھا کر ڈوب جاتے۔

خدا خدا کر کے آدھی رات کے بعد طوفان کا زور کم ہوا۔ ہوا رک گئی بادل چھٹ گیا۔ بجلی کی کڑک اور چمک بند ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں مطلع صاف ہو گیا چاند نظر آیا۔ پھر چاندنی نے سمندر اور جہازوں پر سفید چادر بچھا دی۔

اب لوگوں کو اطمینان نصیب ہوا اور وہ نہایت اطمینان سے پڑ پڑ کر سو گئے۔ صبح جب بیدار ہوئے۔ تو جہاز خشکی کے برابر چل رہے تھے کچھ دور چل کر ناخداؤں نے جہازوں کے لنگر ڈلوا دیئے اور یہ بحری بیڑا رک کر کھڑا ہو گیا۔

مسلمان نہیں جانتے تھے کہ اس وقت جہاز کس ساحل پر آ گئے ہیں اس لیے ان میں سے کئی لوگوں نے ناخداؤں سے دریافت کیا کہ اس وقت

ہم لوگ کہاں ہیں۔ ناخداؤں نے جواب دیا۔ سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل پر آگئے ہیں۔ اور ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا۔ کہ رات کے طوفان کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے جہاز شکستہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کی مرمت نہایت ضروری ہے۔ اس لیے سب لوگ ساحل پر اتر جائیں۔

چنانچہ فوراً ہی لوگ خشکی پر اتر گئے اور مسلمان ضرورت سے فراغت کر کے نماز پڑھنے لگے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے سیکڑوں نیم برہنہ انسانوں کو تیر و کمان لیے اپنی طرف بھاگ کر آتے ہوئے دیکھا یہ سب لوگ ان آنے والے کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

پانچواں باب

گرفتاری

جس وقت مسلمان جہازوں سے اترے تھے۔ اس وقت انھیں یہ خیال تک بھی نہ آیا تھا کہ ساحل پر کسی قوم سے مقابلہ ہوگا۔ اس لیے ان میں سے کوئی بھی ہتھیار لے کر نہ اترا تھا۔ سب کے سب نہتے تھے جس وقت نیم برہنہ وحشی صورت انسان تیر کمان لیے ان کی طرف جھپٹے نظر آئے تو حیرت بھری نظروں سے ان کو دیکھتے رہ گئے۔

وہ خاموش بیٹھے دیکھتے رہے۔ چونکہ نیم برہنہ وحشی زیادہ قریب آگئے تھے اس لیے اب اتنا موقع بھی نہ رہا تھا کہ مسلمان جہازوں میں جا کر ہتھیار

لے آتے۔ لیکن ان کی شیطانی صورتیں دیکھتے ہی وہ تین مسلمان سمجھ گئے تھے کہ ان کی نیت بخیر نہیں ہے اور گمان غالب ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا دیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ کھسک کر جھاڑیوں کے پیچھے جا چھپے۔

نیم برہنہ وحشی دوڑ کر آئے اور مسلمانوں کے گرد چھا گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے جو کسی قدر سن رسیدہ تھا۔ کہا۔

"تم عرب کے رہنے والے مسلمان معلوم ہوتے ہو!"

ایک ضعیف العمر مسلمان نے جواب دیا۔ تم نے ٹھیک پہچانا! ہم مسلمان ہیں لیکن آپ کون ہیں۔

وہی شخص۔ ہم ہندوستان کے شمال مغرب حصہ سندھ کے رہنے والے ہیں مسلمان۔ کیا تم کسی راجہ کے سپاہی ہو!"

سندھی۔ ہاں! ہم راجہ داہر کے سپاہی ہیں۔ آج تمام سندھ اور راجپوتانہ پر داہر کی حکومت ہے۔ ہندوستان کے تمام راجہ مہاراجہ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔

مسلمان۔ ہم کو معلوم ہے کہ راجہ داہر بڑا راجہ ہے۔ اس کی سلطنت بہت بڑی ہے لیکن وہ نہ مسلمانوں کے خلاف ہے اور نہ مسلمان ہی اس کے خلاف ہیں۔

سندھی۔ ہم اس لیے یہاں تعینات ہیں کہ جو لوگ اس طرف سے گزریں ان کو گرفتار کر لیں۔

مسلمان۔ مگر ان لوگوں کو جو داہر کی حکومت کے دشمن ہیں؟

سندھی نے ہنستے ہوئے کہا۔ بیوقوف! مسلمان ہم مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

مسلمانوں کو اس کی یہ بات سنکر حیرت ہوئی۔ اسلم نے اس سے دریافت

کیا تم کس وجہ سے مسلمانوں کے دشمن ہو؟“۔

سندھی۔ تمہاری سلطنت مغرب سے مشرق کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔ لہذا خدشہ ہے کہ کہیں تم سندھ اور پھر ہند پر بھی قبضہ نہ کرلو۔

اسلم۔ مگر تم نہیں جانتے کہ مسلمان کسی ملک پر بلا وجہ اس وقت تک حملہ نہیں کرتے تاوقتیکہ ان کو حملہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

سندھی پھر ہنسا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اطمینان رکھو۔ اب ہم تمہارے خلیفہ پر حملہ کرکے اس کا اور اسکی حکومت کا خاتمہ کرنے والے ہیں۔

اسلم۔ ہاں! اگر تم اس قدر قوت رکھتے ہو تو ضرور ایسا کرو۔

سندھی نے حقارت آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا قوت...... ؟ تجھے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو بہت جلد ہی ہماری قوت کا اندازہ ہو جائے گا!۔

اسلم۔ لیکن قوت کا مظاہرہ کرنے سے سوائے انسانی خونریزی کے اور کیا حاصل ہوگا۔

سندھی۔ ہم ہندوستان کے رہنے والوں کو مسلمانوں سے بڑا خطرہ ہے۔ آج جس سرعت سے اسلام دنیا میں پھیل رہا ہے اس سے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اسلامی دربار ہندوستان میں بھی پھیل نہ جائے۔

اسلم۔ اگر تم مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ نہ کروگے تو کبھی مسلمان اس طرف نہ آئیں گے۔ اور جب مسلمان ہی نہ آئیں گے تو اسلام کیسے آجائے گا۔

سندھی۔ مگر ہمارے راجہ داہر کا حکم ہے کہ ہم ہر مسلمان کو جو ہمارے ہاتھ آجائے گرفتار کرلیں۔

اسلم۔ تمھاری یہی حرکت مشتعل کر کے مسلمانوں کو ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی دعوت دے گی۔

سندھی قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس نے کہا۔ کیا مسلمانوں کا خلیفہ ایسا بیوقوف ہے کہ چند مسلمانوں کے اسیر یا قتل ہو جانے سے غضبناک ہو کر ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی جرات کرے گا۔

اسلم۔ مسلمان بھائی بھائی ہیں چند مسلمان ہی نہیں بلکہ اگر ایک مسلمان بھی اسیر یا قتل ہو جائے گا تو اس کا انتقام لینا ساری دنیا پر فرض ہو جائے گا اس وجہ سے خلیفہ مجبور ہو گا کہ وہ کسی دشواری کا بھی خیال نہ کرتے ہوئے فوراً حملہ کر دے۔

سندھی۔ دیکھا جائے گا۔ میں مہاراجہ داہر کے اس لشکر کا جو تم کو محصور کیے کھڑا ہے سردار ہوں۔ تم کو گرفتار کر کے لے جانے کے لیے آیا ہوں اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو ہمارے تیغے تمھارے سر اڑا دیں گے۔ اس لیے تم خاموشی سے گرفتار ہو جاؤ۔ مجھے دیکھنا ہے کہ تمھاری گرفتاری کا اثر خلیفہ اور مسلمانوں پر کیا ہوتا ہے اور وہ تمھاری رہائی کے لیے کیا کارروائی کرتے ہیں۔

اسلم۔ مگر میں پھر کہتا ہوں کہ ہمیں گرفتار کر کے اپنے ملک پر مسلمانوں کو حملہ کرنے کی دعوت نہ دیجیے۔

سندھی۔ بے وقوف مسلمان ہم تم کو اسیر کر کے لے جائیں گے اور تمھاری قربانی[1] مندروں پر چڑھائیں گے۔

اسلم۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری قربانی کے بجائے تمھاری ہی قربانی ہو جائے۔

---

[1] اس زمانہ میں مندروں پر انسانوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی (از تاریخ اسلام)

سندھی نے غضبناک ہوتے ہوئے کہا۔ یہ صرف خیال ہے۔ تمہارا! اچھا دیکھیں تمہاری قربانی ہوتی ہے یا ہماری۔

اب وہ اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے بولا۔ مہا بیر (بڑے بہادرو) ان پانچ مسلمانوں کو اسیر کر لو۔

سندھی... مسلمانوں کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھے۔ اگرچہ مسلمان نہتے تھے اور بہت ہی کم تھے۔ ان کا خون ان کی رگوں میں جوش جرأت سے کھولنے لگا۔ وہ سب۔ اٹھ کر اس شان سے کھڑے ہو گئے جیسے وہ سندھیوں پر جھپٹ کر حملہ کرنے والے ہیں۔ مگر سندھی خوب جانتے تھے۔ کہ مسلمان نہتے ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ مرعوب نہ ہوئے بلکہ کمانیں اپنے شانوں پر ڈال کر اور تیغیں لے کر انھیں گرفتار کرنے کے لیے بڑھے۔

ابھی وہ ان کے پاس بھی نہ پہنچے تھے کہ آواز آئی "ٹھہرو"! سب آواز کی طرف دیکھنے لگے۔ اس طرف ایک ادھیڑ عمر کی عورت کھڑی تھی جس کے سر کے بال بے ترتیبی سے پشت و سینے پر پڑے ہوئے تھے۔ گال پچکے ہوئے تھے اور رخساروں کی ہڈیاں نمایاں تھیں۔ دانت بدنما اور ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں اور پتلیاں چنگاریوں کی طرح دمک رہی تھیں۔

ایک سفید چادر سر سے پیروں تک اوڑھے کھڑی تھی نہایت خوفناک معلوم ہو رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی تمام سندھی کسی قدر جھک گئے اور سندھی سردار نے کہا۔ آہا ہا! ماتا (والدہ) جوگنی۔

اس عورت کا نام جوگنی تھا۔ ایک مشہور ساحرہ تھی۔ سندھ کا بچہ بچہ

اسے جانتا تھا۔ وہ ایک ایسی گپھا میں رہتی تھی جس کے چاروں طرف ہر وقت سانپ دوڑتے رہتے تھے۔ تمام سندھی اس عورت سے ڈرتے تھے اور اس کا ادب کرتے تھے۔

جوگنی نے کہا۔ ہاں میں جوگنی ہوں[1] اور اس لئے آئی ہوں کہ تم کو آگاہ کر دوں کہ تم نجومیوں کی اس پیشین گوئی کو یاد کر لو۔ جو آج سے برسوں پہلے کی گئی ہے۔

سندھی سردار نے دریافت کیا۔ اور وہ پیشین گوئی کیا ہے ماتا؟

جوگنی یہی کہ مسلمانوں کا سندھ پر قبضہ ہو جائے گا۔"

سندھی سردار۔ لیکن اس کا کوئی وقت نہیں بتایا گیا ہے؟

جوگنی۔ وہ وقت قریب آ گیا ہے!"

سندھی سردار۔ لیکن ماتا! جب تک کہ ہم زندہ ہیں ایک مسلمان کو بھی اپنی پوتر بھومی (پاک زمین) پر قدم نہ رکھنے دیں گے۔

جوگنی۔ مگر مسلمانوں کے سیلاب کو کوئی قوت نہ روک سکے گی۔ تم ان مسلمانوں کو چھوڑ دو۔

سردار۔ کیسے چھوڑ دیں مہاراجہ داہر ہمیں فوراً گرفتار کرا لیں گے!"

---

[1] جوگنی ایک ساحرہ تھی۔ جو الور کے قلعہ کے پاس رہتی تھی۔ مگر وہ ہر جگہ گھومتی پھرتی تھی سندھی اس سے ڈرتے اور اس لیے اس کا ادب کرتے تھے (از تاریخ ہند صفحہ ۱۵۸)

[2] سندھ کے بڑے بڑے نجومیوں نے عرصہ ہوا کہ پیشینگوئی کی تھی کہ سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ [3] مہاراجہ نے ناراض ہو کر اکثر نجومیوں کو مار ڈالا اور وہ مسلمانوں کے دشمن ہو گئے تھے (از البلاذری)

جوگنی: میں نے تمھیں آگاہ کر دیا۔ اب تم جانو!"

سردار: ہم مجبور ہیں!

جوگنی پُر اسرار طریقہ پر غائب ہو گئی۔ تمام سندھی اور سارے مسلمان دیکھتے ہی رہ گئے۔ جب وہ چلی گئی تب سردار نے سپاہیوں سے مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ ہم اس جادوگرنی کا کہنا نہیں مان سکتے۔ لہٰذا بڑھو اور ان تمام مسلمانوں کو اسیر کر لو۔

سندھی سپاہی بڑھے اور مسلمانوں کو گرفتار کرنے لگے۔ مسلمان مکہ بازی کر کے انھیں ہٹانے لگے۔ لیکن وہ اس قدر زیادہ تھے کہ ایک ایک مسلمان کو دس دس اور بیس بیس لپٹ گئے اور اس طرح سے انھوں نے ان سب کو پکڑ کر رسیوں میں جکڑ لیا۔

انھیں گرفتار کر کے انھوں نے سراندیپ کے مردوں اور عورتوں نیز جہازوں کے ناخداؤں کو بھی گرفتار کر لیا۔ اور جہازوں کے اوپر سے تمام سامان وغیرہ اتروا کر اپنے قبضے میں لے لیا۔

ان سنگدل انسانوں نے مردوں، عورتوں اور بچوں سب کو ہی رسیوں سے جکڑ دیا تھا اور اس سختی سے جکڑا تھا کہ اس تکلیف سے معصوم بچے بلبلا اٹھے۔ چنانچہ عورتوں نے ان سے التجا کی کہ وہ ان کے بچوں کی رسیاں کھول دیں تاکہ ان کی تکلیف دور ہو جائے مگر ان ظالموں نے نہ مانا بلکہ جن عورتوں نے التجا کی تھی انھوں نے ان کے گالوں پر طمانچے مارے۔

ان کی یہ وحشیانہ حرکت دیکھ کر تمام مسلمان جوش غضب سے سرخ ہو گئے مگر وہ جکڑے ہوئے تھے۔ کچھ نہ کر سکے اور پیچ و تاب کھا کھا کر رہ گئے۔

جب ایک عورت کو پیٹا گیا تو اس نے چلا کر کہا۔ اغثنی یا حجاج اغثنی ؎
(بچاؤ اسے حجاج بچاؤ)

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حجاج بلاد مشرق کا افسر اعلیٰ تھا اور یہ لوگ حجاج ہی کے پاس جا رہے تھے اس لیے اس عورت کی زبان سے حجاج ہی کا نام نکلا۔ سندھیوں نے عورتوں مردوں اور بچوں کے گروہ بنا کے ان کو مویشیوں کی طرح سے ہانکنا شروع کیا۔ مظلوم مسلمان آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ان ظالموں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

چھٹا باب

"حجاج"

جس وقت ۔ ۔ ۔ ہندوؤں نے بے گناہ مسلمانوں پر بے خطا حملہ کیا تھا اس وقت چند مسلمان جہازوں کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ جب مسلمان قید کر کے لے جائے جا چکے تب وہ کمین گاہ سے نکلے۔ ان کا خیال تھا کہ سارے ہندو چلے گئے ہوں گے مگر جونہی باہر انھوں نے نکل کر دیکھا ان کو بہت سے ہندو سمندر کے ساحل پر بیٹھے نظر آئے۔

یہ لوگ جہازوں کی حفاظت و نگرانی کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے وہ انھیں دیکھتے ہی ڈر کر پیچھے ہٹے اور دشمنوں اور جہازوں کی آڑ لے کر کراں کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ خشکی کے راستے

؎ ماخوذ از تاریخ سندھ صفحہ ۱۲۱۔

نے حجاج کے پاس پہنچ کر ہندوؤں کے اس ظلم و ستم کی داستان اسے سنا دیں گے جو معصوم اور مظلوم مسلمانوں پہ کئے گئے ہیں۔

چنانچہ وہ صحرا نوردی کرتے۔ دشمنوں کی نظروں سے بچتے ہوئے چلتے رہے اس سفر میں انھیں بڑی بڑی تکالیف اٹھانا پڑیں سنگلاخ میدانوں خطرناک جنگلوں عریض و عمیق دریاؤں اور دشوار گزار پہاڑوں کو بڑی مشکل سے عبور کر کے شیراز پہونچے۔

شیراز ملک ایران میں خلیج فارس کے قریب واقع ہے چونکہ یہ لوگ تھک گئے تھے اور اب تک دشمنوں کے خوف سے شب و روز سفر کرتے رہے تھے اس لیے انھوں نے وہاں قیام کر دیا۔

چند روز قیام کرنے کے بعد وہ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت حجاج بصرہ ہی میں مقیم تھا۔ شیراز سے بصرہ کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ لہذا وہ بہت جلد بصرہ میں داخل ہو گئے۔

ایک روز انھوں نے قیام کر کے آرام کیا دوسرے روز صبح ہی حجاج کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حجاج کے باپ کا نام یوسف تھا۔ یوں تو یہ شخص بڑا بہادر۔ مدبر اور مستقل مزاج انسان تھا۔ مگر ساتھ ہی بے حد سخت مزاج بھی تھا لیکن اسکی سخت مزاجی محض مخالفین ہی کے لیے تھی۔ وہ اس شخص کا دشمن تھا جو خلیفہ یا خلافت کے خلاف ایک لفظ بھی کہتا۔

اگر سچ پوچھا جائے تو اسکی یہ سختی کچھ غیر مناسب نہ تھی۔ کیونکہ اغیار اس فکر میں تھے کہ کسی طرح سے مسلمانوں میں خانہ جنگی کرا کر ان کی سلطنت اور خلافت کو تباہ برباد کرا دیں۔

حجاج اس چال کو سمجھ گیا تھا اور اسی لیے وہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے ہر

وقت آمادہ و تیار رہتا تھا۔ مگر اسکے ساتھ ہی وہ مسلمانوں کے پسینہ کی جگہ خون گرانے کو موجود رہتا تھا۔ اسلامی درد اسکے دل میں تھا وہ گوارہ نہیں کرتا تھا کہ کسی مسلمان کو بھی کوئی ترچھی نظر سے دیکھے۔

اس کا قاعدہ تھا کہ وہ صبح کی نماز پڑھتے ہی جمعہ مسجد میں بیٹھ جاتا تھا۔ اور اکثر معاملات وہیں بیٹھا طے کر دیتا تھا چنانچہ جس روز سندھ کے پسماندگان لوگ اسکی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اس روز بھی مسجد ہی میں بیٹھا تھا اور لوگوں کی درخواستیں سن سنکر احکام جاری کر رہا تھا۔

جب وہاں لوگوں سے فارغ ہو گیا جو اسکے سامنے بیٹھے تھے تو ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔

حجاج کا چہرہ نہایت بارعب تھا۔ ابھی وہ جوان تھا لیکن جوانی کے ایام ختم ہوتے جاتے تھے۔ اس نے سراندیپ سے آنے والے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کیا آپ کہیں باہر سے آئے ہیں؟۔

ایک مسلمان نے جس کا نام زیاد تھا جواب دیا۔ جی ہاں!

حجاج۔ کہاں سے آئے ہو؟

زیاد۔ سراندیپ سے!۔

حجاج نے متعجب ہو کر اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سراندیپ سے؟"

زیاد۔ جی ہاں! سراندیپ سے!

حجاج۔ معلوم ہوا تھا کہ سراندیپ کے مہاراجہ اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین سے رابطۂ اتحاد قائم کرنا چاہتے ہیں۔

زیاد۔ یہ بالکل صحیح ہے!

حجاج۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سراندیپ کے راجہ نیک دل ہیں!

زیاد۔ نہایت نیک اور مسلمانوں کے بہی خواہ ہیں۔

حجاج۔ جو مسلمان ان کے حدودِ سلطنت میں رہتے ہیں ان کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟"

زیاد۔ نہایت اچھا ہے۔

حجاج۔ وہاں مسلمان کس قدر ہیں؟

زیاد۔ اٹھارہ تن تھے۔

حجاج خوش و خرم ہیں؟

زیاد۔ ہاں جب تک سراندیپ میں رہے نہایت خوش تھے!"

حجاج نے چونک کر زیاد کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ اور اب کہاں ہیں۔

زیاد نے افسوسناک لہجہ میں کہا۔ دام بلا میں اسیر ہو گئے!"

حجاج نے متحیر ہوتے ہوئے کہا۔ کیسے مفصل سناؤ۔"

زیاد نے تمام داستان سراندیپ سے روانہ ہونے اور طوفان کے آنے جہازوں کے ساحل سندھ پر پہنچنے اور داہر کے سپاہیوں کے اچانک آ کر مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے جانے کی سنا دی۔

حجاج خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔ اسکے چہرے کا تغیر و تبدل بتا رہا تھا کہ اسے رنج بھی ہوا ہے اور غصہ بھی۔ جب زیاد خاموش ہوا تو اس نے پُر غضب انداز سے کہا۔

داہر کی اس قدر جرات ہو گئی ہے کہ وہ بے گناہ مسلمانوں کو قید کر کے لے جائے۔ میں خدائے عزوجل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک مسلمانوں کو اس مغرور اور ظالم کے پنجے سے آزاد نہ کرا لوں گا۔ چین سے نہ بیٹھوں گا۔

اس کا چہرہ فرطِ غیظ و غضب سے سرخ ہو گیا تھا آنکھیں اُبل آئی تھیں اور پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ زیاد نے کہا۔

یا امیر الملت! جس وقت عورتوں کو ظالم ہندو گرفتار کر رہے تھے تو ایک مظلومہ نے حالت یاس میں درد بھرے لہجہ میں کہا تھا۔ اغثنی یا حجاج اغثنی"!

حجاج نے جوش و طیش سے بل کھاتے ہوئے کہا۔ میں مظلوموں کی فریاد رسی کروں گا۔ آج عہد کرتا ہوں کہ جب تک انہیں رہا نہ کرا لوں گا۔ پیٹ بھر کھانا نہ کھاؤں گا۔ حجاج کے پاس اسکے چند مشیر بیٹھے تھے۔

ایک عبد الرحمٰن بن مسلم الکلبی۔ دوسرے سفیان الابردک۔ تیسرے مجاشع بن نوبہ۔ چوتھے حکم بن مغیرہ تھے۔ ان تمام لوگوں کو سراندیپ کے مسلمانوں کی داستان سنکر افسوس ہوا اور راجہ داہر کی وحشیانہ حرکت پر غصہ آیا۔

حجاج کو جوش و غضب میں دیکھ کر انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اپنے ہی حکم سے سندھ پر لشکر کشی نہ کرا دے اور اسکی جلد بازی سے اسلامی لشکر کو کوئی گزند نہ پہونچ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو خلیفہ سختی سے باز پرس کریں گے"!۔

خلیفہ ولید کا حکم تھا کہ کوئی گورنر یا وائسرائے اپنے حکم سے کوئی جنگ شروع نہ کرے۔ اس لیے عبد الرحمٰن نے کہا۔

راجہ داہر نے مسلمانوں کو قید کر کے اسلامی حکومت کو جنگ کی دعوت دی ہے اس لیے ہمیں اسکی دعوت ضرور منظور کرنی چاہیئے مگر۔۔۔

حجاج نے عبد الرحمٰن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر کیا؟۔

عبد الرحمٰن۔ اس تمام واقعہ کی اطلاع اعلیٰ حضرت کو کر کے پہلے جنگ کی اجازت منگا لینی چاہیئے۔

حجاج۔ لیکن اگر جابر مغرور راجہ نے اس عرصہ میں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا؟
سفیان الابروک نے کہا۔ اطمینان رکھئے اسے ایسا کرنے کی ہرگز جرأت نہ ہو سکے گی۔

مجاشع نے کہا وہ مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہے گا اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے ہی کر چکے گا۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ امیر المومنین کو مفصل اطلاع دے کر جنگ کی اجازت لے لی جائے اور اجازت آتے ہی اس جابر ظالم اور سرپھرے راجہ کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجدیا جائے۔

حجاج کچھ سوچنے لگا۔ دراصل وہ ایک پرجوش مسلمان تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ دوسرے ہی روز لشکر روانہ کر دے گا۔ مگر اس کے مشیروں نے جو مشورہ دیا تھا وہ بھی مناسب تھا۔

کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔ مگر ایسا کیوں نہ کروں کہ ادھر لشکر روانہ کروں اور ادھر اعلیٰ حضرت سے اجازت طلب کر لوں۔

خریم نے کہا۔ یہ مہم ہندوستان کے بڑے حصے سندھ پر بھیجی جائے گی۔ ہند میں جس قدر بھی راجہ مہاراجہ ہیں سب راہر کے شریک ہو کر ہمارا مقابلہ کریں گے چونکہ ہندوستان یہاں سے فاصلے پر ہے اور فوراً ہی امدادی لشکر بھی نہ بھیجا جا سکے گا۔ اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ انجام کیا ہو۔

بدیں وجہ مناسب یہی ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کو کم کرنے کے لیے پہلے دار الخلافہ سے اجازت منگا لیں۔

حجاج۔ مناسب ہے۔ اچھا خلیفہ کو عرضداشت لکھو!"
فوراً مجاشع نے عرضداشت لکھی اور تمام واقعہ لکھ کر اذن جنگ کی درخواست کی۔

حجاج نے عرضداشت کو پڑھا اور پڑھ کر اپنی مہر لگائی اور اس وقت قاصد کو دمشق روانہ کر دیا۔

ان ایام میں دارالخلافہ دمشق ہی تھا۔ جب یہ قاصد روانہ ہو گیا تب عبدالرحمٰن نے کہا "ایک اور بات میرے ذہن میں آئی ہے۔"

حجاج۔ کیا۔؟

عبدالرحمٰن۔ آپ راجہ داہر کے پاس قاصد بھیجیں اور اسے مخلصانہ تحریر کر کے مسلمانوں کی رہائی کا مطالبہ کریں۔

خزیم نے کہا۔ تم نے میرے منہ سے بات چھین لی۔

مجاشع۔ میرے خیال میں بھی یہ بات مناسب ہے اتنے میں کہ دربار خلافت سے فرمان صادر ہو۔ داہر کا بھی جواب آ جائے۔

حجاج۔ میرے خیال میں ابھی یہ بات نامناسب نہیں ہے۔ شاید قاصد کے جانے سے داہر پر کچھ اثر پڑ جائے اور وہ مسلمانوں کو رہا کر دے۔

عبدالرحمٰن۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید داہر اور ہندوستان کے ہندو اس بات کو نہیں جانتے کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے ایشیا کے ہوں یا یورپ کے کالے ہوں یا گورے اور اسی لیے ان مسلمانوں کو جنہیں اس نے گرفتار کر لیا ہے چھڑانے کیلئے ساری دنیا کے مسلمان دوڑ پڑیں گے اس لئے یہ خیال کر کے کہ ان کی کون خبر لے گا۔ انھیں قید کرنے کی جرأت کی ہے لیکن جب قاصد اس کے پاس پہونچے گا تو وہ اس بات کو بخوبی سمجھ جائے گا اور عجب نہیں کہ وہ مسلمانوں کو رہا کر دے۔

حجاج۔ نہایت بہتر اور مناسب مشورہ ہے۔ اچھا اسے بھی ایک محبت نامہ لکھا اور اس طرف بھی ایک ایلچی روانہ کرو۔

فوراً مجاشع نے ایک تحریر لکھ کر حجاج کے سامنے پیش کی حجاج نے پڑھ کر

اسے سرِ بمبر کیا اور ایک نوجوان ہارون کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ اسی وقت دس آدمیوں کو ہمراہ لے کر سندھ کی طرف روانہ ہو جائے۔

چنانچہ ہارون معہ دس شیران اسلام کے اسی وقت روانہ ہو گیا۔ اب حجاج اٹھکر محل میں چلا گیا اور سراندیپ سے آنیوالے مسلمان بھی اپنی قیامگاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

ساتواں باب

"راجہ داہر"

جب سپاہی مسلمانوں کو قید کر کے لے چلے۔ چونکہ ان میں نام کو بھی انسانیت نہ تھی۔ اس لیے وہ انھیں اس تیزی سے چلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ جس تیزی سے وہ خود چل رہے تھے مگر قیدی مسلمان اس تیزی سے نہ چلنے پر اس وجہ سے مجبور تھے کہ ان کے ساتھ ایسے بڈھے تھے جو تیز نہ چل سکتے تھے۔

نازک اندام عورتیں تھیں اور معصوم بچے تھے۔ مگر وہ ان کی کسی بھی معذوری اور مجبوری کا خیال نہ کر کے انھیں کھینچے لیے جا رہے تھے۔

کچھ دور تک تو وہ جوں توں کر کے کھنچے چلے گئے مگر آخر تھک گئے اور اب ان سے آہستہ آہستہ بھی چلنا دشوار ہو گیا۔ جفا شعار سپاہیوں نے اول اول تو انھیں تیزی سے چلنے کی زبانی دھمکیاں دیں مگر جب وہ نہ چلے تو انھوں نے کوڑوں سے مارنا شروع کیا۔ انھوں نے بڈھوں۔ عورتوں اور بچوں میں سے کسی کا بھی خیال نہ کیا ہر ایک کے کوڑے لگانے شروع کر دیئے۔ مرد تو آخر مرد تھے۔ صبر و شکر کر کے خاموش رہے۔ مگر عورتیں تڑپ اٹھیں اور بچے تو بالکل ہی بلبلانے لگے۔ عورتوں کو جسمانی اذیتوں سے تو تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر ان کے سینوں پر اس وقت اور بھی برچھیاں لگی تھیں جب ان

کے سامنے ان کے بچوں کے کوڑے مارے جاتے تھے۔ وہ خدا کا واسطہ دے کر ان سے رحم کی درخواست کرتی تھیں لیکن جو خدا کو جانتا ہی نہ ہو وہ خدا کے واسطے کا کب خیال کر سکتا ہے۔

چنانچہ ان کے دلوں میں بھی رحم و مروت کا جذبہ پیدا نہ ہوتا تھا اور وہ برابر کوڑے مارتے چلے جاتے تھے۔ بچے مار کھاتے اور دوڑتے دوڑتے بے حال سے ہو گئے تھے۔ مگر وہ شیران اسلام کی اولاد تھے پیٹ رہے تھے۔ دوڑ رہے تھے ان کی جانوں پر بنی ہوئی تھی مگر وہ چپ تھے رو نہ رہے تھے۔ آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی ان کی آنکھوں سے نہ نکل رہا تھا۔ مظلوم بچے معصومانہ چہرے اٹھائے سہمگین نگاہوں سے مارنیوالوں کو دیکھتے چلے جا رہے تھے لیکن جب وہ اس قدر نڈھال ہو گئے کہ دس قدم چلنا بھی دشوار ہو گیا تب بچوں نے اپنی ماؤں کی طرف دیکھا حسرت بھری نگاہوں سے ان کی ان نظروں کو دیکھ کر نہ صرف ان کی مائیں بلکہ ہر عورت تڑپ اٹھی اور ان کی بے بسی دیکھ کر افسوس کرنے لگی۔ ایک بچے نے جو سب سے چھوٹا تھا۔ اپنی والدہ سے کہا۔ امی جان! اب بالکل ہی نہیں چلا جاتا۔

غمزدہ عورت نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا میرے بچے! صبر کر۔ معصوم بچے نے بھولے پن سے دریافت کیا۔ امی جان۔ کیا ہمارا خدا ہمارے پٹنے کو دیکھ رہا تھا؟

عورت۔ ہاں دیکھ رہا ہے اور وہ ان سنگدلوں سے انتقام لے گا۔

بچہ۔ لیکن وہ ہماری امداد کیوں نہیں کرتا!

عورت۔ کرے گا۔ ابھی وہ ہمارا امتحان لے رہا ہے۔

بچے نے سینہ تانتے ہوئے کہا۔ بس تو ہم بھی امتحان دے رہے ہیں دیکھیں اسے ہم پر کب رحم آتا ہے۔

ایک سنگدل نے اسکے کوڑا مار کر کہا۔ لے تیرے خدا کا رحم آ گیا۔ معصوم بچہ اس کوڑے کی مار کھا کر تڑپ گیا۔ مگر اس نے اف تک بھی نہ کی اور کمر کو ملتا ہوا چلتا رہا۔

الغرض انتہائی سختیوں اور صعوبتیں اٹھانے کے بعد یہ لوگ ایک قلعہ کے قریب پہونچے
قلعہ نہایت مضبوط، بلند اور وسیع تھا۔ اسکی سر بفلک فصیل دیکھ کر ہیبت طاری
ہوتی تھی۔ ایک مندر جو شاید بہت ہی بلندی پر بنا ہوا تھا۔ فصیل سے اونچا
اٹھا ہوا چمک رہا تھا۔

مندر کے قریب ہی ایک گنبد تھا اور وہ بھی مندر ہی کے برابر اونچا تھا
یہ قلعہ دیبل تھا اور سمندر کے قریب ہی واقع تھا۔ قیدی اس مندر اور قلعے کو دیکھکر
نہایت غمزدہ ہوئے۔ وہ ہندوستان کو کفرستان کہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ
اہل ہند خدا کو چھوڑ کر دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔

جس وقت یہ لوگ قلعہ کے دروازے کے قریب پہونچے تو انھوں نے قلعے کے
اندر سے ایک شاندار رتھ کو نکلتے ہوئے دیکھا اس میں آٹھ گھوڑے جتے ہوئے تھے
اور ان آٹھ گھوڑوں پر آدمی سوار تھے۔ جو قریب قریب برہنہ تھے۔ صرف گھٹنوں تک
نیچی دھوتیاں کسے ہوئے تھے۔ ان کے سر ننگے تھے۔ اور ان کے سر کے بال اس قدر
لمبے تھے بلکہ کانوں سے نیچے تک بکھرے ہوئے تھے۔ ڈاڑھیاں صفاچٹ تھیں۔ البتہ
مونچھیں لمبی لمبی اور اس قدر چوڑی تھیں کہ انھوں نے سارے منہ کو ڈھک لیا تھا۔
ہاتھوں میں برچھے لیے گھوڑوں پر سوار تھے۔ رتھ کے چاروں طرف متعدد سوار تھے
اور وہ چاندی کے علم اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ بھی برہنہ تھے۔ جنیو پہنے تھے۔

ان کی صورتیں بھی ویسی ہی تھیں جیسے رتھ کے گھوڑوں کے سواروں کی تھیں
رتھ کے اندر ایک جوان العمر شخص بیٹھا تھا۔ اسکی عمر زیادہ سے زیادہ چالیس سال
کی ہوگی۔ وہ بھی ریشم کی دھوتی باندھے تھا اور اپنے ننگے جسم کو چھپانے کے
لیے نیچے موتیوں اور جواہرات کے ہار اس قدر پہنے تھے کہ گلے سے ناف تک کا
تمام حصہ ان سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر پہ تاج اوڑھے تھا تاج پر کلغی لگی تھی اور کلغی

پرہما کے پڑ گئے تھے۔

یہی شخص راجہ داہر تھا۔ ایک طرف سے یہ راجپوت تھا اور ایک طرح سے برہمن زادہ تھا۔ اسکی پیدائش کے متعلق جس قدر تاریخیں ہماری نظروں سے گزری ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ ساہسی ایک راجہ تھا جس کا دارالسلطنت الور تھا اسکے زیر حکومت سندھ۔ ملتان اور اٹک کے پاس کا وہ علاقہ جو کالا باغ کے پہاڑ تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ وہ نہایت نیک اور رعایا کا خیر طلب راجہ تھا۔ اسکی وزیر بدھی من تھا۔

ایک روز دیوان عام میں بدھی من اور ساہسی دونوں بیٹھے تھے کہ ایک برہمن آیا۔ اس کا نام چچ تھا۔ نہایت ہوشیار و تعلیم یافتہ اور چالاک تھا اس نے کچھ ایسی باتیں کیں جن سے خوش ہو کر ساہسی نے اسے بدھی من وزیر کا نائب بنا دیا۔

چونکہ چچ نہایت چالاک تھا اس لیے اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس سے درباری اور رعایا سب خوش رہنے لگے۔ ساہسی کی بیوی یعنی رانی کا نام سوبھی دیوی تھا۔ ایک روز اس نے چچ کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی اس پر مفتون ہو گئی۔ ادہر چچ بھی اس کا گرویدہ ہو گیا۔ روز روز رانی سوبھی دیوی اسے محل میں بلانے لگی اور وہ جانے لگا۔ گھنٹوں تخلیہ میں رہتا اور جب واپس جاتا تو سوبھی دیوی بے قرار ہو جاتی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اور چچ اور گوشۂ تنہائی۔

آخر یہ محبت رنگ لائی۔ لوگوں میں بدگمانیاں پھیلنے لگیں اور ارکین سلطنت کو راجہ سے شکایت کرنا پڑی۔ مگر ساہسی سوبھی دیوی پر ایسا فریفتہ تھا کہ وہ اسکے خلاف کوئی بات بھی سننے پر آمادہ نہ ہوتا تھا اور اس لیے رانی اور چچ کی رنگ رلیوں میں مخل ہونے والا کوئی بھی نہ تھا لیکن چچ نے جب سنا کہ لوگ بدگمان

ہو گئے ہیں تو اس نے رانی کو مطلع کر دیا اور بدبخت رانی نے چچ سے ساز باز کر کے سا ہسی کو مروا ڈالا اور ساتھ ہی یہ بھی انتظام کیا کہ جس قدر سلطنت کے دعویدار تھے ان کو حکمت عملی سے بلا بلا کر قتل کروا دیا۔ جب کوئی بھی باقی نہ رہا تب سوبھی نے چچ سے شادی کر لی۔ اور اس طرح سے ایک برہمن زادہ راجہ بن گیا۔ چچ کے دو بیٹے ہوئے ایک دہرسیہ جو بڑا تھا اور دوسرا داہر۔ دہرسیہ برہمن آباد میں تخت نشین ہو گیا اور داہر الور میں ان دونوں کی حقیقی ہمشیرہ مائی تھی جو نہایت خوبصورت تھی۔ وہ دہرسیہ کے پاس رہتی تھی۔ بھاٹیہ کے راجہ سوہن نے اس سے شادی کرنے کیلیے دہرسیہ کے پاس پیغام بھیجا۔ دہرسیہ نے منظور کر لیا۔ اور جہیز کا شاہانہ سامان تیار کر کے سات سو گھوڑے اور پانچ سو پیادے مائی کے ساتھ کر کے اسے الور میں داہر کے پاس بھیج دیا اور نالائق بھائی کو لکھا کہ وہ اسکی شادی بھاٹیہ کے راجہ سوہن سے کر دے مگر داہر نے جو نہایت عیاش اور بھیشن پرست تھا۔ جب اپنی حسین اور مست شباب سگی بہن کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا اور بدھی من سے مشورہ کر کے اس ننگ انسان نے اسکی ساتھ اپنی شادی کر لی۔

داہر کے اس وقت دو اور رانیاں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام اما دیوی اور دوسری کا رانی لاڈی تھا۔ رانی لاڈی نہایت خوبرو اور کم سن تھی اسکے علاوہ اسکے محل میں بے شمار حسینان کشمیر اسکی دل بستگی کے لیے موجود تھیں۔

اس طرح داہر چچ برہمن کا لڑکا ہونے کی وجہ سے برہمن زادہ تھا اور رانی سوبھی دیوی کے بطن سے ہونے کی وجہ سے راجپوت تھا لیکن اس نے اپنی حقیقی ہمشیرہ سے شادی کر کے جو شرمناک مثال قائم کی اس سے آج تک انسانیت کا سر ندامت سے شرم و ندامت کے جھکا ہوا ہے۔

داہر کی سواری قلعے سے نکلتے ہوئے دیکھتے ہی تمام وہ سپاہی جو مسلمانوں کو کھینچ لائے تھے زمین پر سجدہ میں گر گئے اور ان داتا کی جے! مہاراج کی جے! مہابلی راجہ کی جے!!" کے نعرے لگانے لگے۔ راجہ زر نگار مسند پر تکیے کا سہارا لیے پڑا تھا۔ ان آوازوں کو سن کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور رتھ سے باہر جھانک کر دیکھنے لگا۔ جب اسکی نظر مسلمانوں کے اوپر پڑی تو کچھ حیران سا رہ گیا۔

اب وہ لوگ جو اسے سلام کرنے کے لیے سجدہ میں گر گئے تھے اٹھے داہر نے ان سے دریافت کیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟

ان سپاہیوں کے سردار نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "ان داتا یہ مسلمان ہیں۔"

داہر کچھ نشہ میں متوالا سا ہو رہا تھا اس نے کہا۔ ان کو آسمان پر دے پٹکو۔

افسر اور اسکے سپاہی اس نرالے حکم کو سن کر بڑے حیران ہوئے اور حیرت زدہ ہو ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ مسلمانوں کو آسمان پر کیسے دے پٹکیں۔

افسر نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ مہابلی مہاراج انھیں آکاش (آسمان) پر کیسے لے جائیں۔

داہر نے مخموروں کی طرح سے ہنستے ہوئے کہا جیسے اندر جی مہاراج آکاش پر چلے گئے ایسے ہی تم انھیں لے جاؤ۔

افسر۔ ان داتا! وہ تو دیوتا تھے۔ ان میں اتنی شکتی (قوت) تھی! ہم میں کہاں ہے۔

داہر۔ بس تو تم انھیں لے کر دریائے اٹک میں ڈبو مرو۔

وہ مجنونوں کی طرح ہنسنے لگے۔ تمام سپاہی اور افسر اسکے نرالے نرالے احکام سن کر بھونچکے سے ہو رہے تھے آخر داہر نے کہا۔ اچھا! اب تو انھیں تہ خانے میں بند کر دو۔

افسر نے کہا لیکن ان داتا۔ ان میں ایک اپسرا (پری) ہے؟

داہر اپسرا کا نام سنتے ہی چونک پڑا اس نے کہا۔ کہاں ہے اپسرا؟ افسر نے طاہرہ کو اسکے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اگرچہ طاہرہ کے روشن چہرے پر غبار کی ہلکی تہ جمی ہوئی تھی مگر وہ اب بھی چمک رہا تھا۔

داہر نے اسے غور سے دیکھ کر کہا۔ ہاں یہ اپسرا ہے اور اسے رتھ میں سوار کرا دو۔ افسر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ اس حور وش کو رتھ میں سوار کرانے لگے اور طاہرہ نے سوار ہونے کی جدوجہد کی اور ادھر مسلمانوں نے داہر سے کہا۔ آپ راجہ ہیں اور راجاؤں کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ غیروں کی بہو بیٹیوں پر ایسے مظالم کریں۔

داہر نے ہنستے ہوئے کہا اور راجہ ہوتے ہی کس لیے ہیں۔ میری ایک خوبصورت بہن "مائی" ہے میں نے اس سے شادی کی ہے۔

مسلمانوں کو اسکے متعلق کچھ بھی علم نہ تھا وہ اس بات کو سنکر سخت حیران رہ گئے۔ اس عرصہ میں سپاہیوں نے طاہرہ کو رتھ میں سوار کرا دیا۔

اسلم یہ دیکھکر تڑپ گیا اور اس نے کہا۔۔۔ "اے مغرور راجہ! تو جذبات کا غلام بن کر دوسروں کے ناموس کی دھجیاں نہ اڑا ورنہ پچھتائے گا۔" داہر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کو پری زاد سے محبت ہے۔ خیر! میں اسے معاف کرتا ہوں۔ ان قیدیوں کو لے جا کر تہ خانے میں بند کر دو۔

اب اس نے رتھ کو بڑھانے کا اشارہ کیا۔ گھوڑے چلے رتھ بڑھ گیا اور
اسلم تڑپ گیا۔ اس نے ایک آہ کی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

آٹھواں باب

"نوخیز لڑکیاں"

دیبل کا قلعہ راجہ داہر ہی کی حدود سلطنت میں تھا۔ اس قلعہ کا حاکم سمنی تھا۔ اسے داہر نے مقرر کیا تھا۔ سمنی کو تنخواہ نہ ملتی تھی بلکہ ایک معنوں میں وہ ٹھیکے دار تھا۔ جو کچھ مال گزاری اور محصولات (ٹیکس) وصول ہوتا تھا۔ اس میں سے تین حصے داہر کو دیتا اور دو حصے خود رکھتا تھا۔

داہر سمنی سے ملنے اور محصولات کا تصفیہ کرنے کے لیے آیا تھا آج وہ واپس جا رہا تھا کہ مسلمان قیدی اس کے سامنے پیش کیے گئے۔ اور وہ ان میں سے طاہر کو لے گیا۔ اسلم کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ بیہوش ہو گیا۔ وحشی سپاہیوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور اسے بہت کچھ برا بھلا کہا۔ مگر نہ تو اسے ہوش آیا اور نہ ہی اس نے ان کی لایعنی باتیں سنیں اور جب اسے بیہوش ہوئے زیادہ دیر گذر گئی تب افسر نے سپاہیوں سے کہا۔ اسے ہوش میں لاؤ۔

کئی سپاہی بڑھے اور اسلم کے لاتیں اور گھونسے مارنے لگے۔ مسلمانوں کو ان کی یہ حرکت نہایت بری معلوم ہوئی۔

ایک ضعیف العمر نے کہا۔ اس قدر ظلم نہ کرو۔ آخر ہم بھی انسان ہیں۔ اور انسانوں کو انسانوں پر وحشیانہ مظالم نہیں کرنے چاہئیں۔

افسر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ آہاہا! یہ بڈھا ہمیں اپدیش (نصیحت) دے رہا ہے

ذرا اسکی مرمت تو کر دو۔

دو سپاہی اس بڈھے کی طرف بڑھے اور اسے گھونسوں سے مارنے لگے تمام مسلمان جوش وغضب سے بھر گئے۔ اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا بے رحمو! اس طرح اذیتیں دینے سے کیا حاصل۔ جب تم ہمیں زندہ دیکھنا نہیں چاہتے تو مار ہی کیوں نہیں ڈالتے۔

افسر نے کہا۔ ماریں گے لیکن ابھی نہیں۔ جب ہمارے دل تم سے تفریح کرتے کرتے اکتا جائیں گے۔

ایک نوجوان مسلمان نے کہا خدا سے ڈرو۔ کہیں وہ ہم مظلوموں کی فریاد سنکر تمہیں ہمارے بس میں نہ دیدے اور پھر ہم بھی تمہارے ساتھ ایسی ہی تفریح کریں جیسی کہ آج تم کر رہے ہو۔

افسر۔ یہ ملک سندھ ہے یہاں تمہارے خدا کی حکومت نہیں ہے یہاں بدھ مہاراج اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی حکومت ہے۔

اس زمانے میں ملک سندھ میں بدھ مذہب زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ اور اس مذہب کے ماننے والے بودھ کہلاتے تھے۔ سناتن دھرمی جینی اور ناستک (خدا کے منکر) بھی تھے۔

نوجوان نے کہا۔ خدا ہر جگہ ہے۔ وہی خالق کل اور رازق مطلق ہے!

افسر۔ ہم مذہبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے سپاہیوں! ان کو لے چلو۔

اس وقت اسلم کو بھی ہوش آگیا تھا۔ اور وہ اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔ سپاہی ان سب کو لے کر چلے۔ دروازے میں داخل ہوئے اور قلعہ کے اندر پہنچے یہ قلعہ نہایت وسیع تھا۔ خوب آباد تھا۔ اور اسکے چاروں طرف مکانات بنے ہوئے تھے مگر کچھ زیادہ اونچے اور شاندار نہ تھے۔

کئی بازار تھے مگر تنگ تھے۔ دکانیں نیچی اور بھدی تھیں۔ ہاں مندر بیشمار
تھے اور وہ کافی بلند تھے۔ سپاہی مسلمانوں کو لیے ہوئے چلے جا رہے تھے
وہ اس مندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جو فصیل سے اونچا تھا۔ اور جسے مسلمانوں
نے قلعہ کے باہر سے ہی دیکھ لیا تھا۔

یہ مندر عین قلعہ کے وسط میں تھا۔ جب مسلمان راستوں اور بازاروں
سے گزر رہے تھے۔ تو وہ ہندوؤں کو اور ہندو انھیں دیکھ دیکھ کر حیران ہو
رہے تھے۔ مسلمانوں نے جس ہندو کو بھی دیکھا وہ گھٹنوں سے اونچی دھوتی
باندھے برہنہ جسم نظر آیا۔ سروں پر پگڑیاں یا ٹوپیاں کچھ بھی نہ تھیں۔
ننگے سر تھے۔ سر پر ہندیا کے کچھ بال لمبے لمبے تھے جنھیں وہ چوٹیاں کہتے
تھے۔ قریب قریب سب میلے اور کثیف رہتے تھے۔ جو دھوتیاں وہ پہنے
ہوئے تھے سب میلی تھیں۔

عورتیں بھی گھٹنوں سے ذرا نیچے دھوتیاں باندھے اور اونچی اونچی
کرتیاں پہنے تھے۔ اس لباس سے ان کی ستر پوشی اچھی طرح نہ ہوتی تھی
گھٹنوں سے نیچے تک پیر۔ بازوؤں تک ہاتھ اور سارا پیٹ کھلا رہتا تھا۔

عورت اور مرد سب ننگے پیر رہتے تھے۔ چونکہ مسلمان اس ملک میں پہلے
کبھی نہ آئے تھے۔ اس لیے وہ مردوں کو برہنہ اور عورتوں کو نیم برہنہ دیکھ دیکھ
کر حیران ہو رہے تھے۔ وہ اس ملک کے رہنے والے تھے اور جہاں مرد اور
عورتیں ہی نہیں بچے تک پورا لباس پہنتے تھے سوائے چہروں گٹوں تک
ہاتھوں اور ٹخنوں تک پیروں کے اور سارا جسم ڈھکا رہتا تھا۔

ہندو مسلمان کا لباس دیکھ کر ان کی وضع اور نورانی داڑھیاں دیکھ
دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ سپاہی ان کو ساتھ میں لیے ہوئے بڑھے چلے

چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ اس مندر کے قریب پہونچ گئے جو تمام مندروں سے اونچا تھا۔ اس مندر کے گرد احاطہ کھینچا ہوا تھا اور تین طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف پانڈے رہتے تھے، اور دو طرف میں مندر کی داسیاں![1]

یہ داسیاں بڑے گھرانوں کی سیم تن اور نوخیز لڑکیاں تھیں جو مندر میں رہتی تھیں اور بدھ کے بت کی پرستاریں کہلاتی تھیں۔

سندھ میں صرف راجاؤں کی عورتیں یا لڑکیاں اور مندر میں رہنے والی داسیاں ہی ایسا لباس پہن سکتی تھیں جس سے کہ ان کا تمام جسم ڈھک جائے لیکن یہ ان کی مرضی پر منحصر تھا اگر وہ چاہیں تو ایسے کپڑے پہنیں اور اگر وہ نہ چاہیں تو عام عورتوں جیسے پہن لیں۔

تمام جسم کو ڈھانپنے والا جو لباس تھا اس میں ایک شلوکہ ہوتا تھا اور ایک ساڑی، شلوکہ پہن کر جب ساڑھی کرلی جاتی تھی تو سارا جسم ڈھک جاتا تھا لیکن داسیاں اگر شلوکہ اور ساڑھیاں بھی پہنتی تھیں تو اس طرح کہ بازوؤں تک ہاتھ اور پیٹ کا کچھ حصہ کھلے رہتے تھے۔

ان داسیوں کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات مہیا کیے جاتے تھے اور وہ انھیں پہن کر اور بھی حسین نظر آنے لگتی تھیں۔ عوام کی نگاہوں میں وہ قابل احترام اور عصمت مآب تھیں۔ لیکن مندر کے پجاریوں کی دلبستگی کرنا ان کا اولیں فرض تھا۔

وہ بالکل ایسی تھیں۔ جیسی کہ عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقے کی ننیں جو ساری عمر کنواری رہنے اور عبادت کرنے کا عہد کرکے گرجے میں داخل ہو

---

[1] از تاریخ ہند۔ (صادق صدیقی)

جاتی ہیں اور وہاں کے پجاریوں کی خواہش نفسیات کا شکار بن جاتی ہیں۔"

جب مسلمان مندر کے احاطے میں داخل ہوئے تو انھوں نے سینکڑوں داسیوں کو بیش قیمت شلوکے پہنے اور ریشمی ساڑھیاں باندھے آپس میں چہل کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ سب نوعمر اور حسین تھیں۔

ان کے لباس۔ زیورات اور چہرے جگمگا رہے تھے۔ ہندوؤں کے خیال کے مطابق راجہ اندر کے دربار میں پریاں چل پھر رہی تھیں مسلمان ان کو دیکھنے لگے تو فوراً ہی ایک بڈھے مسلمان نے کہا۔

مسلمانو! اپنی نظریں جھکالو۔ خدا نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ۔ (اے پیارے نبیؐ) مسلمانوں سے کہدو کہ جب وہ نامحرم عورتوں کو دیکھیں تو اپنی نگاہیں جھکالیں۔"

یہ سنتے ہی تمام مسلمانوں نے اپنی نظریں نیچے جھکالیں۔ ان پری زاد لڑکیوں نے بھی اپنی ہوشربا آنکھیں اٹھا اٹھا کر انھیں دیکھا اور وہ حیرت بھری نظروں سے انھیں دیکھتی رہ گئیں۔

ان لڑکیوں کے سامنے بہت سے پجاری کھڑے تھے ان میں ایک بڈھا پجاری بھی تھا۔ اس کا نام "ابی" تھا وہ مشہور پنڈت تھا۔ رحم دل نیک طینت انسان تھا اسکی ڈاڑھی سفید اور لمبی تھی۔ اسکے قریب ہی ایک ادھیڑ عمر کا شخص دھوتی اور موتیوں نیز جواہرات کے ہار پہنے کھڑا تھا۔

اس کا نام سمنی تھا۔ دیبل کے قلعہ پر یہی حاکم تھا۔ سمنی روزانہ مندر میں آتا تھا۔ کچھ بدھ جی کی مورتی کے درشن (زیارت) کرنے کے لیے نہیں بلکہ حسین داسیوں کی زیارت کے لیے۔

ایک سمنی ہی نہیں بلکہ سینکڑوں مرد صرف انھیں دیکھنے کے لیے ہی مندر

میں آتے تھے۔ سمنی۔ ابی اور تمام پجاری بھی مسلمانوں کو دیکھ کر حیران ہوئے کھڑے رہ گئے۔

افسران مسلمانوں کو لے کر سمنی کے پاس پہونچا۔ وہ اور تمام سپاہی اس کو سلام کرنے کے لیے زمین پر سجدہ میں گر گئے اور مہاراج کی جے کے نعرے لگانے لگے۔ نعرے لگا لگا کر اٹھے اور ابی کے پاس پہونچ پہونچ کر جھک جھک کر اسکے پیر چھونے لگے۔ ابی ہاتھ اٹھا اٹھا کر انھیں برکت دینے لگا۔ جب یہ لوگ سلام و تعظیم سے فارغ ہو گئے تو افسر نے کہا۔

"مہاراج! یہ مسلمان ساحل پر اترے ہوئے تھے۔ ہم انھیں گرفتار کر کے لائے ہیں۔ سمنی نے کہا۔ "بہت اچھا کیا تم نے!"

افسر۔ جب ہم قلعے کے دروازے پر آئے تو ان داتا (رزق دینے والا) مہاراج داہر سے سامنا ہو گیا۔ انھوں نے حکم دیا ہے کہ ان سب کو تہ خانہ میں بند کر دیا جائے۔

سمنی۔ بہت مناسب ہے ان وحشیوں کے رہنے کی جگہ وہی ہو سکتی ہے۔"

اب سمنی۔ ابی کی طرف گھوما۔ اور اس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ پنڈت جی مہاراج۔

"ابی نے قدرے جھک کر کہا آگیا (حکم) ہے؟"

سمنی۔ آپ ان کو اپنی حراست میں لے کر تہ خانہ میں بند کر دیں!"

ابی۔ اس آگیا کا پالن کیا جائے گا۔ (اس حکم کی تعمیل کی جائے گی)۔

ابی نے پجاریوں کی طرف دیکھا۔ وہ مسلمانوں کو حراست میں لے کر چلے ابھی وہ دو قدم بھی نہ گئے تھے کہ آواز آئی ٹھہرو!

سب نے پلٹ کر دیکھا۔ جو گنی اس طرف سے آرہی تھی۔ سب کے سب

اسے دیکھتے ہی جھک گئے۔

نواں باب

مغرور راجہ

ہارون معہ دس مسلمانوں کے روانہ ہو گیا تھا۔ وہ بصرہ سے چل کر شیراز پہونچا اور مکران ہوتا ہوا نیروں کی حدود میں سے گذر کر سندھ میں داخل ہوا چونکہ وہ قاصد تھا اور جس شہر یا قصبہ میں جاتا تھا پہلے بتا دیتا تھا کہ وہ سفیر ہے اور راجہ داہر کے پاس جا رہا ہے۔ اس لیے کسی نے اس سے تعرض نہ کیا۔ بالآخر طے منازل اور قطع مراحل کے بعد وہ الور میں داخل ہوا۔

الور کا قلعہ نہایت بلند اور بہت کچھ لمبا چوڑا تھا۔ یہ قلعہ دیبل کے قلعہ سے دو گنا وسیع اور کافی بلند تھا۔ آبادی گنجان تھی۔ بازار پر رونق تھے۔ سڑکیں اچھی حالت میں تھیں صفائی کا بھی انتظام تھا۔

دیبل سے زیادہ یہاں مندر تھے۔ اسکے ایک طرف شاہی محلات تھے جو دور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ محلات کے قریب ہی فوجی چھاؤنی تھی۔ محلوں کے اندر بھی کئی مندر تھے۔ غالباً جتنی رانیاں تھیں اتنے ہی مندر تھے۔ کیونکہ ایک رانی دوسری رانی کے مندر میں جانا کسر شان سمجھتی تھی۔ اور بھی شہر میں ہر طرف مندر پھیلے ہوئے تھے۔

یہاں بھی مرد برہنہ اور عورتیں نیم برہنہ رہتی تھیں۔ جب ہارون قلعہ کے اندر داخل ہوا اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ ولید کا قاصد ہے تو فوراً بدھی من وزیر کو اطلاع دی گئی۔ وہ ہارون سے ملا اور اس نے کہا میں حیران ہوں

کہ آپ اتنی دور دراز کی مسافت اٹھا کر کس لیے آئے ہیں؟۔

ہارون نے کہا۔ میں خلیفہ کا پیغام لے کر آیا ہوں اور مہاراجہ داہر سے ہی عرض کر سکتا ہوں۔

برھمن۔ مہاراجہ دیبل گئے تھے۔ وہ شہروں میں گھومتے پھر رہے ہیں اور ایک ہی دو روز میں آنے والے ہیں۔

ہارون۔ ہم ان کی واپسی تک ٹھہریں رہیں گے!

برھمن۔ بہتر ہے۔ آپ کے ٹھہرنے کا معقول پربندھ (انتظام) کر دیا جائے گا۔

چنانچہ ہارون کو مع ان کے ساتھیوں کے ایک اچھے مکان میں ٹھہرا دیا۔ دو ہی تین روز کے بعد انھوں نے سنا کہ راجہ داہر واپس آگیا ہے اور عنقریب دربار کرنے والا ہے۔ دربار ہی میں ان کو طلب کیا جائے گا۔

لیکن ہارون کو جلدی تھی۔ کیونکہ اسے ہدایت تھی کہ وہ بہت جلد واپس آئے۔ مگر داہر سے ملے اور جواب لیے بغیر واپس جانا بے کار تھا۔ اس لیے وہ ٹھہرا ہوا تھا اور نہایت بے چینی سے دربار کا انتظار کر رہا تھا۔

ایک روز چند ہندو آئے اور انھوں نے کہا دربار لگا ہوا ہے۔ آپ کو مہاراجہ نے طلب کیا ہے۔ فوراً یہ سب لوگ ہتھیار لگا کر ان کے ساتھ ہو لئے۔

دربار کی عمارت محلوں کے قریب تھی۔ یہ لوگ اس عمارت میں داخل ہوئے نہایت شاندار عمارت تھی خوب سجائی گئی تھی۔ یہ کمرہ نہایت وسیع تھا اس میں دو رویہ کرسیاں تھیں۔ کرسیوں پر درباری بیٹھے تھے۔ مگر سب دھوتیاں باندھے ہوئے ننگے بدن تھے۔

کمرے کی سطح سے تین گز اونچا ایک چبوترہ تھا اس پر سنگھاسن تھا اور

راجہ داہر اس پر بیٹھا تھا۔ اسکے داہنی طرف اسکی بہن مائی جس سے اس نے شادی کی تھی اور جو اب رانی بن گئی تھی بیٹھی تھی۔
اسکے قریب ہی حسین و پر جمال رانی لاڈی ایک تکیہ کے اوپر جھکی ہوئی تھی اور بائیں طرف تیسری رانی تھی۔ یہ تینوں رانیاں اعلٰی قسم کی ساڑھیاں شلوکے اور زیورات پہنے تھیں۔
ایک تو وہ تینوں تھی ہی حسین! دوسرے ان کے لباس اور زیورات نے انھیں اور بھی حسین بنا دیا تھا۔ مگر ان تینوں میں سے سب سے زیادہ خوبصورت رانی لاڈی تھی۔ کچھ نوجوان مہ پارہ داسیاں (کنیزیں) تخت کے پیچھے کھڑی مگس رانی کر رہی تھیں۔
چبوترے کے نیچے بدھی من وزیر اور بے سیہ راجہ داہر کا بیٹا کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ تمام درباری۔ راجہ۔ رانیاں اور کنیزیں غرض کہ سب خاموش تھے اور مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ ہارون اور سارے مسلمان بغیر کسی جھجھک کے بڑھ کر چبوترے کے قریب جا کھڑے ہوئے۔
بدھی من وزیر نے ہارون سے کہا۔ اگر تم خلیفہ کا کوئی مراسلہ لائے ہو تو پیش کرو۔ ہارون نے کہا۔ جی ہاں! میں ایک مراسلہ لایا ہوں۔ لیکن اعلیحضرت خلیفۃ المسلمین کا نہیں بلکہ ....
بدھی من نے قطع کلام کرتے ہوئے دریافت کیا اور؟
ہارون۔ اعلٰی حضرت کے بادشہ رفیہ کے گورنر اسئے حجاج کا!
بدھی من۔ خیر کسی کا بھی ہو دو تاکہ مہاراج کے حضور میں گزرانا جائے۔
ہارون نے مراسلہ نکال کر بدھی من کو دیا۔ بدھی من اسے لیکر سیڑھیوں پر چڑھا اور داہر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ داہر نے دریافت کیا کیا ہے۔

بدھی من نے کہا۔ ان داتا! خلیفہ کے وائسرائے حجاج کا مراسلہ ہے!
داہر۔ اسے کھول کر پڑھیے! مگر بآواز بلند!"

بدھی من۔ بہت اچھا!"

اب بدھی من نے پڑھنا شروع کیا تھا!"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع ہے ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) یہ خط حجاج بن یوسف کی طرف سے ہے۔ ہمارا راجہ داہر کے نام جو سندھ کا حکمران ہے!"

مجھے افسوس کے ساتھ یہ بات عرض کرنی ہے کہ اٹھارہ مسلمان جن میں مرد۔ عورتیں اور بچے سب شامل ہیں جزیرۂ سراندیپ سے بصرہ آ رہے تھے بدقسمتی سے طوفان آگیا اور جہاز دیبل کے ساحل پر جا پہونچے وہاں آپ کے سپاہیوں نے انھیں گرفتار کر لیا مجھے خیال ہے کہ یہ ناخوشگوار واقعہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ورنہ ہمارے اور آپ کے درمیان مناقشات نہیں ہے۔ ہم مسلمان کسی مسلمان کو کسی مصیبت میں گھرا ہوا نہیں دیکھ سکتے ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ مصیبت زدہ مسلمان کی مدد کرے اس لیے میں عرض گذار ہوں کہ گرفتار شدہ مسلمانوں کو رہا کر کے تمام مسلمانوں کو مشکور فرمادیں۔

داہر خط سن کر ہنسا اس نے کہا کس قدر بے وقوف ہے یہ حجاج اس نے اتنا نہ سوچا کہ جب ہم نے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ تو رہا کیوں کر دینا گے!۔"

بدھی من نے کہا۔ مگر حضور ان کا رہا کر دینا ہی مناسب ہے۔

داہر نے خشونت کے انداز میں کہا کیوں۔

بدہی من۔ اسلئے کہ مسلمان انھیں چھڑانے کے لیے حملہ کر دیں گے!"

داہر۔ تو کیا میں مسلمانوں کے حملے سے ڈر جاؤں۔

بدہی من۔ بے کار خونریزی سے فائدہ بھی کیا ہے۔

داہر۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے میری بزدلی ظاہر ہوگی۔ قاصد سے کہہ دو کہ ہم مسلمانوں کو رہا نہیں کر سکتے۔

داہر اور بدھی من دونوں کی باتیں ہارون اور اسکے ساتھی سن رہے تھے وہ بھی سیڑھیوں پر چڑھ کر بدھی من کے برابر جا کھڑے ہوئے۔

ہارون نے کہا۔ حضور اگر آپ ان چند مسلمانوں کو رہا کر دیں گے تو اس سے نہ آپ بزدل سمجھے جائیں گے۔ نہ کوئی بدنامی ہوگی بلکہ حضور کی تعریف کی جائے گی۔

داہر نے بگڑتے ہوئے کہا۔ کبھی نہیں! میں ہرگز انھیں رہا نہ کرونگا۔

ہارون۔ اچھا ابے رہا نہ کریں۔ اگر آپ کہیں تو ہم کچھ زرتاوان ادا کر دیں۔

داہر۔ نادان! اگر تم ان میں سے ہر ایک شخص کے برابر چاندی بھی تول دو تب بھی میں نہیں چھوڑ سکتا۔

اب ہارون کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔ دیکھئے! ہم مسلمان ہیں ہمارا یہ قاعدہ ہے کہ حتی الامکان صلح و آشتی سے کام نکالتے ہیں۔ لیکن جب اس طرح کام نہیں چلتا تب۔۔۔۔

داہر نے غضبناک ہو کر کہا۔ تب کیا کرتے ہو۔"

ہارون۔ تب ہم تلوار سے کام لیتے ہیں اور پھر ہماری تلوار ہر کام کر

لینی ہے۔

داہر نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔ مجھے تمہاری تلوار ہی دیکھنا ہے۔

ہارون۔ "فضول ضد نہ کرو۔ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔"

داہر۔ خبردار! میری توہین کی سزا موت ہے۔

ہارون۔ کیا آپ کے درباریوں میں سے کسی کو یہ جرات ہے کہ وہ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے اگر کوئی ہے تو ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

داہر نے درباریوں پر نگاہیں ڈالیں۔ تمام درباری نظریں نیچی کیے خاموش بیٹھے تھے۔ داہر نے کہا۔ تم ان سورماؤں (بہادروں) کو دیکھو یہ سب جہابر (بڑے دلیر) ہیں جب تم لڑنے آؤ گے تب ان کی دلیری کا تماشہ دیکھنا چونکہ تم قاصد ہو اس لیے معاف کیا جاتا ہے۔

ہارون کو جوش اور غصہ آرہا تھا۔ اس نے کہا۔ بہادر ہیں... ایسے ہی بہادر ہوتے ہیں اگر انھیں بہادری کا زعم ہے تو ان سے کہئے کہ ہمارا مقابلہ کریں۔

بدھ من نے نرم لہجہ میں کہا۔ مسلم نوجوان غصہ نہ کرو۔ دربار میں خونریزی نہیں کی جاتی۔ تم حجاج سے کہہ دو کہ مہاراج مسلمانوں کو رہا نہیں کرتے ہیں۔

ہارون۔ بہتر ہے (راجہ سے) انتظار کیجیے۔ اس وقت کا جب کہ شیران اسلام چاروں طرف سے تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور تمہارے غرور کو خاک میں ملادیں گے۔

داہر کو غصہ آیا۔ اس نے جوش میں آکر تلوار کھینچی لیکن ابھی تلوار میان سے باہر بھی نہ نکلی تھی کہ ماتی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ناتھ! دربار میں خونریزی نہ کیجیے۔ داہر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ جاؤ تم رانی کی مہربانی سے بچ گئے۔ بس

چلے جاؤ اور حجاج سے کہدو کہ اگر اسے حوصلہ ہے تو مسلمانوں کو چھڑا کر لے جائے۔

ہارون۔ بچ ہم نہیں گئے۔ بلکہ تم بچ گئے اچھا ہم جا رہے ہیں لیکن آپ ابھی سے جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارے جاتے ہی اسلامی لشکر ایک سیلاب کی طرح آئے گا اور وہ سارے سندھ کو تمہارے ناپاک وجود سے پاک کر دیگا؟"

داہر خاموش رہا۔ ہارون اور اسکے ساتھی لوٹے۔ دربار سے نکلے قیام گاہ پر آئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اسی وقت روانہ ہو گئے۔

دسواں باب

"ہمدرد محافظ"

جوگنی کا لوگ احترام نہ کرتے تھے بلکہ اس سے ڈرتے تھے چونکہ وہ اسے جادوگرنی سمجھتے تھے۔ اس لیے اسکی تعظیم کرتے تھے نیز اسکے غصہ سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ جوگنی آرہی تھی۔ اسکے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ تھا۔ وہ اگر جب کھڑی ہوئی تو سارے ہندو مرد اور عورتیں نظریں جھکا جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ البتہ مسلمان اسکی طرف دیکھنے لگے انھوں نے اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ سمندر کے کنارے پر اسے دیکھا تھا۔

وہ اسکے مشکور تھے کیونکہ اس نے سپاہیوں سے ان کے چھوڑنے کی سفارش کی تھی۔ ابی نے نظریں اٹھا کر جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ماتا جی! آج درشن دینے کا کیا کارن ہے (کیا وجہ ہے)؟

جوگنی نے کہا کیا آپ کو وہ پیشین گوئی یاد ہے جو آج سے مدتوں پہلے بڑے

بڑھے نجومیوں نے کی تھی۔

ابی۔ کون سی پیشین گوئی کے متعلق آپ کہہ رہی ہیں؟

جوگنی۔ مسلمانوں کی آمد کے متعلق۔

ابی۔ یاد ہے ماتا۔

جوگنی۔ بھلا کیا پیشین گوئی کی گئی تھی؟

ابی۔ یہی کہ مسلمان سندھ پر قبضہ کرلیں گے۔

جوگنی اور اب مسلمان سندھ میں داخل ہو گئے ہیں۔

ابی نے حیرت سے جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا مسلمانوں کا لشکر سندھ میں داخل ہو گیا ہے۔؟

جوگنی۔ تم کو ابھی یہی حیرت ہے!

ابی۔ اور.....

جوگنی نے بیرہ سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے قیدی مسلمان نہیں ہیں۔؟

ابی۔ ہاں۔ یہ مسلمان ہیں! مگر...

جوگنی۔ مگر کیا؟

ابی۔ یہ قیدی ہیں!

جوگنی۔ اور ان قیدیوں ہی کی وجہ سے سندھ مصیبت میں مبتلا ہو جائیگا۔

سمنی نے جوگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کس طرح سے ماتا!

جوگنی۔ مسلمانوں میں اس قدر اتفاق اور اتحاد ہے کہ اگر ان کا ایک آدمی بھی کسی ملک میں گرفتار کر لیا جاتا ہے تو ساری دنیا کے مسلمان بیقرار ہو کر اس کو چھڑانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

سمنی۔ آپ کے خیال میں مسلمانوں کا خلیفہ ان مسلمانوں کو چھڑانے کے لیے اتنے دور دراز فاصلے پر آئے گا۔؟

جوگنی۔ یقیناً! تم مسلمانوں کو نہیں جانتے ہو!

سمنی۔ میرے خیال میں یہ غیر ممکن ہے!۔

جوگنی۔ مگر مجھے ممکن نظر آرہا ہے۔

سمنی۔ اگر انھوں نے ایسی جرأت کی بھی تو ہم سندھی ہر حملہ آور مسلمانوں کو مار ڈالیں گے۔

جوگنی۔ غیر ممکن ہے۔ اگر تم ان کے ایک دو لشکروں کو شکست بھی دے دو گے تب بھی ان کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہ ہو گا جب تک کہ وہ تم سے انتقام نہ لے لیں گے۔

سمنی۔ کیا ہم سندھی ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے؟

جوگنی۔ بالکل نہیں!۔

سمنی۔ نہیں ماتا جی! ایسا نہ ہو گا!

جوگنی نے جوش میں آکر کہا۔ ایسا ہی ہو گا۔ افسوس! جو کچھ مجھے نظر آرہا ہے اسے تم نہیں دیکھ سکتے۔

سمنی۔ ماتا جی! ہم کو بھی دکھا دیجئے!

جوگنی کچھ سوچنے لگی۔ ابی نے کہا۔ ہاں! دکھا دیجئے ماتا جی!

جوگنی نے آہستہ آہستہ سے سر اٹھا کر کہا۔ اچھا! میں تم کو دکھا دوں گی مگر ان داسیوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں چلی جائیں۔

سمنی نے کہا۔ ماتا جی انھیں بھی دیکھ لینے دیجئے۔

جوگنی۔ نہیں۔ یہ ڈر جائیں گی!

داسیوں نے جھک کر کہا۔ "نہیں ماتا جی ہم ڈریں گی نہیں!"

جوگنی۔ "اچھا! تم جانو! مجھے گرو نے جو علم دیا ہے آج سب کے سامنے اس علم کا کرشمہ دکھاتی ہوں۔ مگر اسے دیکھنے سے یہ بتا دوں کہ جو واقعات نظر آئیں گی۔ وہ پیش آنے والے ہیں گذرے ہوئے نہیں ہیں۔

سمنی۔ "اچھا ماتا"۔

جوگنی پیچھے ہٹ کر تن کر کھڑی ہو گئی اس نے زیر لب کچھ پڑھنا شروع کیا پڑھتی رہی۔ دیر تک پڑھتی رہی۔ کبھی کبھی اپنے سر کو جھٹکا دے لیتی تھی اسکے سر کے غبار آلود گنجان بال اسکے پشت اور سینے پر بکھر گئے تھے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئی تھیں۔

اسکی صورت نہایت خوفناک معلوم ہونے لگی تھی اب اس نے نیزہ آسمان کی طرف اٹھا کر بلند آواز سے کہا۔ "دیکھو! . . . .

سب کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس وقت مطلع بالکل صاف تھا۔ آفتاب چمک رہا تھا۔ جوگنی کے نیزے سے کچھ شعاعیں نکلیں اور فضا میں پھیلنے لگیں۔

تھوڑے ہی عرصہ میں نیزے سے نکلی ہوئی شعاعوں نے آفتاب کی شعاعوں کو ڈھک لیا۔ اور اب ایسا سماں بندھ گیا ہے جیسا کہ ہلکا سا ابر آ گیا ہو سب کی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں ان کے دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر جنگل نظر آنے لگا۔ درخت، دریا، سبزہ سب صاف طور پر معلوم ہونے لگے"

سب نہایت حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ دفعتہً گیارہ سوار گھوڑے دوڑاتے نظر آئے۔ ان کا لباس عربوں کا سا تھا۔

جوگنی نے کہا۔ خاصد . . . یہ خاصد ہیں۔ جو مہاراجہ داہر کے

دربار میں آ رہے ہیں۔

وہ نکلے چلے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں پھر نمودار ہوئے جوگنی نے پھر کہا قاصد ناکام واپس جا رہے ہیں۔

وہ پھر غائب ہو گئے اور کچھ ہی وقفہ کے بعد ہزاروں سوار اسی لباس میں نظر آئے۔ سیکڑوں علم لہرا رہے تھے۔ یہ علم اسلامی تھے اور ایک بڑا علم تھا جو کہ ایک نوجوان کے ہاتھ میں تھا۔

وہ نوجوان نہیں بلکہ ایک لڑکا تھا جس کی عمر سترہ سال کی تھی۔ ابھی مونچھیں یا داڑھی کچھ بھی نہیں نکلی تھیں۔ نہایت شاندار اور بڑا تھا۔ جوگنی نے کہا دیکھو فاتح سندھ کی صورت دیکھو۔ اب اس نے پھر کچھ پڑھنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ جنگل، دریا اور سبزہ وغیرہ سب غائب ہو گیا اور آفتاب اپنی پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔

جوگنی نے اپنا سر جھکا لیا اب بھی اس کا چہرہ لال اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ سب پھر جوگنی کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ اب بھی کچھ پڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ دیکھ لیا تم سب نے؟

ایلی نے کہا۔ ہاں ماتا دیکھ لیا۔ آج تم نے ایک نئی بات دکھائی ہے۔

جوگنی۔ میں پہلے ہی یہ سب کچھ دیکھ چکی ہوں۔

ایلی۔ مگر ماتا جی اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ لڑائی بھی ہو گی۔

جوگنی۔ میں نے ان نازنینوں داسیوں کے ڈر جانے کے اندیشہ سے جنگ کا منظر نہیں دکھایا ہے۔

سمنی۔ تو ماتا! آپ کو جنگ کا نتیجہ بھی معلوم ہو گیا ہے؟

جوگنی۔ ہاں۔

سمنی۔ کیا ہو گا؟

جوگنی۔ داہر کی حکومت مٹ جائے گی۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو جائیں گے۔ ملک ویران ہو جائے گا۔

سمنی۔ مگر جو لڑکا نظر آیا ہے وہ فاتح سندھ نہیں ہو سکتا!"

جوگنی۔ اس بحث میں نہ پڑو ایشور (خدا) کی لیلا (قدرت) عجب ہے!"

سمنی۔ مگر ماتا اطمینان رکھو۔ اگر یہ لڑکا لڑنے کے لیے آیا تو اس شیر خوار بچہ کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

جوگنی ہنسی اور اس نے کہا۔ مگر یہی بچہ سندھیوں کا قافیہ تنگ کر دے گا۔

سمنی۔ کبھی نہ کر سکے گا؟۔

جوگنی نے ابی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پنڈت جی قسمت کا لکھا نہیں مٹ سکتا یہ ملک کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں ان کی مت ماری گئی ہے میرا کام سمجھانا تھا۔ سمجھا دیا۔ اب تم اپنی فکر کرو۔

ابی۔ مجھے کیا اندیشہ ہے ماتا؟

جوگنی۔ جو لوگ مسلمانوں پر سختی کریں گے مسلمان ان سے انتقام لیں گے اور جو ان مہربانی کریں گے وہ بھی ان پر مہربانی کریں گے سمجھ گئے۔

ابی۔ سمجھ گیا"۔

جوگنی پیچھے ہٹ گئی۔ کچھ دور تک چلی اور پُر اسرار طریقہ پر غائب ہو گئی

سمنی نے کہا۔ یہ جادوگرنی ہے نظر بندی کر دیتی ہے۔ بھلا ایک ایسا لڑکا جس کی ڈاڑھی اور مونچھیں دونوں نداردہیں کیا میدان جنگ میں آ کر لڑ سکتا ہے!"

ابی۔ میرے خیال میں نہیں لڑ سکتا۔ ہمارے دیس کے (ملک) کے اتنی عمر کے بالک (لڑکے) تو رات کو گھر سے باہر نہیں نکلتے!"

سمنی۔ یہی بات ہے! اچھا تم ان اسیروں کو لے جا کر تہہ خانہ میں بند کر دو۔

ابی۔ بہتر ہے!"

سمنی۔ چلا گیا۔ پانڈے اور داسیاں بھی چلی گئیں ابی قیدیوں کو لے کر اس برج میں پہونچا جو مندر کے قریب ہی تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اس کے اندر داخل ہوا اور قیدیوں کو لے کر زینہ سے اترنے لگا۔ یہ زینہ کافی چوڑا تھا سیڑھیاں چوڑی تھیں لیکن جوں جوں وہ نیچے اترتا تھا۔ اندھیرا بڑھتا جاتا ہے۔

چنانچہ جب یہ سب نیچے ایک کمرے میں پہونچے تو وہاں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا ابی تمام تہ خانہ سے بخوبی واقف تھا۔ وہ ٹٹول ٹٹول کر ایک طرف بڑھا۔ اور اس طرف کا ایک دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل گیا۔ مسلمان بھی اسکے ساتھ ہی پہونچے۔

اب وہ ایک کشادہ کمرے میں پہونچ گئے یہاں روشن دان کے ذریعہ سے روشنی اور ہوا آ رہی تھی۔ اور اس قدر اُجالا تھا کہ ہر چیز صاف صاف نظر آتی تھی۔ ابی نے مسلمانوں سے کہا۔ اگر میں تم کو کھول دوں تم میرے ساتھ زیادتی تو نہ کرو گے۔

کئی مسلمانوں نے کہا۔ بالکل نہیں۔ ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔

ابی۔ میں نے مسلمانوں کی یہی تعریف سنی ہے۔ اچھا میں تم کو کھولے دیتا ہوں۔

ابی نے مسلمانوں کی رسیاں کھول دیں۔ اور پھر دوسرے کی کھولنے لگا ایک کی اس نے کھولیں اور دوسرے کی مسلمان نے کھول دیں اور اس طرح سے نہایت عجلت کے ساتھ سب کی رسیاں کھول دیں گئیں رسیاں کھل جانے سے مسلمانوں کی تکلیف میں کچھ افاقہ ہو گیا۔ خصوصا

عورتوں اور بچوں کو بہت ہی آرام ملا۔ مسلمانوں نے ابی کا شکریہ ادا کیا
ابی نے کہا۔ میں انسان ہوں اور تم بھی انسان ہو۔ میری انسانیت مجھے مجبور
کرتی ہے کہ میں تمھاری خدمت کروں۔

اسلم نے کہا۔ اگر خدا نے ہم کو آزاد کیا تو ہم آپ کے احسان کا معاوضہ بالضرور
ادا کریں گے۔

ابی۔ مجھے اس کا یقین ہے۔ تمھیں جب۔ جس چیز کی ضرورت ہو بلا
توقف مجھ سے کہدیا کرنا۔

اسلم۔ بہت اچھا!

ابی۔ اچھا۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔"

گیارہواں باب

"فرمان"

حجاج نے جب سراندیپ کے مسلمانوں کے قید ہو جانے کی خبر سنی اسی وقت
سے بے چین ہو گیا۔ اسے ہندوؤں پر بڑا غصہ آرہا تھا جنھوں نے بلا وجہ ان کو
قید کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد دربار خلافت سے حملہ کرنے کی اجازت
آجائے اور وہ مظلوم مسلمانوں کو رہا کرانے کے لیے فوراً مہم روانہ کر دے نیز
تمام مسلمانوں کو بھی بڑا فکر اور رنج تھا۔ چونکہ جمعہ کے روز حجاج نے یہ تمام
واقعات مسلمانوں کو سنا دیے تھے۔ اس لیے بصرہ میں گھر گھر مسلمان قیدیوں
کا ذکر ہو رہا تھا۔ ہر شخص کو جوش اور غصہ آرہا تھا۔ ہر ایک ان کا انتقام لینے

کے لیے جنگ پر جانے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا بچوں تک میں جوش و غضب کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اور جب کبھی وہ آپس میں اکٹھا ہوتے تھے تو یہی ذکر کرتے تھے اور یہ ذکر کرتے کرتے غضبناک ہو کر اس طرح سے اٹھ کھڑے ہوتے تھے جیسے کہ وہ لڑنے کے لیے جا رہے ہوں۔

عورتوں میں بھی انھیں کا تذکرہ تھا۔ سب سے زیادہ انھیں ہی غم و فکر تھا وہ ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر کر ان کا ذکر کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ نہ معلوم وہ کس حال میں ہیں۔ دشمنوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ان کے ساتھ عورتیں بھی ہیں بچے بھی ہیں۔ یہ اللہ میاں نے کیا کیا؟

غرضکہ مسلمانوں کا ہر فرد پریشان اور مضطرب تھا اور خلیفہ کے فرمان کا انتظار کر رہا تھا۔ اکثر لوگ دوپہر کے وقت اس راستے پر چلے جاتے تھے جو دمشق کو جاتا تھا۔ اور دن چھپے تک قاصد کا انتظار کرتے رہتے اور آفتاب غروب ہونے کے بعد مایوس ہو کر واپس چلے جاتے۔

خود حجاج کو بھی سخت انتظار تھا۔ عورتیں مردوں سے اور بچے عورتوں سے روزانہ قاصد کے متعلق دریافت کر لیتے تھے۔ سچ پوچھو تو بصرہ والے اس قدر بے قرار ہو رہے تھے کہ ان کا کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا وغیرہ سب بھی جاتا رہا تھا۔ ہر شخص پانچوں وقت نماز پڑھ کر ان مسلمانوں کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتا تھا۔

ایک روز ایک سانڈنی سوار دمشق سے آتا نظر آیا۔ جو لوگ قاصد کو دیکھنے کے لیے آج بھی گئے تھے۔ اسے وہ دور ہی سے دیکھ کر خوش ہو گئے اور انھوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔ لو مبارک ہو قاصد آ رہا ہے۔ سب بے اختیار ہو کر اس کی طرف بڑھ گئے۔ جب وہ قریب پہنچے تو سانڈنی

سوار نے السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہا۔ اور اونٹنی بٹھا کر نیچے اتر پڑا سب نے وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہا جب وہ ان کے برابر کھڑا ہوا تب ایک مسلمان نے دریافت کیا۔ کیا تم دمشق سے آ رہے ہو؟۔

سانڈنی سوار نے جواب دیا جی ہاں!

وہی مسلمان۔ کیا خلیفہ کا فرمان لائے ہو؟۔

سوار۔ ہاں۔

سب یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہو گئے کہ خلیفہ نے حکم دیا ہے چنانچہ کئی آدمیوں نے دریافت کیا کچھ معلوم ہے کہ خلیفہ نے کیا حکم دیا ہے؟

سوار۔ مہم بھیجنے کی اجازت دے دی۔

سب نے خوش ہو کر کہا۔ خدا کا شکر ہے۔

اب یہ سب چلے اور بصرہ میں داخل ہوئے۔ فوراً ہی تمام شہر میں قاصد کے آنے کی خبر پھیل گئی۔ ہر شخص مسجد کی طرف دوڑنے لگا۔ مرد تو مرد بچے بھی بھاگ بھاگ کر آنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مسجد آدمیوں سے بھر گئی۔ حجاج پہلے ہی آ چکا تھا۔ اور قاصد سے فرمان لے کر پڑھ چکا تھا اب وہ منبر پر آیا اور اس نے بلند آواز میں کہا۔

مسلمانو! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم سب ہی مظلوم مسلمانوں کے لیے اسی طرح سے تڑپ رہے تھے۔ جس قدر میں تڑپ رہا تھا۔ نیز مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ سینکڑوں مرد۔ عورتیں اور بچے روزے رکھ رہے ہیں اور سارے مسلمان پانچوں وقت نماز پڑھ پڑھ کر مظلوم مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں سے کیا خطا ہو گئی ہے۔ جو مسلمانوں کو مبتلائے مصیبت کر کے خدا نے سارے مسلمانوں کو بے چین کر دیا ہے۔ یاد رکھو! جو خدا کو یاد کرتا ہے

ہے خدا اسے یاد کرتا ہے اور جو خدا کو بھول جاتا ہے خدا اسے بھول جاتا ہے۔ تمھاری دعائیں اور روزے بیکار نہ جائیں گے خدانے چاہا تو ہم مسلمانوں کو آزاد کرالائیں گے جس طرح سے آپ اور ہیں بے قرار ہیں۔ اس سے زیادہ خلیفۃ المسلمین بے قرار ہو گئے ہیں۔ میں آپ کو ان کا فرمان سناتا ہوں۔

فرمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (شروع ہے ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے) از جانب بندۂ خدا ولید بن عبدالملک خلیفۃ المسلمین بجانب حجاج بن یوسف ثقفی وائسرائے بلاد مشرق"۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ تمھارا عریضہ پہنچا۔ سراندیپ کے مسلمانوں کے قید ہو جانے کی خبر سن کر اس قدر اضطراب ہوا کہ بھوک اور نیند سب اڑ گئی ہے ایک مسلمان کا بال بیکا ہونے سے یہ اچھا ہے کہ میں مر جاؤں مسلمان اور تو سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کسی مسلمان کو مصیبت میں مبتلا دیکھے۔ خدا اور خدا کے رسول کا یہ فرمان ہے کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ پھر ایک بھائی کو دوسرا بھائی تکلیف میں کیسے دیکھ سکتا ہے۔ اور اگر کوئی دیکھ سکے تو وہ مسلمان نہیں ہے تم کو اجازت دی جاتی ہے کہ تم فوراً سندھ پر لشکر کشی کر دو اور جس شیر دل بہادر افسر کو مناسب سمجھو اس مہم پر مامور کر دو لیکن سندھ بہت دور دراز فاصلہ پر ہے۔ معمولی مہم نہ بھیجی جائے اور نہ معمولی لوگوں کو بھرتی کر کے بھیجا جائے بلکہ تجربہ کار اور پر جوش مجاہدوں کو بھیجا جائے اور ان کو ہدایت

کر دیکھائے کہ اول وہ صلح و آشتی سے کام لیں اگر مغرور و متکبر راجہ زمانے تو جنگ کریں اور اسوقت تک لڑیں جب تک کہ یا تو تمام مجاہدین شہید ہو جائیں یا راجہ کو نہ مار ڈالیں۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ کسی مندر یا معبدگاہ کو نہ گرائیں کسی عورت کسی بچے۔ کسی بڈھے کسی بیمار کو نہ ستائیں نہ کھیتی کو پامال کریں نہ جلائیں۔ آبادی کو آگ نہ لگائیں۔ غلیم کے قریب میں نہ آئیں نماز پڑھتے اور روزے رکھتے رہیں۔ مسلمان جس قدر خدا کو یاد کریں گے خدا ان پر اسی قدر لطف و کرم کرے گا۔ اگرچہ میں اور دمشق کے رہنے والے مجاہدوں سے دور ہوں گے۔ مگر ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہوں گے۔ آج سے حکم دے دیا گیا ہے کہ ہر مسجد میں مسلمانوں کی عافیت اور مجاہدوں کی فتحیابی کے لیے دعائیں مانگی جائیں۔ فقط اور تمام مسلمانوں سے سلام علیک!"

(ولید بن عبد الملک)

اس فرمان کو سن کر تمام مسلمان بے حد خوش ہوئے اور انھوں نے جوش و مسرت سے مسرور ہو کر نعرے لگائے ولید زندہ باد... خلیفۃ المسلمین زندہ باد۔ امیر المومنین کی عمر دراز۔"

ان نعروں سے نہ صرف مسجد بلکہ تمام فضا گونج گئی۔ جب نعروں کی گونج کم ہوئی تو حجاج نے کہا۔ چونکہ اس وقت تمام اہل الرائے موجود ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس مجمع میں اس افسر کا انتخاب کر لیا جائے جس کی سرکردگی میں یہ مہم روانہ کی جائے گی۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ ہی اس کا

انتخاب کریں۔

حجاج۔ مجھے خوف ہے کہ جس کا نام میں پیش کروں گا۔ تم شاید اسے منظور نہ کرو۔

پھر سب نے کہا۔ ہم کبھی اعتراض نہ کریں گے!"

حجاج۔ اچھا تو سنو! میں اس مہم پر اسے بھیجنا چاہتا ہوں۔ جو ابھی بچہ ہی ہے۔ جس کی داڑھی اور مونچھ کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن جو شیر سے زیادہ بہادر ہے۔ مخلص مسلمان ہے پر جوش مجاہد ہے۔ اور جس نے فارس میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دے کر کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے اور اگر ابھی نہیں سمجھے تو اب سمجھ لو۔ وہ میرا چچیرا بھائی ہے جس کا نام محمد قاسم[ؒ] ثقفی ہے۔

سب نے کہا۔ نہایت مناسب ہے محمد قاسم جیسا بہادر شیر دل اس مہم پر جانے کے قابل ہے۔

حجاج۔ مجھے اس کا نام لینے میں اس وجہ سے پس و پیش تھا کہ تم یہ نہ کہو کہ اپنے قرابت دار کو چچا زاد بھائی کو بڑے بڑے لوگوں پر فضیلت دے دی۔ میں پھر ایک مرتبہ کہتا ہوں کہ اگر یہ انتخاب نامناسب ہو تو کسی اور کو منتخب کر لو۔

پھر سب نے کہا۔ نہیں یہ انتخاب نہایت موزوں اور مناسب ہے ہم سب قاسم کے شجاعانہ کارناموں سے خوب واقف ہیں۔"

لہ۔ بعض مورخ محمد قاسم کو محمد بن قاسم ابوالفدا محمد بن قاسم لکھتے ہیں لیکن مستند مورخوں نے محمد قاسم ثقفی لکھا ہے اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ (صادق صدیقی)

حجاج۔ سوئے اتفاق سے اس وقت میرا غمزدہ برادر محمد قاسم یہاں آیا ہوا ہے اور اس نے ہی مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ اس مہم پر جانے کی اجازت دی جائے۔ مگر وہ افسر بن کر نہیں بلکہ خادم بن کر جانا چاہتا ہے۔ اور محض حصول ثواب کی غرض ہے۔

ایک شخص نے کہا۔ وہ بے نفس نوجوان ہے۔ خادم بنا کر نہیں اسے مخدوم بنا کر ہی بھیجنا چاہیئے۔

اب حجاج نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میرے عزیز برادر آؤ اور تمام مسلمانوں کا شکریہ ادا کرو!"

ایک نوجوان اٹھا اور حجاج کے پاس منبر پر آکھڑا ہوا۔ وہ بالکل بے ریش اور پروت کا ایک لڑکا تھا۔ نہایت خوبصورت اور چہرہ اچھا تھا۔ اسکی کشادہ پیشانی سے اقبال مندی اور بڑی بڑی آنکھوں سے فراست ٹپکتی تھی۔

اس نے منبر پر آتے ہی سلام کیا اور کہا۔ میرے بزرگو اور دوستو! جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ سندھ کے مغرور اور متکبر راجہ نے سراندیپ سے آنے والے مسلمانوں کو بلا قصور گرفتار کرایا ہے۔ میرے دل کا چین اڑ گیا ہے قسم لے لیجئے جو میں نے اس وقت سے پیٹ بھر کر روٹی کھائی ہو ..... کیسے روٹی کھاتا اور کیسے آرام کرتا جب کہ میرے بھائی اور بزرگ مصیبت میں مبتلا ہوں میں نے اپنے بھائی سے عرض کیا تھا کہ مجھے عوام الناس کے زمرہ میں سندھ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں شیطان سیرت ہندو راجہ سے جنگ کر کے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر سکوں۔ مگر مجھ ناقابل کا انتخاب افسری کے لیے کر لیا گیا ہے۔

میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں سردار بننے کے قابل نہیں ہوں

میں ایک سپاہی ہوں۔ مگر جب کہ آپ مجھے افسری کی عزت دے چکے ہیں تو میرا فرض ہے کہ میں اپنی جان تک اس مہم میں دینے سے دریغ نہ کروں میری التدعا ہے کہ آپ سب اصحاب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے کمزور اور ناتجربہ کار انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے فتح عطا فرمائیے۔

سب نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگیں۔ بچے سجدوں میں گر گئے اور انھوں نے رو رو کر کہا۔ اے اللہ میاں! اے ہمارے خدا! محمد قاسم کو فتح عطا کرنا۔ اسکی حفاظت کرنا اور جو مسلمان قید ہیں۔ انھیں رہائی دلانا!"

اب حجاج نے کہا۔ میں اس قاصد کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ جو راجہ داہر کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اگر اس نے مسلمانوں کو رہا کر دیا تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ورنہ انکار کی صورت میں فوراً مہم روانہ کر دی جائے گی آپ تمام اصحاب سے التدعا کی جاتی ہے کہ ہر شخص ہر نماز کے بعد مسلمانوں کی رہائی اور فتحیابی کی دعا کریں!"

چونکہ اب کسی کو اور کچھ کہنا نہ تھا۔ اس لیے حجاج اور محمد قاسم دونوں منبر سے نیچے اتر آئے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اٹھ اٹھ کر وہاں سے چلنے لگے

بارھواں باب

"کوچ"

جب سے سندھ پر لشکر کشی کی اجازت دربار خلافت سے آگئی تھی اسی
وقت سے مسلمانوں نے تیاریاں شروع کردی تھیں۔ کیونکہ کسی مسلمان کو بھی
یہ خیال نہ تھا کہ راجہ داہر مسلمانوں کو رہا کر دے گا۔ لیکن مسلمانوں کا ہمیشہ سے
یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ پہلے اتمام حجت کر لیتے ہیں چنانچہ حجت کو تمام کرنے
کے لیے ہی حجاج نے قاصد کو بھیجا تھا۔ اور اب تمام مسلمان اس قاصد کی واپسی
کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر انتظار کی حد ہوتی ہے آخر اس انتظار کی بھی حد ختم
ہوگئی اور ہارون واپس آگیا۔ اس نے تمام روئداد حجاج کو سنادی۔ حجاج
کو پہلے ہی یہی توقع تھی دوسرے روز تمام مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ داہر
نے صلح کی درخواست مسترد کردی۔ اب زور شور سے تیاریاں شروع ہوگئیں
منجنیقیں درست کی جانے لگیں۔ منجنیقیں چھوٹے چھوٹے برج ہوتے تھے
جن کے ذریعہ سے قلعوں پر سنگ اندازی کی جاتی تھی۔

بعض منجنیقیں تو اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ پانچ پانچ سو آدمی کھینچتے تھے
اور جب وہ کام دیتی تھیں۔ ان میں ایک منجنیق نہایت بڑی تھی۔ اس کا نام
عروسک[1] تھا۔ یہ منجنیق خاص امیر المومنین کی تھی۔

چونکہ تمام مسلمانوں کو جوش آگیا تھا۔ اس لیے ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ

---

[1] از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۵

اس مہم پر ضرور بھیجا جائے۔ مگر حجاج نے اعلان کردیا تھا کہ صرف چھ ہزار مجاہدین جائیں گے۔ یہ اتنی تھوڑی تعداد مقرر ہوئی کہ ہر ایک شخص کو اندیشہ ہو گیا کہ وہ جا سکے گا۔ یا نہیں اسکے علاوہ اس مہم کا چرچا تمام ملک شام سارے عراق میں پھیل گیا۔ اور ہر طرف سے مجاہدوں کے گروہ بصرہ میں آنے لگے اب یہ دقت پیش آگئی کہ جو لوگ دور سے آئے تھے ان کو مایوس کر کے واپس بھیجنا ان کی انتہائی دل شکنی تھی۔ چنانچہ ملک شام سے جس قدر مجاہدین آئے تھے۔ وہ سب کے سب لے لیے گئے اور باقی عراق سے آنے والوں کو لیا گیا۔

اس طرح سے چھ ہزار کی تعداد پوری ہو گئی اور مصر کا ایک شخص بھی نہ لیا جاسکا۔ جو لوگ عرصہ سے تیاریاں کر رہے تھے۔ وقت پر مایوس ہو جانے سے ان کو بڑا افسوس ہوا۔ لیکن وہ حجاج کی مجبوری کو خوب جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ وہ خاموش ہو کر رہ گئے تھے۔

پھر بھی انھوں نے کوشش کی کہ جو لوگ لشکر میں شامل کر لیے گئے ہیں ان میں سے کوئی انکار کر دے۔ مگر تمام لشکر میں سے ایک بھی ایسا شخص نہ نکلا۔ اگرچہ ہر شخص کو معلوم تھا کہ سندھ پر لشکر جارہا ہے جہاں لاتعداد ہندو اور بے شمار لشکر ہے زندہ بچ آنے کی توقع نہ تھی۔ مگر ذوق شہادت ان کو سفر کی تکلیفیں سہنے اور موت کے منہ میں جانے کے لیے برانگیختہ کر رہا تھا۔ "یہ لوگ تنخواہ دار نہ تھے نہ مال غنیمت کی طمع رکھتے تھے۔ محض جوش جہاد۔ خدا کی خوشنودی اور ذوق شہادت انھیں کھینچے لیے جارہا تھا۔

حجاج نے اس لشکر کے لیے تمام ضروریات فراہم کر دی تھی یہاں تک کہ سوئی اور[1]

---

[1] از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۶

دھاگے تک کا انتظام کر دیا تھا جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تب اس نے اعلان کر دیا کہ جمعہ کی نماز پڑھکر لشکر روانہ ہو گا۔

یہ اعلان چہار شنبہ کے روز کیا گیا۔ صرف ایک دن درمیان تھا۔ مگر یہ ایک دن بھی مجاہدین کے لیے شاق ہو رہا تھا۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے کوچ کر دیا جائے۔ اور اگر کسی طرح سے زمین کی طنابیں کھنچ جائیں تو وہ ایک ہی روز میں ملک ہند کے غربی حصہ پر جاکر جنگ شروع کر دیں اور یا تو وہ شہید ہو جائیں یا تمام ہندوؤں کو قتل کر کے اپنے مظلوم بھائیوں کو چھڑا لائیں اور جو لوگ اس مہم پر نہ جا رہے تھے وہ مجاہدین کی خدمت کر رہے تھے۔ ہر ہر شخص سے بار بار پوچھتے تھے کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے اور اگر کوئی چھوٹی بھی کسی چیز کی فرمائش کر دیتا تھا تو فوراً مہیا کر دی جاتی تھی۔

آخر جمعہ کا دن بھی آہی گیا۔ آج صبح سویرے ہی سے لوگ غسل کر کے کپڑے پہن کر جمعہ مسجد میں پہنچ گئے تھے۔ سارے مجاہدین بھی آگئے تھے محمد قاسم بھی آگیا۔

جب نماز پڑھی جا چکی تو حجاج مکبر پر کھڑے ہوئے اور انھوں نے بلند آواز سے کہا۔ میں اپنے بھائی مجاہدوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ سب کے سب آگے بڑھ آئیں۔

چنانچہ مجاہدین مکبر کے گرد آبیٹھے۔ حجاج نے کہا میں کوئی تقریر کرنا نہیں چاہتا اور نہ تقریر کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ صرف چند ہدایات کرنا مقصود ہیں یہ تمام مسلمان کو خوب معلوم ہے کہ جو جنگ میں شہید ہو جاتا ہے۔ وہ جنت کا حقدار بن جاتا ہے اور پروردگار عالم اپنے کلام پاک میں ارشاد

فرماتے ہیں کہ شہید مرتے نہیں ارشاد ہوتا ہے۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتاً۔ بل احیاء عند ربھم یرزقون ٥۔ ترجمہ۔ (جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو جائیں انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور پروردگار ان کو رزق پہونچاتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ شہید ہونے والے مرتے نہیں مگر ان کے خاکی جسم فنا ہو جاتے ہیں۔

غرض کہ جہاد میں شریک ہونے والے خواہ شہید ہو جائیں یا فتحیاب ہو کر لوٹ آئیں۔ دونوں صورتوں میں جنت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کی اس سے زیادہ اور کیا خواہش ہو سکتی ہے کہ جنت کا حق دار ٹھہرا دیا جائے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔

تم اس ملک میں جا رہے ہو جس میں مرد برہنہ اور عورتیں نیم برہنہ رہتی ہیں تمھیں عورتوں کی طرف مطلق توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ جو شخص عورتوں کے دام فریب میں آ گیا وہ دین و دنیا دونوں کھو بیٹھا۔

ہندوستان میں لوگ پتھروں کی مورتوں اور سونے کے بتوں کو پوجتے ہیں نہ وہ خدا کو جانتے ہیں اور نہ اسکی پرستش کرتے ہیں۔ تم ان سے دور ہی رہنا کہیں ان کی ہم نشینی تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے۔

پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھنا اور نفس امارہ کو مارنے کے لیے روزے رکھنا۔ قرآن شریف کی کثرت سے تلاوت کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے وہ اللہ سے باتیں کرتا ہے۔ اگر تم میں کسی بات پر اختلاف رائے ہو تو جس طرف کثرت ہو اس پر عمل کرنا۔

کسی گھر میں آگ لگانا کسی مسجد کو گرانا کھیتی کو پامال نہ کرنا عورتوں

بچوں بڈھوں بیماروں کو قتل نہ کرنا نہ انھیں ستانا۔ بلکہ ان کی مدد کرنا۔ ہر شخص کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آنا۔ امان مانگنے والوں کو امان دینا میں یہ باتیں مجھ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ وہ ہدایات ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق خلیفۂ اول اور حضرت فاروق خلیفۂ دوم مجاہدین کو کیا کرتے تھے بس مجھ کو اسی قدر تم سے کہنا تھا۔ اب تم جاؤ۔ اور سوار ہو کر کھڑے رہو کہ تم کو الوداع کہنے کے لیے پھر آؤں۔

تمام لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ پرزور لگایا اور اٹھ اٹھکر روانہ ہونے لگے حجاج اور محمد قاسم بھی اٹھے اور محل میں گئے۔ یہاں حجاج کی بیوی یعنی محمد قاسم کی بھاوج نہایت بے صبری سے اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی لپکی اور اسے اپنے بیٹے کی طرح سے اپنے سینے سے لگا کر پیار کیا۔ محمد قاسم کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے چچا زاد بھائی نے اس کی پرورش کی تھی۔ اور اسی لیے حجاج کی بیوی اسے بیٹا سمجھتی تھی۔

محمد قاسم اپنے کمرے میں گیا اور مسلح ہو کر واپس آیا۔ اس کی بھاوج نے پھر اسے پیار کیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ بیٹا! خدا تجھے اس مہم میں کامیاب کرے میری دعائیں تیرے ساتھ رہیں گی۔

محمد قاسم نے کہا میں آپ کو اپنی والدہ سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے بے جا ضدیں کی ہیں مگر آپ نے اور بھائی صاحب نے میری ضدوں کو پورا کیا ہے۔ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں نے ضدیں کر کر کے آپ کو تکلیفیں دی ہیں۔ میں اس وقت جہاد پر جا رہا ہوں نہیں کہا جا سکتا کہ واپس آؤں گا یا نہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اور بھائی صاحب میری

خطاؤں کو از راہ کرم معاف کر دیں۔

میرے لال! میں نے معاف کر دیا۔ اس کی بھاوج نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

حجاج کا بھی دل بھر آیا۔ اس نے کہا۔ میں نے بھی معاف کر دیا میرے بیٹے۔

اب حجاج اور محمد قاسم دونوں چلے محل سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چھاؤنی میں آئے۔ یہاں تمام لشکر تیار کھڑا تھا۔ ان کا سامان پہلے ہی سے روانہ ہو چکا تھا۔ حجاج نے خیرات تقسیم کرنا شروع کی۔ اس قدر صدقات دیئے کہ غربا مالا مال ہو گئے۔

اب حجاج نے تین نعرے اللہ اکبر کے لگائے۔ فوراً سواروں نے اسلامی علموں کے پھریرے کھول دیئے۔ جو ہوا میں لہرانے لگے اور سب نے مل کر اللہ اکبر کا فلک بوس نعرہ لگایا اور نعرہ لگاتے ہی لشکر نے حرکت شروع کی اور سوار آہستہ آہستہ سے بڑھنے لگے۔

نعرہ کی آواز سنتے ہی تمام پہرہ والوں کو لشکر کی روانگی کی اطلاع ہو گئی اور وہ دوڑ دوڑ کر ان کی زیارت کرنے کیلئے آنے لگے۔ حجاج نے محمد قاسم سے کہا۔ دیکھو! تم یہاں سے ایران کی سرحدیں سے ہوتے ہوئے شیراز جانا وہاں دو روز قیام کر کے مکران میں داخل ہونا اور مکران کو عبور کر کے دیبل کے سامنے جا پہونچنا وہاں جا کر اس وقت تک ٹھہرنا جب تک کہ میں جہاز کو نہ بھیجوں اور وہ جہاز تمہارے پاس پہونچیں

میں نے یہ انتظام کر دیا ہے کہ جہاں تک تمہارا لشکر جائے دو دو سوار ہر پانچ میل کے فاصلہ پر ٹھہرے رہیں اور جب تم خط بھیجو تو ان میں سے ایک سوار

وہیں رہے اور دوسرا سوار دوڑ کر دوسری چوکی والے کو خط دیدے اور دوسرا تیسری والے کو غرضیکہ وہ خط دست بدست ہوتا ہوا میرے پاس پہونچ جائے اور اسی طرح سے میرا خط تمہارے پاس پہونچتا رہے تم روزانہ تمام حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔

محمد قاسم نے بہت اچھا کہا۔ اور سلام کر کے روانہ ہوگیا۔ یہ لشکر جس راستہ سے بھی گذرا۔ مرد اور بچے خوش ہو ہو کر نعرے لگاتے رہے اور عورتیں پھولوں کی بارش کرتی رہیں۔ آخر بصرہ سے نکل کر شیران اسلام ایران کی طرف روانہ ہوئے۔

تیرھواں باب

"غمگین قیدی"

بدسرشت راجہ داہر طاہرہ کو الور لے کر پہونچ گیا تھا۔ اس نے تمام راستہ اسے پھسلانے اور ورغلا کر اسے ہموار کرنے کی کوشش کی تھی مگر طاہرہ نے اس سے بات تک نہ کی تھی۔ راجہ داہر عربی زبان سے بالکل ناواقف تھا اور طاہرہ کی مادری زبان عربی ہی تھی مگر وہ کئی سال سراندیپ میں رہی تھی اس لئے ہندوؤں کی زبان سے بھی واقف ہوگئی تھی اور بڑی فصاحت سے اس زبان میں بھی گفتگو کر سکتی تھی۔ مگر راجہ داہر سے اسے نفرت تھی اور نہ صرف داہر سے بلکہ ہر ہندوستانی سے اس لئے وہ ان میں سے کسی سے بھی بات تک نہ کرتی تھی۔

جب وہ الور پہونچا تو اس نے طاہرہ کو راج محل کے ایک پر لطف کمرے

میں جا ٹھہرایا اور کئی ایک کنیزیں اس کی خدمت پر مامور کر دیں نیز ایک بڑھیا کو بھی اسے سمجھانے یا بہکانے پر مقرر کر دیا۔

اسی دوران میں حجاج کا سفیر ہارون آیا اور راجہ نے اسے نہایت مغرورانہ جواب دیکر رخصت کر دیا۔ غم نصیب طاہرہ کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی اور اگر خبر بھی ہوتی تب بھی وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ اسے راج محل سے باہر آنے کی اجازت نہ تھی۔

داہر نے اس کے لئے بیش بہا جواہرات کے زیورات اور بلبیوں لہنگے ساڑھیاں اور شلوکے بھیج دیئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سے اسے اپنا ممنون بنا کر اپنے ڈھب پر لگائے لیکن وہ نہ جانتا تھا۔ کہ مسلمان عورت یا مرد۔ لڑکا ہو یا لڑکی حریص نہیں ہوتے اور کسی قیمت پر بھی اپنی آبرو نہیں دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت کا جوہر اس کی آب عصمت ہی ہے شریف عورتیں مر جاتی ہیں۔ لیکن عصمت پر دھبہ نہیں آنے دیتیں عصمت مآب عورتوں سے خدا اور خدا کا رسول خدا کے فرشتے سب خوش رہتے ہیں۔ اور دنیا ان کو عزت سے دیکھتی ہے۔ اور جو عورتیں عصمت جیسا نایاب گوہر کھو دیتی ہیں ان سے خدا اور اس کا رسول ناخوش ہو جاتے ہیں۔ اور فرشتے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

دنیا الگ ان کو بری نظروں سے دیکھتی ہے۔ بلکہ وہ خود بھی اپنی نظروں میں حقیر ہو جاتی ہیں۔ طاہرہ پیکر عصمت تھی وہ جواہرات موتیوں. گوہر اور لعل و یاقوت کو اپنی عصمت کے سامنے بے حقیقت سمجھتی تھی۔

چنانچہ اس نے نہ زیورات کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہ کپڑوں ہی

کی طرف نظر بھر کر دیکھا۔ ہر چند کنیزوں نے اسے سمجھایا۔ اسے کپڑے بدلنے اور زیورات استعمال کرنے کے لئے کہا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اور نہایت استقلال سے اس انکار پر ڈٹی رہی۔

وہ ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا کبھی پسند نہ کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ تمام ہندو بتوں کی پرستش کرتے ہیں، مشرک ہیں۔ خدا کی کوئی بھی پوجا نہیں کرتا اور پروردگار عالم مشرکوں کو نجس قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (مشرک ناپاک ہیں) ناپاک شخص کی تیار کی ہوئی چیز بھی ناپاک ہوتی ہے۔

اس لئے اس کا جی ان کے ہاتھوں سے تیار کی ہوئی چیزوں کے کھانے کو نہ چاہتا تھا۔ لیکن وہ مجبور تھی۔ اگر اسے خشک راسد دے دی جائے تو وہ خود تیار کر لیا کرتی ہے مگر خشک چیزیں اسے نہ دی جاتی تھیں اور وہ بالامر مجبوری بڑی کراہت کے ساتھ ان کے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا کھاتی تھی

راجہ داہر کے محل میں آکر بھی اس نے ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ ہونے دی۔ جب نماز کا وقت ہوتا وضو کر کے نماز پڑھ لیتی۔ باندیاں اسے حیرت سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتیں۔

جب کئی روز ہو گئے اور طاہرہ داہر کی مرضی پر چلنے کو تیار نہ ہوئی تو اس نے رانی لادی کو اسے ہموار کرنے کیلئے آمادہ کیا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ رانی لادی نہایت نیک جو اور صاف گو اور اس کے ساتھ نہایت خوبصورت بھی تھی۔

وہ طاہرہ کے ہم عمر تھی۔ ایک روز وہ بیش قیمت پوشاک اور لاکھوں روپئے کی مالیت کے زیورات پہن کر طاہرہ سے ملنے کے لئے گئی اس نے

پہلے طاہرہ کو نہ دیکھا تھا۔ البتہ سنا ضرور تھا۔ کہ اس کے پتی (شوہر) ایک مسلمان لڑکی کو لائے ہیں۔ اور اسے انواس (شاہی محل) میں ٹھہرایا ہے۔

چونکہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اکثر سندھ کی حسین لڑکیاں راج محل میں داخل ہوتی رہتی تھیں اس لئے اسے کچھ تعجب نہ ہوا۔ جب وہ طاہرہ کے کمرے کے قریب پہونچی تو اس نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ رانی لادی تو کیا کسی ہندو نے بھی اس وقت تک کسی مسلمان کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی اور وہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی اور متعجب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

اس نے باندیوں سے دریافت کیا یہ کیا کر رہی ہے؟

ایک باندی نے جواب دیا۔ نماز پڑھ رہی ہے۔

لادی نے حیرت سے باندی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نماز کیا؟

باندی۔ خدا کی عبادت کر رہی ہے۔

لادی۔ واہ وا! اور اس کے آگے نہ پتھر کا خدا ہے نہ سونے کا۔ جب کوئی مورتی ہی نہیں ہے تو یہ سجدہ کسے کر رہی ہے۔

باندی۔ حضور یہ مسلمان ہے مورتی پوجن دھتا یہ ستی کو برا بتاتی ہے۔

لادی۔ اس لئے اس سے دیوی اور دیوتا ناراض ہو گئے ہیں۔ اور اسے قید و بند کی تکلیفیں اٹھانے کے لئے یہاں بھیج دیا ہے۔

چونکہ باندی طاہرہ کے پاس رہتی تھی اس لئے وہ خدا ایک ہستی کے متعلق بہت کچھ واقف ہو گئی تھی اور جب صبح کے وقت طاہرہ قرآن شریف پڑھتی تھی تو وہ اور اس کے ساتھ دوسری تمام باندیاں نہایت سکون سے بیٹھ کر

سنا کرتی تھیں۔

باندی نے کہا۔ حضور یہ صبح کے وقت کچھ پڑھا کرتی ہے جو کہ نہایت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

لاڈی۔ کیا پڑھا کرتی ہے۔

باندی۔ یہ کہتی تھی کہ وہ خدا کا کلام ہے اس کا نام قرآن شریف ہے

لاڈی نے ہنس کر کہا۔ ان مسلمانوں کو یہی خبط ہے۔ میں بھی کسی روز ضرور سنوں گی۔

اب طاہرہ نماز پڑھ چکی جب وہ دعا مانگ کر اٹھی اور اس نے لاڈی کو دیکھا تو حیران رہ گئی۔

حیرت کی بات بھی تھی۔ رانی لاڈی نے اپنی لمبی لمبی زلفوں کے ہر بال میں چھوٹے چھوٹے سچے موتی جو بالکل سفید تھے پروئے ہوئے تھے اور جواہرات کے چھوٹے بڑے ہار گلے سے لے کر ناف تک پہنے ہوئے تھے یعنی یہ ہار چھوٹے اور پھر بڑے اس قدر تھے کہ اس کی صراحی دار گردن گداز سینہ اور سارا پیٹ ان سے ڈھکا ہوا تھا۔

اس کے بازو برہنہ تھے۔ ان میں بھی بازو بند اور دوسری چیزیں بندھی ہوئی تھیں یہ تمام زیورات نہایت خوشنما ساڑھی کے اوپر تھے۔ ایک تو رانی لاڈی تھی ہی حسین دوسرے اچھی پوشاک اور چمکدار زیورات پہنے تھی واسطے اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھی۔

جواہرات کی نمو سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا اس کی آنکھیں رسیلی تھیں۔ وہ طاہرہ کی طرف مسکراتے ہوئے بڑھی طاہرہ ابھی تک آئینہ دار حیران کھڑی تھی ایک باندی نے طاہرہ نے کہا۔ مسلمان کیا مسلمان لڑکی

یہ سب سے چھوٹی رانی ہے تم سے ملنے کے لئے آئی ہے۔

طاہرہ بھی اس کی طرف بڑھی اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ رانی صاحبہ خوش آمدید! لادی اس کے قریب پہونچکر رکی اور اسے نہایت غور سے دیکھنے لگی طاہرہ جو کپڑے پہن کر راج محل میں آئی تھی۔ ابھی تک وہی کپڑے پہنے ہوئے تھی۔

اگرچہ کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ مگر ان مل گجے کپڑوں میں بھی وہ بیحد حسین معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے پریشان گیسو پیشانی اور گالوں پر بکھرے پڑے تھے۔ اور ان سیہ بالوں نے اس کی صورت کو اور چمکا دیا تھا۔

لادی نے طاہرہ سے کہا۔ اے تندرست صورت والی لڑکی! میں تجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہوں۔

طاہرہ نے کہا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کی زیارت ہو گئی!

لادی۔ سندری (حسینہ) تجھے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔

طاہرہ۔ رانی صاحبہ! یہ تکلیف کیا کم ہے کہ مجھے پریشان کیا جاتا ہے۔

طاہرہ کے لئے کئی مسندیں فراہم کی گئی تھیں جن میں کچھ کمرے کے اندر اور کچھ باہر ہر وقت بچھی رہتی تھیں۔ مگر وہ خدا کی بندی ان مسندوں پر نہ بیٹھتی تھی بلکہ معمولی چادریں بچھا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔

رانی لادی بڑھ کر ایک مسند پر تکیہ کے سہارے سے بیٹھ گئی۔ اس نے طاہرہ سے کہا۔ آؤ تم بھی میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ مسند کے پاس ایک چادر پر بیٹھتے ہوئے طاہرہ نے کہا۔ ہم مسلمان ان تکلفات کو پسند نہیں کرتے۔

لادی۔ تمہارا کیا نام ہے سندری؟

طاہرہ۔ میرا نام طاہرہ ہے۔

لادی۔ تم کیسے یہاں آگئیں۔

طاہرہ نے افسردگی کے لہجہ میں کہا۔ قسمت کھینچ لائی اس کے بعد اس نے مختصر طور پر اپنا تمام واقعہ سنادیا۔ لادی نے دلدہی کرتے ہوئے کہا۔ کچھ فکر نہ کرو......

طاہرہ نے قطع کلام کرتے ہوئے آہ سرد بھر کر کہا۔ فکر کرنے ہی سے کیا ہوتا ہے۔ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے جو کچھ جس کی قسمت میں لکھدیا ہے اسے وہ پیش آتا ہے۔

لادی۔ بالکل ٹھیک خیال ہے تمہارا......... طاہرہ! تمہارے کپڑے میلے ہو رہے ہیں۔

طاہرہ۔ کیا کروں میرے پاس اور کپڑے کہاں ہیں؟ جو بدل لوں۔

لادی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تمہارے لئے کپڑے نہیں بھیجے گئے؟ باندی نے کہا حضور بیسیوں ساڑھیاں اور شلوکے ایک سے ایک اچھے رکھے ہیں۔ مگر یہ بدلیں بھی

لادی نے طاہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیوں نہیں پہن لیتی ہو تم؟

طاہرہ۔ میں مسلمان ہو کر غیر مسلموں کے سے کپڑے کیسے پہن لوں۔

لادی۔ کیا برائی ہے اس میں۔

طاہرہ۔ مسلمانوں کو ممانعت کی گئی ہے کہ وہ کفار کی وضع قطع اختیار نہ کریں نہ ان کا لباس پہنیں۔

لادی۔ پھر تمہارے لئے کیا انتظام کیا جائے؟

طاہرہ۔ اگر مجھے کپڑے دے دیئے جائیں تو میں خود سی لوں۔

لادی۔ اچھا! میں کپڑے بھیج دوں گی۔

اب آفتاب غروب ہونے لگا تھا۔ رانی لادی اٹھی اس نے طاہرہ سے کہا طاہرہ! مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے میں چاہتی ہوں کہ تم میرے پاس ہی رہو۔

طاہرہ۔ ایک شرط ہے۔

لادی۔ وہ شرط کیا ہے۔

طاہرہ۔ اقرار کرو۔ کہ تم مجھ کو دھوکہ نہ دو گی۔

لادی۔ اقرار کرتی ہوں کہ کبھی تم کو دھوکہ نہ دوں گی۔

طاہرہ۔ مجھے منظور ہے۔

لادی۔ بس تو پھر آؤ ابھی چلو۔

طاہرہ۔ چلئے۔

لادی نے باندی سے کہا۔ تم اس کا تمام سامان کپڑے اور زیور رات کے سب وہیں لے آؤ۔ باندی نے سر جھکا کر کہا۔ بہت اچھا! اب رانی لادی طاہرہ کو لے کر اپنے کمروں کی طرف روانہ ہوئی۔

چودھواں باب

"راجہ نیرون"

محمد قاسم اچھ ہزار شیران اسلام کو ساتھ لے کر روانہ ہوا تھا۔ حجاج نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ خشکی کے راستہ سے ایران ہو کر مکران اور پھر وہاں سے دیبل پہونچے اور سمندر کے کنارے پہ ٹھہر کر ان جہازوں کے آنے کا انتظار کرے جن میں منجنیقیں آنے والی ہیں۔

چنانچہ محمد قاسم عراق سے گذر کر ایران میں پہونچا اور کئی روز شیراز میں

ٹھہرا۔ جب مجاہدوں نے آرام کر لیا تو وہ وہاں سے روانہ ہوا اور مکران میں پہنچ گیا۔

مکران میں بھی ایک اسلامی گورنر رہتا تھا۔ گویا اس طرف مکران ہی سرحدی صوبہ تھا۔ یہاں کے گورنر کو اس لشکر کے آنے کی پہلے ہی سے اطلاع ہو چکی تھی اور اس نے دیبل تک رسد بہم پہونچانے کا انتظام کر دیا تھا۔

جب اسلامی لشکر مکران میں آیا تو گورنر محمد قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تمام مجاہدین کی بڑی خاطر مدارات کی کئی منزل تک وہ اس لشکر کے ساتھ ساتھ آیا۔

آخر سرحد پر آکر رخصت ہو گیا۔ اب اسلامی لشکر ارمابیلہ کی طرف بڑھا ان شیران اسلام کی آمد کی خبر ارمابیلہ، دیبل۔ نیرون وغیرہ میں عام ہو گئی ارمابیلہ ہی سے سندھ کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک قلعہ تھا اور اس قلعہ میں داہر کی طرف سے ایک حاکم رہتا جو کہ سرحد کی حفاظت پر مامور تھا۔

جس وقت اسے اطلاع ہوئی کہ مسلمانوں کا لشکر انتقام لینے کیلئے بڑے جوش و خروش سے آرہا ہے اس پر غازیان اسلام کا رعب طاری ہو گیا۔ اور جب کہ ابھی اسلامی لشکر دور ہی تھا۔ وہ تمام لشکر اور ساری رعایا کو وہاں سے لے کر بھاگ کھڑا ہوا

جب شیران اسلام ارمابیلہ کے قلعہ کے سامنے پہونچے تو انھوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ انھیں کیا خبر تھی کہ قلعہ خالی پڑا ہے چونکہ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ اس لئے وہ دھوکہ میں رہے۔

مگر جب قلعہ کی فصیل پر کسی کو نہ دیکھا تو محمد قاسم کو سخت تعجب ہوا کیونکہ بھی

وہ یہ سمجھا کہ شاید قلعہ والے اسے فریب دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ کہیں کمین گاہ میں چھپے ہوئے ہوں۔

چنانچہ احتیاط کے طور پر اس نے ایک شب قلعے پر حملہ نہ کیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی کچھ لشکر لے کر حملہ کرنے کے ارادہ سے بڑھے۔ قلعہ میں تھا ہی کون جو ان کی مزاحمت کرتا۔

یہ لوگ بڑھ کر دروازے کے سامنے پہونچے محمد قاسم نے خود بڑھ کر دروازہ کو دھکا دیکر کھول دیا۔ اور اللہ اکبر کا نعرہ مار کر قلعہ کے اندر داخل ہوا پیچھے ہی لشکر بھی پہونچا۔ اندر جا کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ تمام قلعہ خالی تھا۔ نہ لشکر تھا نہ عام آدمی تھے۔ گویا کچھ بھی نہ تھا۔

محمد قاسم نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں پر ہمارا رعب طاری ہو گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔

ایک افسر نے کہا۔ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

محمد قاسم۔ یہ خدا کی مہربانی ہے اس نے یہ قلعہ بغیر خونریزی کے ہی فتح کرا دیا ہے گویا مسلمانوں پر خاص احسان کیا ہے۔

افسر۔ اور اس لئے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔

محمد قاسم :۔ بے شک۔ اچھا جاؤ۔ اب واپس چلو یہاں ٹھہرنا بے سود ہے۔

افسر چلے۔

اب تمام لشکر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ جس وقت یہ لوگ اپنے کیمپ میں پہونچے۔ اسی وقت ایک سوار حجاج کا خط لایا۔

ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ حجاج نے پانچ پانچ میل کے فاصلہ سے ایک ایک

منزل مقرر کر کے ہر منزل پر دو دو سوار متعین کر دیئے تھے جو ڈاک لاتے اور لے جاتے تھے۔

چنانچہ حجاج کے حکم کے بموجب محمد قاسم روزانہ خط بھیجتا تھا اور روزانہ حجاج کا خط آتا تھا۔ محمد قاسم اپنے خیمے کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے خط کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

میرے پیارے عزیز

جوں جوں تم دشمنوں کے ملک میں گھستے جاؤ بہت زیادہ احتیاط کرتے جاؤ۔ ہندی لوگ زیادہ چالاک ہوتے ہیں کہیں وہ تم کو یا تمہارے لشکر کو اپنی چالاکی سے کوئی نقصان نہ پہونچا دیں۔ تم دیبل کے قریب سمندر کے کنارے پر جا کر رک جاؤ اور اس وقت تک انتظار کرو جب تک وہ جہاز جن میں منجنیقیں بار ہیں تمہارے پاس نہ پہونچ جائیں۔

دیبل میں پہونچ کر وہاں کا مفصل نقشہ میرے پاس بھیجدو۔ اور میری ہدایات کا انتظار کرو۔ نیرون کے راجہ سامنی نے اپنی سفارت بھیجی ہے اور اس نے مصالحت کر لی ہے۔ تم کو اس کی اطلاع اس لئے دی جاتی ہے کہ جب دیبل فتح کر کے تم نیرون کی طرف بڑھو تو احتیاط رکھو کہ اس کی حدود سلطنت میں کسی کو قتل نہ کرو اور نہ اس کے قلعہ پر حملہ کرو۔

اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ نیرون سے سوستان تک ہر منزل میں تمہارے اور تمہارے لشکر کے لئے رسد کا انتظام کر دے گا۔ اس شرط پر اس سے مصالحت کی گئی ہے۔

نماز ایک وقت کی بھی قضا نہ ہونے دینا دعائیں مانگتے رہو۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (سوائے خدا کے اور کسی کو کوئی طاقت نہیں ہے) کی تسبیحیں پڑھو۔

خدا سے فتح کی توقع رکھو۔ انشاء اللہ خدا ضرور فتح دے گا اور تمام مجاہدوں سے میرا سلام کہہ دو۔

حجاج

محمد قاسم نے اسی وقت تمام لشکر کو جمع کر کے حجاج کا خط سنا دیا اور فوراً جواب لکھ کر بھی بھیجدیا۔ اگلے روز یہ لشکر ارمابیلہ سے روانہ ہو گیا۔

چونکہ اب وہ دشمنوں کے ملک میں بڑھ رہے تھے اس لئے بموجب فرمان خلیفہ ہر ممکن احتیاط سے کام لیا جا رہا تھا۔ کہ ہر منزل میں لشکر کے پہونچنے سے پہلے رسد کے چھکڑے پہونچ جاتے تھے۔ اور اس سے اسلامی لشکر کو بڑا آرام پہونچتا تھا۔ ارمابیلہ سے آگے بڑھ کر ایسا جنگل شروع ہوا جس میں اس کثرت سے درخت کھڑے تھے کہ ان کے نیچے ہر وقت اندھیرا رہتا تھا اور ہزار کوشش کرنے پر بھی آفتاب کی شعاعیں زمین تک نہ پہونچتی تھیں۔

چونکہ راستہ اسی جنگل میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس لئے درختوں کو کاٹ کر راستہ بنانا پڑتا تھا۔ اور اس وجہ سے لشکر کے کوچ کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ مگر مجاہدین اسلام کو ایسا جوش تھا کہ وہ درختوں کو گراتے اور راستہ کو صاف کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

کہیں کہیں انھیں آبادی بھی ملی۔ مگر بالکل ویران۔ اور ایک متنفس تک بھی اس میں آباد نہ تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے آنے کی سنتے ہی بھاگ گئے تھے۔ اور آبادیوں کو ویران کر گئے تھے۔

اس دشوار گزار جنگل کو طے کر کے یہ لوگ کھلے ہوئے میدان میں پہونچے۔ چونکہ اب عصر کا وقت ہو گیا تھا اس لئے وہاں انھوں نے قیام کر دیا۔ جب کہ خیمے نصب کئے جا رہے تھے اس وقت چند ہندو سوار گھوڑے دوڑائے آتے نظر آئے تمام مسلمان ان کو دیکھنے لگے ان میں سے ایک بیش قیمت زیورات پہنے ہوئے تھا ـــ اور باقی معمولی دھوتیاں کسے ہوئے تھے جب وہ قریب آئے تو ان میں سے ایک شخص نے دریافت کیا۔ تمہارا سردار کہاں ہے؟ لوگوں نے محمد قاسم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سوار اس کی طرف بڑھے۔

اس عرصہ میں محمد قاسم نے فرش کرا لیا تھا۔ سوار اس کے قریب جا کر رکے اور گھوڑوں سے اتر کر فرش پر جا بیٹھے۔ وہ حیرت سے محمد قاسم کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا سردار کوئی معمر شخص ہو گا۔ معمر نہ بھی تو ادھیڑ عمر کا ضرور ہو گا لیکن جب دیکھا تو وہ ایک نو عمر لڑکا تھا۔ آنے والوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ کیا آپ ہی اس لشکر کے سردار ہیں؟ محمد قاسم نے جواب دیا۔ میں سردار نہیں بلکہ اس لشکر کا خادم ہوں۔

وہی شخص ـ یہ ہمارے راجہ سامنی ہیں۔ نیروں کے راجہ انھوں نے آپ کے دالسرائے حجاج سے صلح کر لی ہے۔ شاید آپ کو ابھی یہ باتیں نہ معلوم ہوئی ہوں۔

محمد قاسم ـ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔

اب سامنی نے کہا۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کو یہ بتا دوں کہ دیبل پر داہر نے کافی لشکر بھیج دیا ہے اور تو وہ قلعہ ہی نہایت مضبوط ہے دوسرے لشکر زیادہ آ گیا ہے۔ اس لئے اس کا فتح ہونا آسان نہیں ہے

اس کے علاوہ وہ اس فکر میں ہیں کہ شب خون مار کر آپ کے لشکر کو سراسیمہ اور پراگندہ کر دیا جائے۔ لہذا آپ کو ہوشیاری سے کام لینا چاہیے۔

محمد قاسم۔ میں آپ کی اس اطلاع دہی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

سامنی۔ مجھے راجہ داہر نے طلب کیا ہے اور میں وہاں ضرور جاؤں گا غالباً اس نے اپنے تمام محکوم راجاؤں کو مدعو کیا ہے۔ اغلب ہے کہ اس کا ارادہ تمام راجاؤں کا لشکر فراہم کر کے انقطاعی جنگ کرنے کا ہے۔

محمد قاسم۔ اسے اپنے لشکر پر بھروسہ ہے اور ہمیں خدا پر۔

سامنی۔ اصل بھروسہ صرف خدا ہی کا ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔

محمد قاسم۔ انشاء اللہ

سامنی۔ میں شکار کھیلنے کے بہانے سے آیا تھا۔ آپ سے ملنا چاہتا تھا مل لیا اب اجازت دیجئے۔

محمد قاسم۔ آج قیام کرتے تو اچھا تھا

سامنی۔ اس وقت مناسب نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ جیسے آپ کی مرضی۔

سامنی اٹھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہمراہی بھی اٹھے وہ محمد قاسم کو سلام کر کے چلے گئے۔ رات کو ٹھہر کر دوسرے روز صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی مسلمانوں نے دیبل کی طرف کوچ کر دیا۔

پندرھواں باب

"مسلم قیدی کی جرأت"

مظلوم و بے کس قیدیوں کو برج کے تہ خانہ میں بند کر دیا گیا تھا اور ابی کو ان کی حفاظت و نگرانی تفویض کر دی گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ابی نیک دل انسان تھا۔ لیکن پنڈت تھا۔ اور پنڈت و اعلیٰ طبقہ کے ہندو شودروں اور اچھوتوں (نیچ ذاتوں بھنگی، چمار، کوری، دھوبی وغیرہ) سے اس درجہ بچتے تھے کہ کیا مجال جو ان کا سامنا بھی ہو جائے۔

اگر کوئی پنڈت یا کوئی معزز ہندو کسی راستہ سے گذرتا ہوتا اور اتفاق سے کوئی اچھوت بھی آ نکلتا تو اچھوت کے لئے لازم تھا کہ وہ راستہ چھوڑ کر اتنی دور جا کھڑا ہو کہ اس کی صورت اچھی طرح سے نظر نہ آئے اور پنڈت کی طرف سے اپنی پشت کر لے۔ منہ اس کی طرف نہ کرے اور جب وہ گذر جائے تب خود چلے اگر کوئی بدبخت اچھوت اس کے برخلاف کرتا تھا۔ تو اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔ ہندو اور پنڈت مسلمانوں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور اس وقت بھی سمجھتے ہیں۔ کیا مجال ہے کہ کوئی مسلمان کسی ہندو کے برتن یا کھانے پینے کی چیز کو چھو دے۔

برادران وطن کا یہ سلوک قابل غور ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس درجہ ذلیل سمجھتے تھے۔ لیکن ان کا یہ سلوک صرف مسلمانوں ہی سے نہ تھا۔ وہ آپس میں بھی چھوت چھات کو روا رکھتے تھے ظاہر ہے کہ جو اپنے ہم وطن اور اعزہ و اقربا سے بھی اس طرح کا سلوک کرے وہ اگر باہر سے آئی ہوئی ایک

قوم کے افراد کے ساتھ ایسا کرے تو مورد الزام نہیں گردانا جا سکتا۔ ہندوستان میں جو رسم ورواج جاری تھے وہ ایسے ہی تھے۔ یہاں اونچ نیچ کا فرق بہت تھا۔ عرب میں بھی مساوات نہ تھی یہ تو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے کہ آپ نے تمام انسانوں کو مساوات کا سبق دیا۔ ایک ہی صف میں اعلیٰ اور ادنیٰ کو کھڑا کر دیا۔ بادشاہ اور فقیر میں فرق ہی نہ رہا۔ خاندانی شرافت اور نجابت کا معیار اعمال پر قائم کیا گیا۔ اس طرح جہالت کی یہ رسم رفتہ رفتہ اسلامی تعلیم سے ختم ہو گئی لیکن ہندوستان میں اس وقت ایسا کوئی مصلح نہ تھا۔ یہاں تو یہ عالم تھا کہ باپ بیٹے کا پکایا نہ کھا سکتا تھا۔ اونچ نیچ تو دوسری بات ہے۔ ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھرانے میں چھوت چھات جائز درا تھی۔ تو پھر مسلمانوں سے کیسے نہ ہوتی لیکن مسلمان روشن خیال تھے وہ یہاں یہ بتا نا چاہتے تھے۔ کہ ہم متعصب نہیں۔ ہم اونچ نیچ کے قائل نہیں۔ وہ بلا تکلف برادران وطن سے سودا خریدتے تھے ان کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے یہ بات آج بھی دیکھی جا سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان تجارت میں ترقی نہ کر سکے۔ اگر وہ بھی چھوت چھات برتنے لگتے تو ان کی تجارتیں بھی آج ترقی پر ہوتیں۔ انھوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ سودا خریدیں تو مسلمان ہی سے خریدیں مسلمانوں کی یہ رواداری عام ہے۔ آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

چونکہ ابی بھی ایک پنڈت تھا۔ اس لئے وہ بھی مسلمانوں سے اسی طرح سے پرہیز کرتا تھا۔ جیسے کہ وہ بھنگیوں اور چماروں سے پرہیز کرتا تھا۔ مگر باوجود اس کے بھی وہ مسلمانوں کے ساتھ نہایت لطف و مہربانی

سے پیش آتا تھا۔ اور ان کو حتی الامکان کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتا تھا لہذا مسلمان بھی اس کے ممنون و مشکور تھے۔

جب ایک روز وہ مسلمانوں کے پاس پہونچا تو اس نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک طرف نہایت سکون سے بیٹھ گیا۔ اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تب اس نے کہا۔

یہ تمہارے نماز پڑھنے کا طریقہ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے آخر تم کسے سجدہ کرتے ہو۔؟

ان میں سے ایک بڈھے کا نام زید تھا۔ اس نے کہا۔ ہم خدائے لم یزل کو سجدہ کرتے ہیں۔

ابی۔ مگر خدا کی صورت یا تصویر کہاں ہے؟

زید۔ چونکہ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اس لئے اس کی شبیہہ کون بنا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خدا مجسم نہیں ہے اور وہ ایک پیکر نور ہے۔

ابی۔ ہم لوگ اسی وجہ سے خدا کی مورت سامنے رکھ کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔

زید۔ لیکن کیا کوئی شخص وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ خدا ایسی ہی صورت کا ہے جیسی کہ تصویریں تم نے بنائی ہیں۔؟

ابی۔ ہمارے بزرگوں نے دیکھا ہی ہوگا۔

زید۔ سنو خدا کو کسی نے نہیں دیکھا ہے نہ خاکی پتلوں کی اس قدر مجال ہے کہ وہ ان ظاہری آنکھوں سے اسے دیکھ سکیں۔ خدا کی ایسی صورت نہیں ہے جیسی کہ تم نے یا تمہارے بزرگوں نے بنائی ہے۔ یہ سب خیالی تصویریں ہیں

اور محض اپنے نفس کو دھوکہ دینے کیلئے گھڑی گئی ہیں۔

ابی۔ خیر میں مذہبی مباحثوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میں صرف ایک بات کہنے کے لیئے حاضر ہوا ہوں۔

زید۔ کیا؟

ابی۔ معلوم ہوا ہے کہ اسلامی لشکر کسی لڑکے کی سرکردگی میں خشکی کے راستے سے آرہا ہے۔

یہ بات سن کر تمام مسلمانوں کے چہرے فرط مسرت سے چمک اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبانوں سے نکلا۔ خدا کا شکر ہے .... ہماری توقعات شرمندہ تکمیل ہو گئیں۔

ابی نے حیرت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیا۔ کیا تم کو یقین تھا کہ مسلمان یورش کریں گے۔

زید۔ ایسا ہی جیسا کل صبح آفتاب کے نکلنے کا۔

ابی۔ کس وجہ سے یقین تھا؟

زید۔ اس لیئے کہ ہم مسلمان یہاں قید میں پڑے ہیں۔

ابی۔ گویا وہ تم کو رہائی دلانے کیلئے آرہے ہیں۔

زید۔ اس کے سوا ان کے آنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

ابی۔ خیر وہ کسی وجہ سے آرہے ہوں۔ مگر آرہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ لشکر بہت کم ہے۔

زید۔ کس قدر ہے۔

ابی۔ معلوم ہوا ہے کہ صرف چھ ہزار ہے۔

زید۔ اس ملک کیلئے اتنا لشکر کافی ہے۔

ابی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ سب نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ ان کو سمنی اور اس کے ساتھ سپاہی ننگی تلواریں لئے آتے نظر آئے۔

ابی ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ سمنی اس جگہ آ کر کھڑا ہوا جہاں ابی کھڑا تھا اور سپاہی اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

سمنی نے کہا۔ مسلمانوں! اب تمہاری موت کا وقت آگیا ہے تم کو رہائی دلانے کے لئے بے وقوف مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے اور اس نے ارمابیلہ پر قبضہ کر لیا ہے یہ جنگ محض تمہاری وجہ سے ہونے والی ہے۔ اس لئے میں نے طے کر لیا ہے کہ آج تمہارا خاتمہ کر دوں۔

زبیر نے کہا۔ جب کسی کے دن خراب آتے ہیں تو اسے الٹی الٹی سی تدبیریں سوجھنے لگتی ہیں تم خوب جانتے ہو کہ یہ لشکر جو آ رہا ہے اس کا مقصد ہم کو رہائی دلانا ہے۔ اگر جنگ میں کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو ہماری موجودگی تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے سود مند ہو گی۔ اور اگر تم نے ہم کو قتل کر ڈالا۔ اور مسلمانوں کو اس بات کا علم ہو گیا تو یاد رکھئے گا کہ وہ ہمارا انتقام لینے کے لئے تمہارے ہر سرد کو قتل کر ڈالیں گے۔

سمنی قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس نے کہا۔ اطمینان رکھو اس بات کی نوبت ہی نہ آئے گی کیونکہ لشکر تو صرف چھ ہزار ہی ہے۔

اسلم نے جوش میں آ کر کہا۔ یہ چھ ہزار کم سے کم تمہارے ساٹھ ہزار لشکر کے لئے کافی ہے۔

سمنی نے نفرت اور غصہ کی نگاہوں سے اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا......

ساٹھ ہزار کو؟ .... میں بتاتا ہوں کہ اس لشکر کو تو ہماری موت

کے گھاٹ اتار دوں گا۔

اسلم نے حقارت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ تم ؟ . . . . جو کہ محض اس وجہ سے اکڑتے ہو کہ ہم نہتے اور تمہارے قیدی ہیں۔ اگر تم مرد ہو اور بہادری کا دعویٰ ہے تو صرف ایک تلوار دے دو اور پھر تم معہ اپنے ان تمام سپاہیوں کے اکیلے مجھ پر حملہ کر دو۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو سمجھ لینا کہ شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

سمنی۔ خوب جوش آرہا ہے تم کو! مگر یہ تمہارا جوش ابھی سرد کر دیا جائے گا۔

اس نے سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دلیر دہرہ ٹوٹ پڑو اور ان سب کا خاتمہ کر دو۔

ابی نے کہا۔ لیکن حضور! میری ایک بات سن لیجئے۔

سمنی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کیا؟

ابی۔ یہ لوگ ہمارے قیدی ہیں۔ ہم کو ان پر تمام و کمال دسترس ہے جب چاہیں گے ان کو قتل کر ڈالیں گے۔ مگر . . . . اسلامی لشکر حملہ کرنے اور انہیں رہائی دلانے کیلئے آرہا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ فیصلہ تک ان کو زندہ رکھا جائے۔

سمنی نے بگڑ کر کہا۔ ایک پنڈت سے سوائے ایک بزدلانہ مشورہ کے اور کیا امید ہو سکتی ہے (اسلم کی طرف اشارہ کر کے) مگر اس بے ہودہ نوجوان نے میری توہین کی ہے۔ اور اس لئے میں۔ ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

(سپاہیوں سے) ہاں بڑھو اور سب سے پہلے ان کے بچوں کو قتل کرنا

شروع کردو تاکہ ان کے سینے میں اولاد کے داغ پڑ جائیں۔

سپاہی بڑھے عورتوں نے اپنے بچوں کو سینوں سے لگا کر پیار کیا ایک کم سن عورت نے کہا۔ خدا آزمائش لے رہا ہے ایمان کے امتحان کا وقت قریب آ گیا ہے۔ بچوں والیوں! دیکھو کہیں اس وقت تمہارے قدم لڑکھڑا نہ جائیں۔

تمام عورتوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ حسرت بھری نظروں سے اپنے معصوم بچوں کو دیکھ رہی تھیں۔ بچے بھی بھولی صورت بنائے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایک جوان عورت نے اپنے بچے کو بھینچ بھینچ کر پیار کرتے ہوئے کہا بیٹا اسلام قربانی چاہتا ہے جاؤ اور اپنے خون سے اسلام کے درخت کو سینچو۔

فوراً ہی تمام عورتوں نے اپنے اپنے بچوں کو اپنے سینوں سے الگ کرتے ہوئے کہا معصوم ننھو! جاؤ۔ اپنے سر کٹا کر اسلام کی عزت رکھو۔

یہ کہتے ہی کہتے بعض عورتوں کے آنسو نکل آئے اور وہ منہ پھیر پھیر کر رونے لگیں۔

حقیقت میں بڑا کٹھن وقت تھا۔ نہایت سخت امتحان ہو رہا تھا۔ بچے پیچھے گئے اور ایک قطار میں جا کھڑے ہوئے۔ سپاہی ان کے سامنے پہونچ گئے انھوں نے تلواریں بلند کیں۔

عورتوں کے دل دہل گئے۔ اور فرط رنج و قلق سے ان کے کلیجے سینوں سے نکلنے لگے ان سے خونفشانی منظر نہ دیکھا گیا انھوں نے آنکھوں کو بند کر لیا۔

لیا۔ یہ دیکھ کر مردوں کو بڑا غصہ آیا خصوصاً اسلم کو۔

اس نے ایک کو ایک سپاہی کے گھونسہ مارا۔ وہ چکرا کر گرا اس نے جلدی سے تلوار چھین لی اور ڈپٹتے ہوئے کہا۔ خبردار پیچھے ہٹ جاؤ۔

سپاہی ڈر کر فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ یہ تمام کارروائی اس قدر جلد ہوئی۔ کہ سمنی اور اس کے سپاہی اس وقت سمجھے کہ جب اسلم تلوار کھینچ کر ان کے سامنے آگیا۔ سپاہیوں کے ہٹتے ہی اسلم نے سمنی سے کہا۔

مغرور انسان اگر اپنی زندگی چاہتا ہے تو ان شیطان خصلت سپاہیوں کو حکم دے کہ یہ چلے جائیں۔

سمنی اس کے تیور دیکھ کر سمجھ گیا۔ کہ اگر اس نے فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو وہ اس پر حملہ کر دے گا۔

اس لئے اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ اچھا۔ ابھی تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ سپاہی اس کے پیچھے اکھڑے ہوئے۔ سمنی نے اسلم سے کہا۔

نوجوان! اب تم تلوار میرے حوالے کر دو۔

اسلم نے کہا۔ اس لئے کہ تم پھر ان معصوموں کا خون بہاؤ شیطان! تم اپنی ذات کو لے کر میرے سامنے دور ہو جاؤ۔ ورنہ میں تم کو قتل کر ڈالوں گا۔

سمنی نے سر جھکا کر کہا۔ میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں جا رہا ہوں۔

وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ابی جی چل دیا اسلم نے کہا بزدل انسان تو اس وقت بچ گیا۔

بچوں کے بچ جانے سے سب نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر ان کو اپنے بیقرار سینوں سے لگا کر پیار کرنے لگے۔

سولھواں باب

"دو چاند"

رانی لادی طاہرہ کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ جس کمرے میں طاہرہ کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ محل کے شروع حصہ میں دروازے کے قریب ہی تھا۔ چونکہ طاہرہ کو کہیں آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے وہ اپنے ہی کمرے میں پڑی رہتی تھی اسے معلوم بھی نہ تھا کہ محل کتنا بڑا ہے اور اس میں کیا کیا ہے۔ اب جب کہ رانی اسے لے کر چلی تو اس نے دیکھا کہ محل نہایت وسیع ہے اور اس کے چاروں طرف عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

عمارتوں کے دروازے نہایت شاندار منقش اور سفید ہیں جو کہ خوب چمک رہے ہیں۔ درمیان میں کہیں کہیں سبزہ کھڑا ہوا تھا۔ اور عمارتوں سے ملحق چاروں طرف کافی چوڑا چبوترہ ہے۔

وہ محل کو دیکھتے ہوئے لادی کے ساتھ چلتی رہی۔ اس نے دیکھا۔ کہ چاروں طرف چھوٹے چھوٹے مندر بھی چبوترے کے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ جب لادی اسے اپنے خاص کمرے میں لے گئی تو وہ کمرے کا ساز و سامان دیکھ کر حیران رہ گئی۔ تمام کمرے میں نہایت خوشنما مسند بچھی ہوئی تھی جس پر کہ سنہرہ کار چوبی کام ہو رہا تھا۔ دیواروں پر سونے سے پچی کاری ہو رہی تھی۔

کہیں کہیں سونے کی تصویریں یعنی مجسمے یا بت رکھے ہوئے تھے اور ان کے گلوں میں تازہ پھولوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔ لادی مسند پر بیٹھ

گئی اور طاہرہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔

دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی جب آفتاب غروب ہونے لگا تو اس نے اس سے کہا۔ دیکھو اس طرف میرے قبضے میں پندرہ بیس کمرے ہیں۔ تم جس کمرے کو پسند کرو۔ اس میں رہو۔ لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اس کمرہ میں میرے ہی پاس ٹھہرو۔

طاہرہ نے کہا۔ تم بڑی خلیق ہو رانی! خود میرا دل بھی تمہارے ہی پاس ٹھہرنے کے لئے چاہتا ہے۔ مگر......

لادی۔ مگر کیا۔

طاہرہ۔ ایک مجبوری ہے جس کی وجہ سے میں نہیں رہ سکتی۔

لادی۔ اور وہ کیا مجبوری ہے۔

طاہرہ۔ اگر میں عرض کروں گی تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آپ کی ناراضگی کا باعث نہ ہو جائے۔

لادی۔ اطمینان رکھو۔ میں ناراض نہ ہوں گی۔

طاہرہ۔ ہم لوگ تصویروں اور بتوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اس لئے......

لادی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں سمجھ گئی۔ اچھا تم برابر والے کمرے میں رہو۔

طاہرہ۔ بہت اچھا۔

طاہرہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اور اس میں رہنے لگی۔ رانی لادی نیک طینت اور بھولی تھی۔ وہ چھل کپٹ نہ جانتی تھی۔ اس نے طاہرہ کو بتا دیا۔ کہ راجہ نے اس کے پاس اسے بہلانے کیلئے بھیجا تھا۔ مگر اب وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے اور اس لئے اس کے ساتھ کبھی دغا نہ کرے گی۔

دراصل لادی کو طاہرہ سے بے حد محبت ہو گئی تھی اور یہ محبت ہی کی وجہ تھی کہ اس نے راجہ کا منشا صاف صاف ظاہر کر دیا۔

طاہر کو اس سے انسیت ہو گئی تھی۔ اور وہ بھی اس سے اس قدر مانوس ہو گئی تھی کہ اکثر جو وہ کہتی اسے مان لیتی۔

ان دونوں میں اس قدر محبت بڑھ گئی تھی کہ کھانا بھی قریب قریب بیٹھ کر کھا لیتی تھیں۔ اور اکثر رانی لادی اس کے کمرے میں اس کے پاس ہی سو رہا کرتی تھی۔ رانی نے کپڑے طاہر کو دے دیئے تھے۔ اور اس نے تراش کر ان کو سینا شروع کر دیا تھا۔

مگر ابھی تک وہ انھیں سی کر تیار نہ کر سکی تھی۔ اس کے کپڑے روز بروز میلے ہوتے جا رہے تھے۔ لیکن رانی اس کے میلوں کپڑوں سے کراہت نہ کرتی تھی۔

ایک روز دوپہر کے وقت رانی طاہرہ کے پاس بیٹھی تھی۔ اور طاہرہ کپڑے سی رہی تھی۔ لادی نے اس سے کہا۔ طاہرہ میری ایک بات مان لو۔

طاہرہ نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا مان لوں؟

لادی۔ تم میرے کہنے سے آج شلوکہ اور ساڑھی پہن لو!

طاہرہ نے نفرت بھرے لہجہ میں کہا۔ راجہ داہر کے بھیجے ہوئے ساڑھیاں اور شلوکے۔

لادی نے جلدی سے کہا۔ نہیں ان کے بھیجے ہوئے نہ پہنو! بلکہ میرے بالکل نئے شلوکے اور نئی ساڑھیاں جن کو میں نے آج تک پہننا تو بجائے خود ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ ان میں سے پہن لو۔

طاہرہ نرم پڑ گئی۔ اس نے کہا۔ رہنے بھی دو رانی۔ کل یہ میرے ہی کپڑے تیار ہو جائیں گے۔

لادی۔ میں اس وجہ سے نہیں کہہ رہی کہ تمہارے کپڑے میلے ہو گئے ہیں۔

طاہرہ۔ اور کس وجہ سے۔

لادی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کپڑے پہن کر تم کیسی معلوم ہو گی۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ خوب یہ کیا سوجھی ہے تم کو۔

لادی نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ یہ میری تمنا ہے تم اسے پورا کر دو۔ تمہارا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے ذرا پہن کر پھر اتار دینا۔

طاہرہ۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے تیار کئے ہوئے کپڑے پہن لیں تو کیا آپ منظور کر لیں گی۔

لادی۔ بڑی خوشی سے۔ بلکہ تم اگر اجازت دو تو میں یہ تمہارے میلے ہی کپڑے پہن لوں۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ خیر یہ میلے نہیں بلکہ نئے۔ پہننا

لادی۔ ہاں پہن لوں گی۔ اچھا تو تم تمہارے واسطے شلوکہ اور ساڑھی لاؤں۔

طاہرہ۔ رانی صاحبہ! حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کے کسی حکم کو اس وجہ سے نہیں ٹال سکتی کہ مجھے آپ سے بے حد محبت ہو گئی ہے۔

لادی۔ یہی میرا حال ہے۔ میں حکم نہیں دے رہی ہوں۔ بلکہ گذارش کر رہی ہوں۔

طاہرہ۔ اچھا لے آیئے۔

لادی خوش ہو کر اٹھی اور چلی گئی۔ طاہرہ پھر سینے میں مشغول ہو گئی تھوڑی

ہی دیر میں لادی نہایت بیش قیمت شلوکہ اور ساڑھی اور جگمگانے والے جواہرات کے زیورات لے آئی۔ اس نے کہا۔ لو بہن لو طاہرہ۔

طاہرہ نے پہلے کپڑوں کو دیکھا پھر لادی کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا کیسے پہن لے اے طاہرہ! میں بیچاری تو انہیں پہننا ہی نہیں جانتی۔

لادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں پہناؤں گی اپنی بہن کو۔

طاہرہ نے کپڑے اتارے اور لادی نے شلوکہ پہنا کر ساڑھی باندھنی شروع کی وہ ساڑھی باندھتی جاتی تھی اور مسکراتی جاتی تھی آخر ساڑھی باندھ کر اس نے زیورات پہنائے۔

ان کپڑوں میں وہ بالکل پری معلوم ہونے لگی۔ اس کا حسن چہار چند ہو گیا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگا۔

لادی نے اسے دیکھا۔ اور دوڑ کر اس سے جالپٹی اور بے اختیار اس کا منہ چوم لیا۔ طاہرہ شرما گئی اور اس نے لادی کی طرف دیکھا وہ کسی قدر سنجیدہ ہو رہی تھی لہذا اس نے کہا۔

غلطی ہو گئی بہن طاہرہ! مجھے معاف کر دو۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مگر آپ کو یہ سوجھی کیا۔

لادی۔ ذرا آئینہ میں دیکھو۔ کہ تم کیا بن گئی ہو آؤ!

وہ طاہرہ کو کھینچ کر آئینہ کے پاس لے گئی۔ طاہرہ نے اپنا عکس آئینہ میں دیکھا۔ وہ خود کو دیکھ کر خود ہی حیران ہو گئی۔ اور شرماتے ہوئے آئینہ کے پاس سے ہٹ گئی۔

نہیں وہ دیکھتے اس ڈر سے آئینہ صادق
کوئی نہ عکس کو کہہ دے تیرا جواب ہوا

لادی نے مسکرا کر کہا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیسے ضبط کر سکتی تھی۔

طاہرہ نے شوخی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اگر مجھ سے کبھی ضبط نہ ہو سکے۔

لادی نے ہنس کر کہا۔ تو تم بھی وہی کرنا جو میں نے کیا ہے۔

طاہرہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کا منہ اوپر کرتے ہوئے کہا ضرور کروں گی۔

طاہرہ اس کا منہ چومنے کیلئے جھکی ہی تھی کہ ایک باندی آگئی اسے دیکھتے ہی طاہرہ جلدی سے الگ ہو گئی۔

باندی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مہارانی ان داتا تشریف لا رہے ہیں

دونوں کچھ بھونچکی سی رہ گئیں اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

لادی نے کہا۔ کچھ حرج نہیں . . . . .

ابھی ان کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ داہر آگیا۔ اس نے آتے ہی پہلے لادی اور پھر طاہرہ کو دیکھا۔ اسے دیکھ کر وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ اور دیر تک ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد بولا۔ آہا دو چاند ایک کمرے میں

طاہرہ ... فرط غیرت و حیا سے جھکی جا رہی تھی۔ اور داہر برابر اسے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔ یہ کنور کیسے لوٹا۔ یہ کپڑے کیسے بدل گئے؟ لادی نے کہا۔ یہ مجھ پر احسان ہوا ہے۔

داہر۔ اچھا! خیر کسی پر احسان ہوا ہو لیکن ہوا تو سہی۔

اب وہ بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے رانی بیٹھ گئی۔ رانی کے پیچھے طاہرہ بیٹھی۔ داہر کی نگاہیں اب بھی طاہرہ کے رخ روشن کی بلائیں لے رہی تھیں۔ لادی نے اس کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا۔ ناتھ! آج خلاف معمول کیسے تشریف لائے

لاڈی کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں طاہرہ کو یہ خیال نہ ہو جائے کہ اس نے راجہ سے ساز باز کر کے کپڑے پہنائے۔ اور وہ اس سے خفا نہ ہو جائے اس لیے اس نے اس طریقہ سے گفتگو شروع کی۔ جس سے طاہرہ کے دل سے شکوک خود بخود دور ہو جائیں۔ داہر نے کہا۔ ایک خاص ضرورت کے لئے آیا ہوں۔

لاڈی۔ کیا ضرورت پڑ گئی۔؟

داہر۔ بدبخت مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے اس نے ارمابیلہ کو فتح کر لیا ہے۔ اور اب دیبل کی طرف بڑھ رہا ہے پنڈتوں سے یہ بات بتائی ہے کہ دیبل کے قریب جو مندر ہے۔ اس میں کوئی رانی جو سب سے زیادہ کم عمر ہو جا کر فتح کی دعا مانگے۔ تو یقیناً ہماری ہی فتح ہو گی۔

لاڈی۔ تو کیا مجھے جانا چاہئے۔

داہر۔ تم خوب جانتی ہو کہ سب سے کم عمر تم ہی ہو۔

لاڈی۔ میں تیار ہوں! اور کون جائے گا۔؟

داہر۔ علاوہ سواروں کے چندر جائیں گے۔

لاڈی نے چونک کر کہا چندر؟

داہر۔ ہاں! کیا تم کو کچھ اعتراض ہے؟

لاڈی۔ وہ کچھ اچھا آدمی نہیں ہے۔

داہر۔ اطمینان رکھو۔ وہ اچھا بن گیا ہے۔ تپ کرنے لگا ہے۔

لاڈی۔ بس تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

داہر۔ اچھا تو تیار ہو جاؤ۔

لادی۔ کیا اسی وقت جانا ہوگا۔

داہر۔ ہاں اسی وقت رتھ اور لشکر محل کے دروازہ پر آ گئے ہیں۔

لادی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا تو چلئے! راجہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور رانی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ مگر پھر پھر کر طاہرہ کو دیکھتا گیا۔ اس کے جانے کے بعد طاہرہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور ساڑھی دنلو کہ اور تمام زیورات اتار کر اپنے وہی میلے کپڑے پہننے لگی۔

سترھواں باب

"پرجوش مجاہدین"

محمد قاسم معہ لشکر کے دیبل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اس اسلامی لشکر کا شہرہ نہ صرف سندھ بلکہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔ مگر ہندوستان کے جس قدر بھی راجہ مہاراجہ تھے اول تو وہ داہر سے فاصلے پر تھے دوسرے انھوں نے مسلمانوں کے کارنامے سن رکھے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جو کوئی بھی داہر کی امداد کے لئے مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے اپنا لشکر بھیجے گا مسلمان داہر کے بعد یقیناً اس پر بھی حملہ کریں گے۔

گویا ان کو کامل یقین تھا کہ اسلامی لشکر کو فتح ہو گی چنانچہ اسی خوف کی وجہ سے کسی کو بھی راجہ داہر کی امداد کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ گو راجہ داہر تمام سندھ اور سندھ سے باہر بھی حکمراں تھا۔ اس کی سلطنت کی حدود حسب

لے از تاریخ ہند صفحہ ۹۹

ذیل ہے۔

مشرق میں کشمیر اور قنوج۔ مغرب میں مکران اور ساحل بحر عمان یعنی دیبل کا کچھ حصہ شمال میں قندھار اور سیستان جنوب میں بندرگاہ سورت۔

اس حساب سے اس کی حکومت تمام سندھ، سارے پنجاب اور ممالک متحدہ کے زیادہ حصے پر تھی یعنی داہر تقریباً ہندوستان کے نصف حصہ پر حکمراں تھا۔ اتنی بڑی سلطنت ہونے کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے حملہ کا کوئی زیادہ خدشہ نہ تھا۔ لیکن جس طرف سے اسلامی لشکر آرہا تھا۔ اس طرف کے تمام لوگ پریشان سے ہو رہے تھے۔ اور وہ آبادیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔

کچھ لوگ دیبل میں آگئے تھے۔ اور کچھ نیرون چلے گئے تھے اور کچھ جو باقی تھے سوستان میں جا ٹھہرے تھے۔ مسلمان جس گاؤں یا قصبہ میں پہونچتے تھے اسے خالی اور ویران پاتے تھے۔ کھیتاں کھڑی ہوئی تھیں جو کہ کٹنی کے قریب پہونچ چکی تھیں۔ مگر ان کو کاٹنے والوں کا پتہ نہ تھا۔

مسلمانوں نے نہ غیر آباد دیہات اور قصبات کو جلایا نہ کھیتوں کو پامال کیا حالانکہ وہ جوش انتقام میں یہ سب کچھ کر سکتے تھے اور ان کا ایسا کرنا کچھ غیر مناسب نہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی ان پر حرف گیری کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ متکبر اور مغرور راجہ داہر کے سپاہیوں نے بلا وجہ مسلمانوں کو قید و بند کر کے اپنی ذہنیت بد بربیت کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے شرافت اور انسانیت کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا تھا۔ اور وہ خالی دیہات و قصبات نیز پکی پکائی کھیتیوں کو چھوڑ کر برابر دیبل کی طرف بڑھتے رہے۔

دیبل میں جو لوگ بھاگ بھاگ کر آئے تھے انھوں نے مسلمانوں کی

تعداد بہت بڑھا چڑھا کر بتائی تھی۔ اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ وہ آبادیوں کو ویران اور کھیتوں کو خاکستر و پامال کرتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ ان میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جس نے مسلمانوں کو دیکھا بھی ہو۔ وہ تو شیران اسلام کی آمد کا غلغلہ سنتے ہی لوک دم بھاگ آئے تھے اور ان کو مطلق ہی خبر نہ تھی کہ ان کے پیچھے کیا ہے۔

ان کی ان مبالغہ آمیز باتوں کا یہ اثر ہوا کہ دیبل والے بھی ترساں و لرزاں ہو گئے۔ انھوں نے قلعے کا دروازہ نہایت مضبوطی سے بند کر لیا اور فصیل پر پتھروں کے ٹکڑوں اور تیروں کے گٹھوں کے انبار لگا دیئے گئے۔ سپاہیوں کو مناسب مناسب جگہ پر تعینات کر دیا۔ اگرچہ مسلمان ابھی دور ہی تھے۔ مگر دیدبان ابھی سے مقرر کر دیئے گئے تھے جو شب و روز برجوں میں بیٹھے ہر چہار جوانب دیکھتے رہتے تھے۔

محمد قاسم نے درمیانی فاصلہ طے کر لیا تھا اور سمندر کے کنارے پر اس جگہ پہونچ گیا جہاں مسلمانوں کے جہاز آ آ کر رکے تھے۔ سراندیپ سے آنے والے مسلمانوں کے جہاز اب تک سمندر میں پڑے ہوئے تھے اور دیبل کے کچھ لوگ ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ مگر مسلمانوں کو دیکھتے ہی وہ چھپ چھپا کر بھاگے اور سیدھے دیبل میں پہونچے۔

انھوں نے بھی مسلمانوں کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز خبریں بیان کیں اور ان خبروں کو سن کر اہل دیبل اور بھی ڈر گئے تھے۔ اب رات بھر فصیل کے چاروں طرف آگ روشن کی جانے لگی۔ اور سارا سارا دن تمام لشکر مسلح رہنے لگا۔ عیسائیوں کی طرح ہند بھی مسلمانوں کو مافوق الفطرت انسان یا جن سمجھتے تھے ان کو خوف تھا۔ کہ کہیں روز رات کو مسلمان کسی

طرف سے فصیلوں پر نہ چڑھ آئیں لیکن محمد قاسم سمندر کے ساحل پر ٹھہرا ہوا تھا اور ان جہازوں کے آنے کا انتظار کر رہا تھا جن میں کہ منجنیقیں بار کر آ رہی تھیں اور جن کے متعلق حجاج نے لکھ دیا تھا کہ جب تک یہ جہاز نہ پہونچیں حملہ نہ کیا جائے۔

محمد قاسم نے یہاں دور دور تک چل پھر کر ایک نقشہ تیار کیا اور ایک خط کے ساتھ حجاج کی خدمت میں بھیجا ہیں۔ وہ رات کے وقت دیبل کا قلعہ کی فصیل کے چاروں طرف کا میدان سب دیکھ آیا تھا اور نقشہ میں سب کچھ درج کر دیا تھا۔ مسلمان نہایت بے صبری سے جہازوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ دراصل وہ جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد جنگ شروع کر کے اپنے بھائیوں کو چھڑائیں۔

آخر انتظار کی مدت ختم ہو گئی۔ اور ۱۵ محرم ۹۲ھ جمعہ کے روز جہاز ساحل سمندر پر آ گئے۔ مسلمان بے حد خوش ہو گئے اور وہ فرط مسرت و انبساط سے مسرور ہوتے ہوئے جہازوں پر سے منجنیقیں اتارنے لگے۔ ان جہازوں میں کچھ مجاہدین بھی آئے تھے مگر وہ زیادہ سے زیادہ صرف دو سو تھے جو کہ شاید جہازوں کی حفاظت کے لئے آئے تھے اور ان میں کئی تجربہ کار افسر بھی تھے۔

یہ سب لوگ محمد قاسم کے پاس آئے اسے سلام کیا وہ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ انھوں نے حجاج کا خط دیا اور محمد قاسم نے اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

میرے عزیز بھائی! بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ میری اور تمام مسلمانوں کی نگاہیں تم پر اور تمام لشکر پر لگی ہوئی ہیں

فتح کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ یقین ہے کہ خدا ہماری دعاؤں کو قبول کرکے فتح عطا فرمائے گا۔ منجنیقیں تمہارے پاس پہنچ رہی ہیں ان کو درست کرا کے لشکر کے آگے رکھو اور ان کی کافی حفاظت کرو۔

جب تم دیبل کا محاصرہ کرو تو لشکر کو حسب قاعدہ مقدمہ ساقہ میمنہ، میسرہ اور قلب میں تقسیم کردو اور لشکر کے ہر ٹکڑے پر تجربہ کار اور بہادر اشخاص کو افسر مقرر کرو۔ میں عبدالرحمٰن بن سلیم الکلبی اور سفیان الازدی، نباعہ بن قوبہ اور خریم بن مغیرہ کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں راہ خدا میں وقف کردی ہیں۔ جو میدان کارزار میں شمشیر کی طرح بے جگری سے لڑتے ہیں نہایت بہادر، آزمودہ کار، فرمانبردار اور شیر دل ہیں۔ ان کی بہادری کی داستانیں ضرب المثل ہیں۔ عبادت گذار، متقی اور مسلمانوں کے ہمدرد و بہی خواہ ہیں۔ اگر ضرورت سمجھو تو ان سے مشورہ لو، ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھاؤ اور ان کو بھی شجاعت و مردانگی دکھانے کا موقع دو۔

چونکہ اب تم غنیم کے ملک میں پہنچ گئے ہو اس لئے آزاد ہو کہ موقع مناسب دیکھ کر اور سمجھ کر جو چاہو کرو۔ لیکن یہ خیال رکھو کہ تمہاری کسی غلطی سے مسلمان ابتلا میں مبتلا نہ ہو جائیں ورنہ قیامت کے دن تم سے ہی بازپرس کی جائے گی۔ جو شخص کبھی خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ دشمن ہو یا دوست تم سے امان مانگے فوراً اسے امان دینا اور ہر ممکن اس کی اعانت کرنا۔ رات کو خود لشکر کے گرد گشت کرتے

رہو دشمن کی طرف سے غافل نہ رہو۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھ کو تم سے کس قدر محبت ہے۔ یہ محبت ہی مجھے بے چین کیے ہوئے ہے خدا تمہاری اور تمام مسلمانوں کی حفاظت کرے اور فتح دے مجاہدین سے میرا اسلام کہہ دو۔

حجاج ثقفی از بندہ

محمد قاسم نے خط تمام لشکر کو سنا دیا اور اسی وقت منجیقوں کو دیبل کی طرف کھینچ کر لے جانے کا حکم دیا۔ فوراً گھوڑے جوتے گئے اور انھوں نے منجیقوں کو کھینچنا شروع کر دیا۔ ایک دستہ سواروں کی حفاظت کی غرض سے ساتھ کر دیا گیا اب تمام لشکر ڈیرے خیمے اکھاڑ کر تیار ہوا اور سب سے آگے مقدمہ (لشکر کا اگلا حصہ) روانہ ہوا اس کے بعد میمنہ (لشکر کا دایاں بازو) و میسرہ (لشکر کا بایاں بازو) اور قلب (لشکر کا درمیانی حصہ) دائیں بائیں پھیلتا ہوا بڑھا۔

سب کے بعد ساقہ (پچھلا حصہ) چلا ہر حصہ دوسرے سے کافی فاصلے پر تھا اور اس طرح سے یہ لشکر دور تک پھیل گیا۔ اور اس کی تعداد اصل سے دوگنی نظر آنے لگی شیران اسلام نہایت جوش اور خروش سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ گویا ہر شخص پر مجاہدانہ کیفیت طاری تھی۔

آخر کوچ و قیام کرتے ہوئے دیبل کے قلعہ کے سامنے جا پہنچے ہندوؤں نے ان غازیوں کو دیکھتے ہی شور کرنا شروع کر دیا۔ ان کے شور سے اہل شہر کو مجاہدین اسلام کی آمد کا حال معلوم ہو گیا۔

تمام زن و مرد اسلامی لشکر کو دیکھنے کیلئے فصیل پر چڑھ آئے اور جھک جھک کر نیزا ابھر ابھر کر دیکھنے لگے۔ وہ کوہ پیکر منجیقوں کو دیکھ دیکھ کر حیران

رہ گئے۔ یہ منجنیقیں عربوں کی ایجاد تھیں اور وہی ان کو چلانا جانتے تھے اور ان کے ہی ذریعہ سے بھاری بھاری پتھر برساتے تھے۔

ہندوؤں کی سمجھ میں نہ آیا کہ مسلمان ان برجوں کو کیوں کھینچے پھرتے ہیں چونکہ اسلامی لشکر دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کو لشکر کی صحیح تعداد ہی معلوم ہو سکی۔

جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی اسلامی لشکر بڑھتا ہوا نظر آتا تھا اسلامی علم نہایت رعب و داب سے لہرا رہے تھے۔ قلعہ کے قریب آ کر مسلمانوں نے ایک پرزور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور قلعہ سے ذرا فاصلہ پر اتار کر خیمے نصب کرنے لگے۔

ہر دستہ علیحدہ علیحدہ فرد کش ہوا ہندو اس وقت تک کھڑے دیکھتے رہے جب تک کھلے ہوئے میدان میں خیموں کا شہر نہ آباد ہو گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ مسلمان نہایت اطمینان اور بے فکری سے کام میں مصروف ہیں جب دن چھپ گیا تب یہ لوگ واپس گئے۔

اٹھارواں باب

"دام فریب"

جب رانی لاڈی اور راجہ داہر کمرے سے باہر نکلے تو کئی داسیاں آ کر کھڑی تھیں۔ لاڈی نے ان کو چند جوڑے کپڑوں کے لانے کا حکم دیا اور وہ نہایت عجلت سے کئی پٹارے کپڑوں سے بھرے ہوئے لے آئیں۔ اور انھیں محل سے باہر لے گئیں۔

راجہ اور رانی دونوں چلے اور محل سے نکل کر باہر آ گئے یہاں تقریباً ایک ہزار سواروں کا دستہ کھڑا تھا۔ ایک خوبصورت رتھ جس پر چاندی کے پتر چڑھے ہوئے تھے اور جو آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہا تھا کھڑا تھا۔ اس رتھ میں چار چار گھوڑوں کی چار جوڑیاں یعنی سولہ گھوڑے جتے ہوئے تھے۔

ہر گھوڑے پر ایک ایک سوار نیزوں میں چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لگائے گھوڑوں کی باگیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

یہ رتھ بہت کچھ لمبا اور کافی چوڑا تھا۔ اس میں زرنگار مسند بچھی ہوئی تھی اور چھوٹے چھوٹے تکئے لگے ہوئے تھے رتھ کے اندر خوشنما شامیانہ کھڑا ہوا تھا۔ اندر سچے موتیوں کے اور باہر قدرتی پھولوں کے متعدد ہار لٹک رہے تھے۔

غرض کہ رتھ کو بہت کچھ زینت دی گئی تھی۔ چونکہ رانی لاڈی کو راجہ داہر بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا اس لیے اس کے واسطے ہر چیز ایسی ہوتا تھا جس کی نظیر نہ ہو سکے۔

یہ رتھ بھی رانی لاڈی کے لیے خاص طور پر بنوایا گیا تھا۔ اور اس کے بنانے میں رانی لاڈی کے آرام و آسائش کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا۔ رانی لاڈی تھی بھی نازنین و مہ جبین خاص کر زیادہ خوبصورت اور زیادہ نیک اور بھولی ہونے کی وجہ سے راجا کو بے حد محبوب تھی۔

رانی کے آتے ہی تمام سواروں نے پرزور آواز سے کہا۔ مہارانی لاڈی کی جے! لاڈی ہزار عشوہ و ناز سے بل کھاتی ہوئی محل سرا کی سیڑھیوں سے اتری اور راجہ داہر کا سہارا لیکر رتھ میں بیٹھ گئی۔

کئی داسیاں بھی ایک طرف اس کے پاس جا بیٹھیں اور پندرہ بیس پیش خدمتیں دوسرے چھوٹے چھوٹے رتھوں میں سوار ہو گئیں۔

لاڈلی کے رتھ میں بیٹھتے ہی ایک نوجوان برہمن آیا۔ جس کی داڑھی ندارد اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔

اس کے سر کے بیچ میں لمبی چوٹی کا ایک گچھا تھا جس میں گرہ دی ہوئی تھی صرف ایک ریشمیں دھوتی باندھے تھا وہ بھی گھٹنوں تک۔ جسم پر اور کوئی کپڑا نہ پہنے تھے۔ برہنہ تھا۔ چند دھاگوں کو بل دے کر آڑا اپنے شانہ سے بائیں پہلو تک ڈالے تھا۔ ان دھاگوں کو ہندو جنیو کہتے ہیں۔

اس برہمن یا پنڈت کا نام چندر تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر ماتھے کے قریب لے جاتے ہوئے جھک کر رانی کو سلام کیا۔ اور جب اشارہ سے رانی سلام لے چکی تو وہ پیچھے ہٹ کر ایک رتھ میں جا بیٹھا۔

اب رانی کی سواری روانہ ہوئی سب سے پہلے کچھ سوار چلے اس کے بعد رانی کا رتھ چلا اور اس کے رتھ کے پیچھے کنیزوں کے رتھ روانہ ہوئے پھر چندر کا رتھ بڑھا اور سب سے آخر میں بقیہ رسالہ بڑھا۔

اس شان سے رانی چلی۔ الور سے باہر نکلی اور دیبل کی طرف روانہ ہوئی چونکہ دیبل وہاں سے کچھ ہفتے کی راہ کے فاصلے پر تھا اور درمیان میں ایک زبردست دریا مہران[1] پڑتا تھا۔

---

[1] دریائے مہران کو آج کل دریائے سندھ کہا جاتا ہے اس عظیم دریا کے بہت سے نام ہیں اسے انگریزی میں انڈس کہتے ہیں عام ہندو اٹک کے نام سے پکارتے ہیں جغرافیہ دان کہتے ہیں اس کا ایک نام اباسن بھی ہے جس کا ترجمہ دریاؤں کا باپ ہے (بقیہ صفحہ ۱۲۰ پر)

کئی ولائتیں مثلاً سوستان اور نیروں وغیرہ کی پڑتی تھیں اس لئے داہر نے تمام ولایتوں کے حکمرانوں کو رانی لادی کے آنے کی اطلاع دیکر اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے کی ہدایت کے احکام جاری کردیئے تھے۔

چنانچہ رانی لادی کی سواری جس طرف سے گذری وہاں کا حاکم اس کی مدارات کرتا چلا گیا۔ جہاں کہیں رانی کا قیام ہوتا۔ چندر اس کے پاس آتا اور گھنٹوں بیٹھا گیان دھیان کی باتیں کیا کرتا۔

آخر یہ کوچ و قیام کرتا ہوا مختصر قافلہ دیبل کے قریب پہونچ گیا یہاں پہونچ کر انھیں معلوم ہوا کہ محمد قاسم نے دیبل کا محاصرہ کرلیا ہے اس خبر سے ان لوگوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ رانی لادی کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلامی لشکر کا سردار جس کا نام محمد قاسم ہے بہت تھوڑی عمر کا ہے۔

اس کی عمر سترہ سال کی ہے نہایت خوبرو اور بہادر ہے۔ عورتوں کی یہ کمزوری ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کی تعریف سنتی ہیں تو اس کے دیکھنے کی تمنا ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے نیک اور عصمت مآب خواتین نہ ایسی باتیں سنتی ہیں اور نہ ایسے تذکروں میں شریک ہوتی ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۱۹ کا۔ یہ دریا نہایت زبردست ہے وہ بالنہر در گھیل کے شمالی پرستانی پہاڑوں کی چوٹی کیلاش کے ڈھلوان سے سنگا یاب یعنی دہن شیر سے نکلتا ہے اور صوبجات شمالی، مغربی سرحدی پنجاب اور سندھ میں ۱۸۲۷ میل بہہ کر بحیرہ عرب میں کراچی سے ذرا فاصلہ پر گر جاتا ہے۔ (صادق صدیقی)

اسلام نے مخالفت کی ہے کہ نہ عورتیں باہر نکلیں نہ غیر مردوں کا ذکر
کریں۔ رانی لاڈی کے دل میں محمد قاسم کی تعریفیں سن سن کر اس کے دیکھنے
کی تمنا پیدا ہو گئی مگر وہ خوب جانتی تھی کہ محمد قاسم کو دیکھنا ناممکن ہے
اس لئے کہ اس کے پاس قصداً جانا مشکل اور اس کا اچانک مل جانا غیر
ممکن تھا۔

مگر جو خواہش اس کے دل میں پیدا ہو چکی تھی اسے دور کر دینا اس
کے بس میں نہ تھا۔ مگر وہ اپنی اس خواہش کا اظہار کسی پر بھی نہ کر سکتی تھی
کیونکہ ایک عظیم المرتبت ہندو راجہ کی رانی ہونے کی حیثیت سے جس
کی تعظیم آدھا ہندوستان کرتا ہو نیز جس کے حسن کا چرچا عالم گیر شہرت
رکھتا ہو وہ ایک مسلمان سے جو اس کے ملک پر چڑھائی کرنے اس کے پتی
(شوہر) سے لڑنے آیا ہو اسے دیکھنے کی تمنا کا اظہار وہ کیسے کسی پر کر سکتی تھی

چنانچہ وہ اس خواہش کو اپنے ہی دل میں دبائے ہوئے تھی وہ مندر
جس میں رانی کو جانا تھا۔ دیبل سے ذرا فاصلے پر سمندر کے ساحل کی طرف
گنجان جنگل میں واقع تھا۔ سیدھا راستہ دیبل ہو کر جاتا تھا۔ لیکن
اس طرف اسلامی لشکر پڑا ہوا تھا اس لئے اس راستہ کو عمداً چھوڑ کر ایک
اور راستہ اختیار کیا گیا جو گنجان درختوں اور ناہموار زمین کی وجہ سے دشوار
گذار تھا مگر سوائے اس راستہ کے اور کوئی راستہ نہ تھا لہذا طوعاً
کرہاً اسے ہی اختیار کیا گیا اور اس خیال سے کہ رانی کو کوئی تکلیف نہ ہو قریب
کے دیہات اور قصبات سے قلیوں کو پکڑ لیا گیا اور ان سے درختوں کو کٹوا
کر راستہ ہموار کرایا جاتا اور تب رانی کا رتھ اس پر سے گذرتا۔

یہ جنگل نہایت گنجان اور تاریک تھا اس میں درخت اس کثرت سے

ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ ان کے تنوں میں سے ہو کر گذرنا غیر ممکن تھا کیونکہ ان کی شاخیں ایک دوسرے سے ڈھلی ہوئی تھیں اور آفتاب کی شعاعیں زمین پر پہونچتی تھیں رات تو رات وہاں دن میں بھی کافی اندھیرا رہتا تھا ابھی انھوں نے اس جنگل کا تھوڑا سا ہی حصہ طے کیا تھا۔ کہ ایک روز رات کے وقت جب کہ سب آرام کر رہے تھے اور چاندنی چھٹک رہی تھی۔

جو حصہ مزدوروں نے دن میں صاف کیا تھا۔ اس پر چاندنی کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی چندر رانی کے خیمہ میں داخل ہوا۔ رانی کھانا کھا کر تیلیدلہ کر رہی تھی چندر آداب عرض کر کے کھڑا ہو گیا۔

لاڈی نے اپنی مخمور نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کس لئے آئے ہو تم اس وقت؟

چندر نے کہا۔ مہارانی جی! یہاں قریب ہی ایک مہاتما ٹھہرے ہوئے ہیں میں ان کے درشن کرنے گیا تھا۔ انھوں نے کہا ہے کہ اگر رانی اس وقت میرے پاس آ جائے تو میں ان کے من کی اچھیا (آرزو) پوری کرا سکتا ہوں۔

لاڈی اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے کہا۔ وہ میرے من کی اچھیا پوری کرا دیں گے۔

چندر۔ جی ہاں۔

لاڈی۔ اچھا تو چلو دس بیس سپاہیوں کو بھی ساتھ لے لو۔

چندر۔ انھوں نے پہلے ہی ہدایت کر دی ہے کہ سوائے میرے اور آپ کے تیسرا کوئی شخص نہ جائے۔

لادی۔ کتنی دور رہ جاتا۔

چندر۔ بہت قریب زیادہ سے زیادہ دو سو قدم کے فاصلہ پر ہونگے

لادی اٹھتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا۔ اچھا چلو۔

دونوں خیمہ سے باہر آئے اور جس راستے سے رتھ آیا تھا۔ اسی راستہ
پر چل پڑے چلتے رہے دیر تک آخر جب رانی تھک گئی اور اپنے لشکر سے
دور نکل آئی تو اس نے کہا۔ تم تو کہتے تھے کہ وہ تم قریب ہی ہیں لیکن
اتنی دور آنے پر بھی وہ نہیں ملے۔

چندر۔ بس اب ہم قریب ہی آگئے ہیں۔

پھر دونوں چلے۔ مگر کچھ دور چل کر نازآفریں رانی رک گئی اس نے
کہا۔ ہم سے اب نہیں چلا جاتا۔ چندر نے خاص نظریں اس کے روشن چہرے
پر ڈالتے ہوئے کہا۔ اگر اجازت ہو تو میں گود میں اٹھا کر لے چلوں۔

لادی نے غصہ بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ تم؟ چندر نے عاجزی
سے کہا کیا حرج ہے اس میں۔

لادی۔ ایک پتی برتا استری (شوہر کی وفادار عورت) کبھی اس بات کو
گوارا نہیں کر سکتی کہ غیر مرد اس کے جسم کو ہاتھ لگائے۔

چندر۔ مگر ۔ ۔ ۔ ۔

لادی نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔ مگر کیا؟

چندر۔ کیا مجھے سب کچھ کہنا پڑے گا۔

لادی۔ ہاں صاف صاف کہو۔

چندر۔ صاف بات یہ ہے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں۔

لادی چونک پڑی۔ اور اس نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا

شرم کرو پنڈت جی مہاراج شرم کرو۔

چندر۔ شرم کی کیا بات ہے اس میں۔

لاڈی جوش و غضب سے کانپ رہی تھی اس کی موہنی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے کہا۔ رانی پرجا (رعایا) کی ماتا ہوتی ہے کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ تم اپنی ماتا سے محبت کا اظہار کر رہے ہو۔

چندر۔ میں نے بہت ضبط و صبر کیا ہے۔ لیکن جب جان پر بن گئی تب میں نے یہ چال چلی اور راجہ داہر کو پھسلا کر تم کو یہاں لے آیا۔

لاڈی۔ پاپی! کیا مندر میں دعا مانگنے اور مہاتما جی سے ملنے کا تو نے جھوٹا ہی جال بچھایا تھا۔

چندر۔ جی ہاں! آپ اب اس جال میں اچھی طرح سے پھنس گئی ہیں سنئے یا تو آپ میری مرضی پر چلیئے ورنہ میں آپ کو زبردستی اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور پھر دنیا یہی کہے گی کہ رانی کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔

لاڈی نے غضبناک ہو کر کہا۔ خبردار! اب ایسی بات زبان سے نہ نکالنا دشت! پنڈت بنا ہے تو۔

چندر۔ اس میں میری خطا نہیں ہے آپ کی صورت نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔

یہ کہتے ہوئے وہ رانی کے اور قریب جا کھڑا ہوا۔ اور بولا۔ غصہ کو جانے دو جس راجہ کی تم وفادار رہنا چاہتی ہو۔ سوچو! اس نے تمہارے ساتھ کہاں وفاداری کی ہے۔ اگر وہ وفادار ہوتے تو کیا کئی رانیاں کرتے؟ جب وہ تمہارے ہی نہیں بنے تو تم بھی ان کی نہ بنو۔

لاڈی۔ دور ہو بدکار! مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔

چندر۔ تو کیا آپ نے خوشی سے رضامند نہ ہوں گی۔

لاڈی۔ ہرگز نہیں۔

چندر۔ اچھا تو اب مجھے زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔

یہ کہتے ہی اس نے ہتھیلی بجائی کئی لوگ ادھر ادھر سے نکل آئے یہ سب ڈھاٹے باندھے تھے صرف ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ رانی ان توی ہیکل انسانوں کو دیکھ کر ڈر گئی چندر نے کہا رانی اب بھی مان لو! لاڈی نے کہا۔ میں پاپ (گناہ) کرنے سے مر جانا اچھا سمجھتی ہوں۔

چندر نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ بہت اچھا! اب اس نے ڈھاٹے والوں سے کہا۔ اسے اٹھا کر لے چلو۔ فوراً چند آدمی بڑھے رانی نے غصہ سے چیخ کر کہا۔ پاپیو! الگ ہٹ جاؤ۔ مگر وہ کیوں ماننے والے تھے انھوں نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔ رانی نے اپنی پوری طاقت سے کہا۔ مدد۔ مدد بچاؤ۔ بچاؤ۔

چندر نے حقارت سے رانی کو دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا فضول شور کرنے سے کیا فائدہ۔ رانی تڑپ رہی تھی۔ بل کھا رہی تھی وہ اپنی پوری قوت سے رہائی کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اس نے پھر چلا کر کہا آہ بچاؤ۔ کوئی بچاؤ۔

فوراً ہی ایک گرجدار آواز آئی۔ خبردار! ڈھاٹے والو۔ لاڈی اور چندر نے نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ چند مسلمان تلواریں سونتے کھڑے تھے مسلمانوں کو دیکھتے ہی سب تھرا گئے۔ انھوں نے فوراً ہی رانی کو چھوڑ دیا اور

سب حیرت بھری نظروں سے شیر ان اسلام کو دیکھنے لگے۔

اکیسواں باب

"شریف مسلمان"

ان مسلمانوں میں ایک محمد قاسم۔ دوسرا عبدالرحمٰن تیسرا کریم اور چار اور مجاہد تھے یعنی وہ صرف سات آدمی تھے اور ساتوں تلواریں سونتے کھڑے تھے۔ محمد قاسم نے جب سے دیبل کا محاصرہ کیا تھا۔ اسی وقت سے اس کا معمول ہو گیا تھا۔ کہ وہ رات کو دور دور تک گھومتا پھرتا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ کسی جنگل میں سے کوئی سرنگ قلعہ کے اندر گئی ہے لہٰذا وہ اس سرنگ کی تلاش میں تھا۔ اتفاق سے یا ان لاڈلی کی خوش قسمتی سے آج اس طرف آیا ہوا تھا۔ اور وہ اس طرح سے اس وقت جب کہ لاڈلی کو ڈاکو صفت انسان اٹھا کر لئے جا رہے تھے۔ وہاں پہونچ گیا تھا۔ مسلمانوں کو شمشیر برہنہ دیکھ کر چنبہ داور اس کے بدکار ساتھی کانپنے لگے سب سے آگے محمد قاسم تھا۔ اور وہ قہر آلود نظروں سے ڈھاٹے والوں کو گھور رہا تھا۔ اس نے کڑک کر کہا بدکارو یہ کیا معاملہ ہے۔

ان میں سے کوئی بھی عربی سے واقف نہ تھا۔ اور محمد قاسم نے عربی ہی میں گفتگو شروع کی تھی۔ وہ سندھیوں کی بھاشا سے ناواقف تھا۔

عبدالرحمٰن ان کی زبان جانتا تھا جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو محمد قاسم سمجھ گیا۔ کہ انھوں نے اس کی بات ہی نہیں سمجھی چنانچہ اس نے عبدالرحمٰن سے کہا تم ان سے دریافت کرو یہ کون ہیں اور یہ لڑکی کون ہے

یہ کہہ کر اس نے لادی کی طرف دیکھا۔ وہ اسے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس جگہ چاندنی میں لادی کی صورت مصفا آئینہ کی طرح چمک رہی تھی۔ محمد قاسم بھی اس رشک حور کو دیکھ کر دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اور وہ کچھ کھویا سا گیا۔ حسن کی گہرائیوں میں۔ وادی نور میں۔ ڈوبتا رہ گیا۔ مستانہ نگاہوں کے سمندر میں۔

عبدالرحمن نے چندر سے دریافت کیا! تم کون ہو؟"

چندر نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ حضور! میں ایک پنڈت ہوں۔

عبدالرحمن۔ اور یہ کون لوگ ہیں۔

چندر۔ یہ ڈاکو ہیں۔

عبدالرحمن۔ اور یہ لڑکی کون ہے؟

چندر۔ یہ مہاراجہ داہر کی رانی لادی ہیں۔

داہر کی رانی کا نام سن کر عبدالرحمن چونک پڑے۔ لادی کچھ ایسی محو ہو رہی تھی۔ کہ اس نے عبدالرحمن اور چندر کی گفتگو بالکل بھی نہ سنی مگر جب اپنا نام سنا تو عبدالرحمن کی طرف دیکھا۔ چونکہ رانی لادی اپنی سحر نگار نظروں سے محمد قاسم پر جادو کر رہی تھی۔ اور اس لئے محمد قاسم سحر زدہ ہوا کھڑا تھا۔

جب اس نے اپنی نگاہیں پھیریں تو محمد قاسم ہوش میں آیا۔ اس نے بھی عبدالرحمن کو دیکھا۔ عبدالرحمن نے کہا۔ حضور! یہ لڑکی رانی لادی ہے اور راجہ داہر کی بیوی ہے۔ محمد قاسم بھی فرط حیرت سے چونک پڑا اس نے کہا۔

رانی لادی.......دریافت کرو! یہ اس خطرناک مقام پر

کیسے آئی؟

عبدالرحمن نے چندر سے دریافت کیا۔ رانی اس پرخطر مقام پر ایسے وقت جب کہ اس نواح میں مسلمان چھائے ہوئے ہیں کیوں آئی ہے۔

چندر نے جواب دیا۔ حضور یہاں قریب ہی ایک سندر ہے۔ رانی صاحبہ اس مندر میں فتح کی دعا مانگنے آئی تھیں۔

عبدالرحمن نے محمد قاسم کو چندر کا مفہوم سمجھا دیا۔

قارئین کرام یہ سمجھ لیں کہ۔ آئندہ جو گفتگو بھی ہندو سے بھی ہوگی وہ عبدالرحمن کے ذریعہ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں میں ایک وہی بھاشا سے واقف تھا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا۔ یہ لوگ کون ہیں۔ اور کیوں رانی کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔

چندر نے جواب دیا۔ یہ ڈاکو ہیں۔ رانی صاحبہ کو لوٹنے کے لئے لے جا رہے تھے! ایک ڈھاٹے والے نے کہا۔

حضور یہ جھوٹ بولتے ہیں! ہم رام نگر کے رہنے والے ہیں یہ ہم کو اس لیے لائے تھے کہ ہم ایک عورت کو گرفتار کر کے رام نگر لے جائیں رام نگر ایک معقول قصبہ تھا۔ اس جنگل سے آٹھ دس میل کے فاصلہ پر تیر دن کے قریب واقع تھا۔

محمد قاسم۔ تم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ کس عورت کو گرفتار کرنا ہے۔

دہی شخص۔ نہیں! حضور! یہ ہمیں اب معلوم ہوا کہ یہ ہماری ماتا رانی لاڈی ہیں۔

محمد قاسم نے گھور کر چندر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مکار شخص! یہ کیا کہتے ہیں۔

چندر نے فی البدیہہ جواب دیا۔ حضور سے ڈر کر جھوٹ بول رہے ہیں

محمد قاسم نے لادی سے دریافت کیا۔ آپ یہاں کیسے آئیں۔

لادی۔ محمد قاسم کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا چندر نے یہ بالکل سچ کہا ہے کہ میں سندر میں فتح کی دعا مانگنے کے قصد سے آئی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بدکار پنڈت میرے پتی راجہ داہر کو دھوکہ دے کر مجھے یہاں اس بہانے سے لایا کہ اگر میں سندر میں جا کر فتح کی دعا کروں تو ہماری دجے (فتح) ہوگی۔

آج یہ بدباطن ملیچھ میرے پاس آیا اور کہا کہ ایک مہاتما ٹھیرے ہوئے ہیں اور وہ میرے من کی اچھیا (دل کی آرزو) پوری ہونے کی ترکیب بتا دیں گے۔ میں اس کے دام میں آگئی اور تنہا اس کے ساتھ چلی آئی یہاں یہ اپنے اصلی روپ میں شیطان بن کر نمودار ہو گیا۔ اور مجھے پریشان کرنے لگا۔۔۔۔

محمد قاسم نے دریافت کیا۔ کیا چاہتا تھا یہ بدمعاش۔

لادی نے حیا پرور نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ اس پاپی کی باتیں کہتے ہوئے مجھے لجیا (شرم) آتی ہے۔

محمد قاسم۔ اور تمہارے دل کی اچھیا کیا تھی۔

لادی۔ میرے من کی اچھیا۔۔۔۔۔

اس نے ہونٹ ہلائے! محبت بھری نظروں سے محمد قاسم کو دیکھا دیکھتی رہی اور پھر شرما کر سر جھکا کر خاموش ہو گئی۔

محمد قاسم نے کہا۔ رانی۔۔۔۔۔ بتا دو۔

رانی نے محمد قاسم کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا۔ میری اچھیا؟

آپ کو دیکھنے کی تھی۔

محمد قاسم چونک پڑا۔ تمام مسلمان اور سارے ہندو بھی چونک پڑے اور سب تیز تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

محمد قاسم نے اس کے رخ روشن پر نظریں جما کر کہا۔ مجھے دیکھنے کی خواہش کیوں تھی تم کو۔؟

لاڈی۔ اس لئے کہ میں نے سنا تھا کہ ایک نو عمر لڑکا اسلامی لشکر کا افسر بن کر آیا ہے

محمد قاسم۔ اچھا اب تم کیا چاہتی ہو۔

لاڈی۔ میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے اس وقت مجھے ان ظالموں کے چنگل سے رہائی دلائی۔ میں اپنے لشکر میں واپس جانا چاہتی ہوں۔

محمد قاسم۔ اور ان بد معاشوں کے لئے کیا حکم ہے؟

لاڈی۔ انہیں آپ کی مرضی پر چھوڑتی ہوں۔

محمد قاسم نے اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ان سب کو گرفتار کر لو۔

یہ حکم سنتے ہی سب کانپ گئے۔ چندر! محمد قاسم کے قدموں پر جا پڑا۔ اور اس نے رو رو کر کہا۔ رحم کرو مجھ پر رحم کرو۔

محمد قاسم نے غضبناک ہو کر کہا۔ بد معاش! تجھے شرم نہ آئی کہ تو اس نازنین (لاڈی کی طرف اشارہ کر کے) کو دھوکہ دے کر لایا۔ اور اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہتا تھا۔

چندر۔ مجھ سے قصور ہو گیا آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔

محمد قاسم۔ میں تجھے معاف کر سکتا ہوں۔ اگر رانی معاف کر دے۔

اب چندر اٹھ کر لادی کے قدموں میں جا لوٹا۔ اس نے کہا معاف

کر دو ماتا رانی معاف کر دو۔

لادی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اب ماتا کہتا ہے۔ لیکن اب سے

دیر پہلے کیا شیطان سوار تھا۔ (غصے سے بل کھاتے ہوئے) میں ہرگز

تجھے معاف نہیں کر سکتی۔

محمد قاسم۔ بس سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ہاں اسے گرفتار کر لو۔

فوراً سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اب سنہرو قلیوں نے گڑگڑانا

شروع کیا۔ انھوں نے کہا۔ ہم بالکل بے گناہ ہیں۔

محمد قاسم نے کہا۔ تم . . . . شریک جرم بھی مجرم ہوتا ہے تم بھی

سلمان سپاہیوں نے انہیں بھی گرفتار کر لیا۔ محمد قاسم نے لادی

سے دریافت کیا۔ تمہارا لشکر کہاں ہے۔؟

لادی۔ یہاں سے قریب ہی ہے (انگلی سے اشارہ کر کے) اس طرف

محمد قاسم۔ تم چلی جاؤ گی یا کسی کو تمہارے ساتھ بھیج دوں۔

لادی نے شرمیلے پن سے کہا۔ مجھے خوف معلوم ہوگا۔ کیا آپ مجھے پہنچانے

کے لئے نہیں جا سکتے۔؟

محمد قاسم۔ میں؟ اگر تم چاہو تو میں جا سکتا ہوں!

لادی بڑی مہربانی ہوگی۔

محمد قاسم نے سپاہیوں سے کہا۔ تم ان قیدیوں کو لئے یہیں کھڑے

رہو۔ ہم سب ابھی آتے ہیں۔

لادی کی شان کہہ رہی تھی۔ کہ وہ محمد قاسم سے کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن

محمد قاسم اس کی زبان نہ سمجھتا تھا۔ اور وہ محمد قاسم کی طرف سے اس لئے

مجبور تھی۔ اب محمد قاسم عبد الرحمٰن اور خریم لادی کے ساتھ چلے۔

کچھ دور چل کر لادی نے کہا۔ ایک مسلمان لڑکی جو سراندیپ سے آرہی تھی۔ اور جسے راجہ کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ الور میں میرے پاس ٹھہری ہوئی ہے۔

ابتک کسی مسلمان کو بھی یہ علم نہ تھا کہ قیدی مسلمان کہاں رکھے گئے ہیں۔ محمد قاسم نے دریافت کیا۔ اور بقیہ قیدی کہاں ہیں۔

لادی۔ دیبل کے قلعہ میں۔

محمد قاسم۔ مگر صرف ایک ہی لڑکی الور کیسے گئی۔

لادی اس کا جواب دینے میں پس و پیش کرنے لگی۔ محمد قاسم اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لادی نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ میرے سوامی (شوہر) اسے لے گئے تھے۔

محمد قاسم۔ آخر کس وجہ سے؟

لادی۔ اسے وہی جانتے ہوں گے۔

محمد قاسم۔ اس لڑکی کا کیا نام ہے؟

لادی۔ طاہرہ۔

محمد قاسم۔ وہ تمہارے پاس رہتی ہے۔

لادی۔ ہاں! نہایت اطمینان اور آرام سے۔

محمد قاسم۔ کیا تم اسے یہاں پہونچا سکتی ہو۔

لادی۔ نہیں۔ کیونکہ مجھے اس قدر اختیار نہیں۔

محمد قاسم۔ اچھا! تم میرا اور کل مسلمانوں کا اس سے سلام کہدینا۔ اور کہ ہم مسلمان آئے اور دوسرے مسلمانوں کو رہا کرانے کے لئے آئے ہیں اور

جب تک رہا نہ کرالیں گے واپس نہ لوٹیں گے۔

یہ کہتے کہتے محمد قاسم کو جوش آگیا۔ اور جوش سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ لاڈی اس کے چہرہ ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے شوخی کے انداز میں کہا۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

محمد قاسم نے پرجوش لہجہ میں کہا۔ ہاں! میں کہہ رہا ہوں اور یہ الفاظ مجھ سے خدا ہی کہلوا رہا ہے۔

لاڈی۔ لیکن آپ کی عمر لڑنے کی کہاں ہے۔

محمد قاسم۔ میں کئی لڑائیاں لڑ چکا ہوں۔

لاڈی نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔ کئی لڑائیاں لڑ چکے ہیں آپ؟

محمد قاسم۔ ہاں۔

لاڈی۔ تعجب ہے۔

محمد قاسم۔ تم مسلمانوں سے واقف نہیں ہو اس وجہ سے اظہار تعجب کر رہی ہو۔ مسلمانوں کا چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی پرجوش اور بہادر ہوتا ہے اس کے دل میں لڑائی کی امنگ ہوتی ہے وہ میدان کارزار کو بازیچہ اطفال سمجھتا ہے۔

لاڈی۔ اس لیئے آپ نے اتنی تھوڑی عمر میں نام پیدا کر لیا ہے ہماری قوم میں اتنی عمر کے بچے تو گھر سے کبھی نہیں نکلتے اور اسی وجہ سے آج تمام ہندوستان تعجب کر رہا ہے کہ سترہ سال کی عمر کا لڑکا جرنیل بن کر آیا ہے

محمد قاسم۔ لیکن زیادہ تعجب اس وقت کریں گے جب کہ خدا مجھ کو فتح دیگا

لاڈی۔ کیا آپ کو فتح کا یقین ہے۔

محمد قاسم۔ خدا کی ذات سے مکمل یقین ہے

لاڈی۔ لیکن یہ خیال کر لیجئے۔ کہ ہندوؤں کا لشکر بہت زیادہ ہے!

محمد قاسم۔ خدا ہماری مدد کرے گا۔

اب رانی کی لشکرگاہ قریب آ گئی تھی۔ محمد قاسم رک گیا۔ اور اس نے کہا رانی صاحبہ جائیے۔ اور کوشش کیجئے کہ ظاہر نہ کرو ہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو مسلمان تمہارے مشکور ہوں گے۔

لاڈی! ہاں۔ میں اسے تکلیف نہ ہونے دوں گی۔

وہ چلی گئی۔ محمد قاسم اور ان کے ساتھی واپس لوٹے۔ سپاہیوں کے پاس آئے قیدیوں کو ساتھ لیکر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔

بیسواں باب

"حملہ"

محمد قاسم نے قلعہ کے سامنے اپنا لشکر مقیم کر کے۔ تمام مجاہدین کو خندق کھودنے کا حکم دیدیا تھا خندق کھودے جانے کے متعلق حجاج کا حکم آیا تھا اس نے لکھا تھا کہ اپنے لشکر کے گرد بارہ گز چوڑی اور چھ گز گہری خندق کھود تاکہ دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ ہو جاؤ۔

چنانچہ مسلمانوں نے خندق کھود کر قلعہ کے سامنے ایک چھوٹا سا قلعہ بنا لیا تھا۔ انہوں نے اس مٹی کو جو خندق میں سے نکلی تھی خندق کے احاطہ کے اندر اندر اس کے کناروں پر چاروں طرف ڈال ڈال کر پشتہ بنا لیا اور اس پشتہ سے ایک خام قلعہ بن گیا تھا۔

نہ از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۴

جس روز لاڈی سے مل کر اور چندر اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے محمد قاسم آیا تو اس کے دوسرے ہی روز صبح کی نماز پڑھتے ہی اس نے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ اور جب تمام لشکر مسلح ہو گیا تو اسے خام قلعہ سے نکال کر دیبل کے قلعہ کے سامنے صف بستہ کر دیا۔ ہندوؤں نے انھیں دیکھا اور انھوں نے ایک شور عظیم بلند کرنا شروع کر دیا۔

ابھی حملہ نہ ہوا تھا۔ تمام مسلمان خاموش کھڑے تھے اور قلعہ کی طرف دیکھ رہے تھے مندر صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔

انھوں نے دیکھا کہ چند آدمی مندر کی چوٹی پر چڑھ گئے ہیں اور انھوں نے ایک بڑا علم اس کے کلس کی کلغی میں لگا دیا اور پھریرا اڑا دیا۔

یہ کلغی ایک لمبے بانس کی طرح پیتل کی تھی۔ پھریرا لگا کر وہ جلدی سے اتر گئے۔ اب پھریرے میں ہوا بھرنا شروع ہوئی۔ اور وہ پھیلنے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چار حصہ ہو گئے۔

یہ پھریرا سبز حریر کا تھا۔ اور اس کا ہر حصہ اتنا بڑا تھا کہ مندر سے فصیل تک پہونچ گیا تھا۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ مندر بالکل قلعہ کے بیچ میں تھا۔ اور مندر سے فصیل کوئی فرلانگ بھر تھی۔ اس سے یہ سمجھ لیجئے کہ اس جھنڈے کا ہر پھریرا کوئی فرلانگ لمبا۔ اور اس لمبائی کے اندازہ سے چوڑا تھا۔

جب اس کے چاروں پھریرے کھل کر پھیل گئے تب وہ گردش کرنے لگے۔ اور اس طرح سے وہ تمام قلعہ پر چھا گئے۔

لے تاریخ ہند صفحہ ۱۲۵

مسلمان حیرت بھری نظروں سے اس علم اور اس کے پھریروں کی جانب دیکھنے لگے۔ دیکھتے رہے۔ گاہ اس کی لمبائی اور چوڑائی کو اور گاہے اس کی گردش کو۔

دراصل اتنا بڑا علم انھوں نے تو کیا کبھی کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا دیبل والوں کا عقیدہ تھا کہ جب تک وہ علم قلعہ کے اندر گردش کرتا رہے گا اور اس کے پھریرے فصیل کو چھو کر چلتے رہیں گے۔ اس وقت تک دیبل کا قلعہ ہرگز ہرگز فتح نہ ہو سکے گا۔

محمد قاسم نے تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تیسرے نعرے کے ساتھ ہی لشکر نے بھی نہایت پرشور نعرہ لگایا۔ اور اس کے ساتھ منجنیقوں نے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔

قلعہ کی فصیل اس قدر بلند تھی کہ پتھر اس کے اوپر نہ پہونچتے تھے بلکہ فصیل سے ہی ٹکرا ٹکرا کر رہ جاتے تھے۔ مگر مسلمان جس کام کو شروع کر دیتے تھے اس کے نتیجہ سے بے نیاز ہو کر برابر اسے کرتے تھے۔ چنانچہ اب بھی وہ برابر پتھر پھینک اور منجیقوں کو آگے ڈھکیل رہے تھے۔

جب زیادہ زور و قوت سے انھوں نے پتھر پھینکے تو بعض پتھر فصیل کے اوپر پڑنے لگے۔

یہ پتھر اس بلا کے تھے کہ جب کسی کے جا کر لگتے تھے تو اس کے سر و سینہ کو توڑ ڈالتے تھے۔

چنانچہ پتھروں کے فصیل پر پڑنے سے اس طرف کھڑے ہونے والے ہندو مجروح ہو ہو کر گرنے اور گر گر کر مرنے لگے۔

ہندو بھی خاموش نہ کھڑے تھے۔ بلکہ وہ اپنی پوری قوت سے تیر برسا

رہے تھے اور خلاحنوں میں پتھر کے ٹکڑے رکھ کر پھینک رہے تھے۔ مگر ان کے تیروں یا پتھروں سے مسلمانوں کو اس لئے نقصان نہ پہونچ رہا تھا کہ اسلامی لشکر فاصلہ پر تھا۔ اور منجنیقوں کو ڈھکیلنے والے سپاہی ان چوبی برجوں کے پیچھے ان کے سایہ میں تھے۔

ہندو فصیل پر کھڑے چیخ رہے تھے غل مچا رہے تھے۔ اور مسلمانوں کو گالیاں دے رہے تھے

ان کے شور سے تمام قلعہ قلعے کے سامنے والا میدان اور ساری فضا گونج رہی تھی۔

مسلمان نہایت استقلال سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ دوپہر ڈھلے تک صرف منجنیقوں سے ہی پتھر برسائے جاتے رہے مگر جب آفتاب ڈھل گیا تو مسلمانوں نے سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی اور نماز پڑھتے ہی گھوڑوں پر سوار ہو ہو کر قلعے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

گویا کہ اب عام دھاوا بول دیا گیا تھا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر اور بھی زور زور سے غل مچایا۔ اور جلد جلد تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔

چونکہ اب مسلمانوں نے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے تیر اور پتھر ان کے آ آ کر لگنے اور ان کو مجروح کرنے لگے تھے۔ مگر انہوں نے اس بات کی پرواہ کم بھی نہ کی۔

زخمی ہو رہے تھے۔ اور بڑھ رہے تھے۔ بڑھتے جاتے تھے اور فصیل کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ جب وہ قلعہ کے زیادہ قریب پہونچ گئے تب محمد قاسم نے اپنے شانہ سے کمان اتار کر ہاتھ میں لے لی۔

محمد قاسم جھنڈا لئے سب سے آگے تھے۔ اس کے کمان ہاتھ میں لیتے ہی تمام لشکر نے کمانیں سنبھالیں اور تیر جوڑ جوڑ کر چلے کھینچ کھینچ کر فصیل پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔

ان کے یہ بے پناہ تیر فصیل پر پہونچ پہونچ کر دشمنوں کے سر دسینوں میں تمرانذ ہونے لگے۔ تیر اندازی میں مسلمانوں سے بڑھ کر کوئی بھی نہ تھا

ان کے تیر اس طرح کمانوں سے نکلتے تھے۔ جیسے کہ وہ سب ایک ہی کمان سے نکلے ہوں اور چونکہ وہ برابر دوڑتے تھے۔ اس لئے ہندوؤں کو بچنے کی گنجائش نہ ملتی تھی۔

تیروں کی ہر باڑھ سے ہندو زخمی ہو ہو کر گرتے تھے اور گرتے ہی تڑپنے لگتے تھے۔ گاہ لگاہ ایک دو مسلمان بھی مجروح ہو کر گھوڑوں سے گر پڑتے تھے۔

ان گرنے والوں کو لوگ فوراً ہی اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اور ان کے زخموں پر پٹی کس کر انھیں ایک طرف لٹا دیتے تھے فریقین کے سرفروش زخمی ہو رہے تھے۔ لیکن جوں جوں لوگ زخمی ہوتے تھے جنگ کا زور اور بڑھتا جاتا تھا۔

جب عصر کا وقت ہوا۔ تو محمد قاسم نے جنگ بند کر کے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ اور اب اسلامی لشکر پیچھے ہٹنے لگا۔

ہندوؤں نے اور بھی شور مچایا کہ پھرتی اور تیزی سے تیروں اور سنگ ریزوں کی بارش شروع کی لیکن اب مسلمان اس قدر پیچھے ہٹ آئے تھے کہ ان سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا تھا۔

چونکہ عصر کا وقت تنگ ہوتا جاتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے ہٹتے ہی

سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کی۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو منجنیقوں کو جنھیں وہ میدان جنگ ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ لانے کے لئے بہت سے مسلمان چلے۔ ہندو ابھی تک قلعے کی فصیل پر تاک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان منجنیقوں کو لینے کیلئے آویں گے۔

چنانچہ جوں ہی مسلمان انھیں لانے کیلئے بڑھے فوراً ہندوؤں نے غور کر کے پھر تیر افگنی اور سنگ اندازی شروع کر دی۔ اور اس کثرت سے کی کہ مسلمان کو منجنیقوں تک پہونچنا دشوار ہو گیا۔ لیکن جس طرح سے بھی ممکن ہو سکا وہ ان تک پہونچے اور انھیں کھینچ کر واپس لانے لگے۔

آخر کھینچ لائے۔ محمد قاسم نے ان کو اس حصار میں لے جانے کا حکم دیا جو انھوں نے خندق کھود کر قائم کیا تھا۔ منجنیقیں ایسی وزنی تھیں جن کو لے جانا دشوار تھا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان اپٹ گئے اور انھیں ڈھکیلتے ہوئے حصار میں لے گئے۔

اس کے بعد خیموں کو لے جایا گیا اور پھر لشکر چلا۔ اب صرف محمد قاسم اور اس کے خاص رسالہ کے چند سوار اس کے گرد باقی رہ گئے تھے۔ اس وقت آفتاب غروب ہونے کے قریب پہونچ گیا تھا۔

چونکہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ بھی حصار کو چلے لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے۔ کہ کسی نے آواز دے کر پکارا۔ وہ پھر پھر کر دیکھنے لگے۔

انھوں نے کسی شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ چونکہ جھٹ پٹا سا وقت ہو گیا تھا اور آنے والا ابھی دور تھا۔ اس لئے وہ بھی نہ سمجھ سکے کہ

وہ کون ہے۔ اور کیا کہنا چاہتا ہے۔

ان کو خیال ہوا کہ شاید کوئی مسلمان ہے جو مجروح ہو کر گھوڑے سے گر گیا ہے مگر یہ خیال فوراً ہی اس وجہ سے دور ہو گیا کہ آنے والا اس طرف سے نہ آرہا تھا۔ جس طرف جنگ ہو رہی تھی بلکہ اس کے مخالف سمت سے آرہا تھا یہ سب حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

اکیسواں باب

"ابی محمد قاسم کے حضور میں"

چونکہ آفتاب بالکل ہی حجلۂ مغرب کے قریب پہونچ گیا تھا اور اس کی آخری شعاعیں بھی سمٹ سمٹ کر فضا میں غائب ہوئی چلی جا رہی تھیں اسلئے اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اگرچہ چاندنی راتیں تھیں۔ لیکن آفتاب چھپ رہا تھا اور ماہتاب ابھی روشن نہ ہوا تھا۔ اس لئے ابھی اندھیرا ہی اندھیرا پھیلتا جاتا تھا محمد قاسم اور اس کے چند جاں نثار کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے چونکہ ان کو نماز کی جلدی تھی اس لئے وہ چاہتے تھے کہ آنے والا بہت جلد قریب آجائے تاکہ وہ معلوم کرلیں کہ وہ کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے۔ مگر وہ شخص ان سے اب بھی دور تھا۔

اگرچہ وہ بھی تیزی سے ہی بڑھا چلا آرہا تھا۔ مگر فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے پاس نہ آسکتا تھا۔ یہ لوگ ابھی آنے والے کو ہی دیکھ رہے تھے کہ اسلامی لشکر میں اذان ہو گئی

اذان کی آواز سنتے ہی سب بے قرار ہو گئے اس لئے کہ ان کو یہ مسئلہ

معلوم تھا۔ کہ جب مسلمان اذان کی آواز سنے تو سارے کام چھوڑ کر فوراً نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے۔

وہ جلد سے جلد نماز میں شریک ہونا چاہتے تھے اس کے علاوہ محمد قاسم اس لشکر کا سردار تھا اور اس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ سردار ہی نماز پڑھایا کرتا تھا۔

یہ قاعدہ اس وجہ سے مقرر کیا گیا تھا کہ سردار اس شخص کو بنایا جاتا تھا جو زیادہ پرہیزگار اور عبادت گذار ہوتا تھا۔ اس لئے اسے نماز پڑھانا تھی جس وجہ سے اسے ایک ایک سکنڈ شاق گذر رہا تھا۔

آخر خدا خدا کر کے آنے والا ہی آگیا۔ سب نے اسے دیکھا۔ وہ ہندو تھا۔ اور ہندوؤں کے مخصوص لباس میں تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہندوؤں کا کوئی خاص لباس نہ تھا۔ خاص و عام حتیٰ کہ امراء و وزراء اور راجہ تک نیم برہنہ رہتے تھے۔ گویا اس وقت ان کی تہذیب ہی یہ تھی۔

وہ ایک معمولی دھوتی جو گھٹنوں تک ہوتی تھی باندھتے تھے اور باقی جسم کھلا رہتا تھا۔ یعنی باقی بدن ننگا رہتا تھا۔ امراء و وزراء اور راجہ موتیوں اور جواہرات کے زیورات یا ہاروں سے گلے سے لے کر ناف تک بدن کو ڈھک لیا کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ نہ ہندوستان پر کوئی قوم چڑھ کر آئی تھی اور نہ ہندوؤں کو باہر جانے کا حوصلہ ہوا تھا اس لئے وہ جانتے ہی نہ تھے کہ ستر پوشی کس طرح کی ہوتی ہے اور مہذب اقوام کی معاشرت کیا ہے۔

ان کے آباؤ اجداد ننگے رہتے چلے آئے تھے لہٰذا وہ بھی ننگے رہتے تھے۔ اگر خود ستائی نہ سمجھی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں نے تہذیب

تمدن اور معاشرت میں جو کچھ ترقی کی وہ مسلمانوں ہی کی رہین منت ہے۔

خیر مطلب یہ ہے کہ جہاں ہندوؤں کی مخصوص پوشش کا ذکر آئے وہاں قارئین کرام سمجھ لیا کریں کہ صرف ایک دھوتی باندھے ہوئے تھا۔

آنے والے ہندو نے زمین تک جھک کر محمد قاسم کو سلام کیا مسلمانوں نے فوراً اسے روک کر کہا۔ ہندی برادر! اس قدر جھکنا جس سے کہ سجدہ کی شان ظاہر ہو گناہ عظیم ہے۔

ہندی نے کھڑے ہو کر کہا۔ سلام کرنے کا جو طریقہ ہمارے یہاں رائج ہے میں نے اسی طریقہ سے سلام کیا ہے۔

محمد قاسم نے کہا۔ مسلمان اس طرح سے سلام کرنے کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور اس لئے آئندہ احتیاط رکھو کسی کو اس طرح سے سلام نہ کرنا۔

ہندو خوفزدہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا بہت اچھا ایسا کروں گا۔

محمد قاسم۔ تم کس لئے آئے ہو؟

ہندو۔ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔

محمد قاسم۔ معاف کرنا۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے اس وقت میں یا کوئی مسلمان آپ سے بات تک بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر تم اتنی دیر ٹھہرو کہ ہم نماز پڑھ لیں تو پھر تم سے باتیں کر سکتے ہیں۔

ہندو۔ مگر میں اس لشکر کے سردار سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

ایک مسلمان نے کہا۔ لشکر کے سردار بھی تو یہی ہیں۔ جو کہ تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ ہندو محمد قاسم کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے کہا۔

اس تھوڑی سی اور تھا (عمر) میں آپ سردار ہو کر آئے ہیں تعجب ہے

میں نے سنا تھا کہ نو عمر سردار ہو کر آیا ہے۔ میں نے سمجھا تھا کہ کوئی نوجوان ہوگا۔ مگر آپ تو بالکل بالک (لڑکا) ہی ہیں۔

محمد قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میری عمر سترہ برس کی ہے مسلمانوں میں اس عمر کے لڑکے میدان جنگ میں داد شجاعت دیا کرتے ہیں لہذا میں بھی اپنی شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھانے کے لئے آیا ہوں۔

ہندہ۔ یہ زندہ اور ترقی یافتہ اقوام کی نشانی ہے۔ جو قوم جفاکش ہوتی ہے اس کے مرد نوجوان بڈھے بچے اور عورتیں وغیرہ سب ہی جفاکش اور بہادر ہوتے ہیں۔

محمد قاسم۔ اگر تم مجھ سے باتیں کرنے کی خواہش مند ہو۔ تو میرے ساتھ چلو۔ نماز پڑھ کر تم سے باتیں کر سکتا ہوں۔

ہندہ۔ میں نہایت ضروری باتیں کرنے کیلئے آیا ہوں۔ چلئے۔ اور آپ پہلے نماز پڑھ لیجئے۔

یہ سب چلے اور حصار میں پہونچے اذان ختم ہو چکی تھی۔ اور تمام مسلمان محمد قاسم کا انتظار کر رہے تھے۔ محمد قاسم بھی پہونچ گیا۔ اور اس نے جلدی جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کی۔

ہندہ ایک طرف کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ ہزاروں مسلمان تھے جو کہ دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ کئی صفیں تھیں۔

جب سب کھڑے ہوتے۔ رکوع اور سجدہ میں جاتے تو عجب دلفریب منظر ہوتا ہندہ نہایت حیرت و استعجاب سے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب نماز ختم ہو گئی تب محمد قاسم اسے اپنے ہمراہ لے کر اپنے خیمے پر آیا۔

ہندوستان کے راجہ ہی نہیں بلکہ سردار اور امیر نہایت ٹھاٹھ سے رہتے تھے مسندوں پر بیٹھتے تھے یہ دوسری بات کہ وہ لباس نہ پہنتے تھے مگر تمول ظاہر کرنے کیلئے جواہرات کے زیورات ضرور استعمال کرتے تھے ہندو کا یہ خیال تھا کہ مسلمان کا سپہ سالار بھی نہایت شان و شوکت سے رہتا ہوگا۔ لیکن جب وہ ان کے خیمہ پر پہونچا اور اس نے دیکھا۔ کہ خیمے کے اندر صرف کمبلوں کا فرش ہو رہا ہے۔ نہ مسند ہے نہ تکیہ ہے نہ روشنی ہے تو وہ حیران رہ گیا۔

محمد قاسم کے خیمہ کے سامنے آگ روشن ہو رہی تھی۔ آگ کی روشنی کا عکس خیمہ میں پڑ رہا تھا۔ اس عکس سے ہی کچھ اجالا ہو رہا تھا۔

محمد قاسم ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس نے ہندو کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اشارہ پاتے ہی ہندو بھی بیٹھ گیا۔

اس نے بیٹھتے ہی کہا۔ میں نے سنا تھا کہ مسلمان مالدار ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ نہایت شان و بدبدے رہتے ہونگے۔ لیکن اب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ معاملہ ہی برعکس ہے۔

محمد قاسم نے کہا۔ ہمارے نبیؐ حضرت محمدؐ جن کے نئے دنیا بنی نہایت سادہ طریقہ سے رہتے تھے۔ کبھی آپ نے ریشم نہ پہنا تھا۔ اور نہ کبھی کوئی زیور ہی استعمال کیا کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا۔ کبھی گداز و نرم بستر پر نہیں سوئے حالانکہ اگر آپ چاہتے تو بہترین ریشم کی پوشاکیں بیش قیمت زیورات پہن سکتے تھے۔ اچھے سے اچھا کھانا کھا سکتے تھے۔ مگر آپ نے ان تمام دنیاوی تکلفات کو برا سمجھا۔ اس لئے ہم مسلمان ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اور مسلمان وہی ہے جو رسول خدا کے طریقہ پر چلے۔

ہندو۔ بلاشبہ ہر مذہب والے کو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہی چلنا چاہیے۔

محمد قاسم۔ تم کون ہو؟

ہندو۔ میں ایک پنڈت ہوں۔ اور میرا نام ابی ہے اور میں اس سندھ کا پجاری ہوں۔ جو سب سے اونچا اور قلعہ کے باہر سے نظر آتا ہے۔

محمد قاسم۔ آپ کس لئے آئے ہیں؟

ابی۔ اس لئے کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے امان حاصل کروں۔

محمد قاسم۔ آپ کو امان حاصل کرنے کا خیال کیوں ہوا؟

ابی۔ اس لئے کہ ہماری جوتش کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ملک سندھ کو مسلمان فتح کر لیں گے۔

محمد قاسم۔ کیا تمہارا راجہ داہر اس بات کو نہیں جانتا؟

ابی۔ اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن برا وقت آنے والا ہے اور اس وجہ سے اس کی عقل جاتی رہی ہے

محمد قاسم۔ اچھا میں تم کو اور تمہارے اہل وعیال کو نیز اس شخص کو جس کی طرف تم اشارہ کروگے امان دیتا ہوں۔

ابی یہ سن کر نہایت مشکور ہوا اور اس نے کہا۔

میں نے یہ بھی سنا تھا کہ مسلمان نہایت نیک ہوتے ہیں۔ اور میں نے آج دیکھ لیا ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں

محمد قاسم۔ کیا اور کچھ بات کہنا ہے؟

ابی۔ آپ کی خوش اخلاقی دیکھ کر میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کو دو

طریقہ بتا دوں جس سے کہ آپ دیبل کا قلعہ فتح کریں۔

محمد قاسم۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ ہم اس صلہ میں آپ کی خدمت بھی کرنے کیلئے تیار ہیں۔

ابی۔ اس کی ضرورت نہیں ہے آپ نے مجھے اور میرے بچوں کو امان دے دی ہے۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا بتائیے۔ قلعہ کس طرح سے فتح ہو گا۔؟

ابی۔ آپ نے وہ جھنڈا دیکھا ہے جو کہ مندر کے اوپر لہرا رہا ہے جس کے چار پھریرے سارے قلعہ پر اڑتے رہتے ہیں۔

محمد قاسم۔ ہاں دیکھا ہے۔

ابی۔ دیبل کے ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ جب تک وہ جھنڈا قائم رہے گا اس وقت تک دیبل کو کوئی فتح نہ کر سکے گا۔ اگر آپ کسی طرح سے اس جھنڈے کو گرا دیں تو اسی وقت دیبل والے اپنی شکست مان لیں گے اور قلعہ آپ کے سپرد کر دیں گے۔

محمد قاسم۔ انشاء اللہ میں کل ہی جھنڈے کو اڑا دوں گا

ابی۔ بس تو کل ہی آپ کو فتح ہو جائے گی۔

محمد قاسم۔ میں آپ کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیا مہربانی کر کے آپ مجھے ایک بات بتا دیں گے۔؟

ابی۔ کیا۔

محمد قاسم۔ آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک پر کیوں لشکر کشی کی ہے؟

ابی۔ میں نے سنا ہے کہ داہر کے سپاہیوں نے چند مسلمانوں کو

گرفتار کر لیا ہے۔ اور ان کو آزاد کرنے کیلئے آپ حملہ آور ہوئے ہیں۔

محمد قاسم۔ آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔ یہ لشکر ان کو ہی رہائی دلانے کیلئے آیا ہے۔

ابی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں آپس میں بہت زیادہ الفت و محبت ہے۔

محمد قاسم۔ ہر مسلمان ہر مسلمان کا بھائی ہے ایک بھائی یہ کیسے دیکھ سکتا ہے کہ دوسرا بھائی مصیبت میں گرفتار ہے۔

ابی۔ بے شک بھائی کبھی اپنے بھائی کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا

محمد قاسم۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمان بھی اسی قلعہ میں ہیں۔

ابی۔ آپ نے ٹھیک سنا ہے کہ مسلمان سندر کے قریب ایک گنبد ہے اس کے تہ خانہ میں قید ہیں۔ اور میں ہی ان کا محافظ و خبر گیر ہوں نیز ان کے ہی کہنے سے مجھے حوصلہ ہوا ہے کہ میں امان مانگنے آپ کے پاس چلا آیا۔

محمد قاسم۔ وہ سب تو اچھی طرح سے ہیں۔

ابی۔ ہاں اچھی طرح ہیں۔

محمد قاسم۔ ان سے کہہ دیجئے گا۔ کہ ہم انھیں چھڑانے کیلئے آئے ہیں۔

ابی۔ انہیں خود یہ بات معلوم ہے۔

محمد قاسم۔ بس تو آپ ان سے ہمارا سلام کہہ دیجئے۔

ابی۔ بہت بہتر۔ اچھا آپ مجھے اجازت دیجئے۔

محمد قاسم۔ چونکہ آپ ہماری امان میں آ گئے ہیں اس لئے آپ کی حفاظت ہم پر فرض ہو گئی ہے میں آپ کے ہمراہ کچھ سوار کئے دیتا ہوں تاکہ وہ آپ کو قلعہ تک پہونچا آویں۔

ابی ۔ یہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی چلا جاؤں گا۔

محمد قاسم ۔ آپ کی مرضی۔

اب ابی اٹھا اور سلام کر کے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد محمد قاسم بھی آرام کرنے کیلئے لیٹ گیا۔

بائیسواں باب

"عصمت مآب دوشیزہ"

راجہ داہر اور رانی لاڈی جس وقت طاہرہ کے کمرے میں سے چلے گئے۔ تو اس نے خود ہی تمام زیورات ۔ تلوکہ اور ساڑھی وغیرہ سب اتار کر رکھ دیئے اور اپنے میلے کپڑے پہن لئے۔

طاہرہ کو عزیزوں کے چھٹنے کا افسوس تھا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ جو لوگ دیبل میں رہ گئے تھے ان کا کیا حشر ہوا۔ جب راجہ داہر اسے زبردستی اپنے رتھ میں ڈال کر دیبل سے لایا تھا۔ اس وقت اسلم فرط رنج و قلق سے بیہوش ہو گیا تھا۔

اسے اسلم سے محبت تھی۔ پھر اس کا حال نہ معلوم ہوا تھا۔ اس وجہ سے وہ اور بھی غمزدہ رہتی تھی۔ یہاں ابھی تک اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی تھی نہایت آرام سے رہتی تھی۔ جو آسائش کا سامان رانیوں کے لئے تھا وہی اس کے لئے بھی تھا۔ مگر وہ مسلم دوشیزہ تھی۔ اس نے ان لوگوں میں پرورش پائی تھی۔ جو نہایت سادہ طریقہ پر رہتے تھے۔ معمولی کپڑا پہنتے تھے۔ اور بہت کم زیورات استعمال کرتے تھے۔

طاہرہ کو شروع ہی سے نہ کپڑوں کا شوق تھا۔ نہ زیورات کا وہ بچپن ہی سے ان چیزوں کی طرف راغب نہ تھی۔

معمولی قسم کے کپڑے اور معمولی زیورات پہنتی تھی۔ اور چونکہ خدا نے اسے حسن کی دولت سے مالا مال کر رکھا تھا اس وقت سے وہ ہر حالت میں حسین و جمیل معلوم ہوتی تھی۔

جو عورتیں یا لڑکیاں اچھے کپڑے۔ اچھے زیورات اور اچھے کھانوں کی خواہشمند ہوتی تھیں۔ ان کو اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا۔ ان کی نیتیں بھٹکتی رہتی ہیں اور بدنیتی کی وجہ سے ایمان میں خلل آجاتا ہے

عورتوں کا بہترین زیور ان کی عصمت و عفت اور نیکی۔ پرہیزگاری نیز عبادت گذاری ہے۔

آنحضور صلعم کی پیاری بیویاں نے جو امہات المومنین (تمام مسلمانوں کی مائیں تھیں) اور جن کے لئے اعلیٰ قسم کے زیورات اور اعلیٰ قسم کے کپڑے تیار ہو سکتے تھے۔ کبھی اچھے کپڑے اور اچھے زیورات نہیں پہنے۔

حضورؐ کی صاحبزادی خاتون جنت حضرت فاطمہؓ نے جن کے ایک ادنی اشارہ پر سب کچھ مہیا ہو سکتا تھا کبھی اچھے کپڑے نہ پہنے۔ اچھے زیورات اور اچھا کھانا کھانے کی خواہش تک نہ کی تھی۔ نیز اور بھی جس قدر ولی اللہ بیبیاں گذری ہیں وہ سب معمولی کپڑے اور معمولی زیورات پہنتی تھیں۔

جب ایسی خواتین نہایت سادے طریقہ سے رہتی تھیں تو کون مسلم خاتون اور لڑکی ہے جو سادہ رہنا پسند نہ کرے گی اور جو تکلفات کو پسند کرے ضرور اس کے ایمان میں کچھ نہ کچھ کمزوری ہوگی مسلمان عورت ہو یا مرد لڑکا ہو یا لڑکی! سچا مسلمان وہی ہے جو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلے۔

طاہرہ نے لاوی کے جانیکے بعد دو ہی روز بعد اپنے کپڑے تیار کرلئے اور تیسرے روز کپڑے بدل کر ایک جوڑا اور تیار کرنے لگی

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ طاہرہ ریشمیں کپڑوں کو پسند نہ کرتی تھی لیکن وہاں اسے ریشمیں کپڑے ہی ملے اور اسے مجبوراً انہی کی پوشاک ہی کو پہننا پڑی۔ ان ریشمیں کپڑوں میں وہ اور بھی شعلۂ جوالہ بن گئی۔ اس کا رنگ پھوٹ نکلا۔ اور وہ رشک حور بن گئی۔

اگرچہ وہ بلا روک ٹوک نماز پڑھتی تھی۔ مگر اسے یہ افسوس تھا کہ وہ کفرستان میں آگئی تھی۔ صبح آفتاب طلوع ہونے کے وقت اور رات کو آفتاب غروب ہونے کے بعد دیر بعد سارے محل میں جھانجھ ناقوس اور گھنٹے بجنے لگتے تھے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ محل کے چاروں طرف ہر دوائی کا مندر جدا جدا بنا ہوا تھا۔ ہر مندر میں دونوں وقت ناقوس اور گھنٹے بجنے لگتے تھے یہ آوازیں طاہرہ کو ناگوار گذرتی تھیں لیکن وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ دو تین روز گذرنے کے بعد اس نے ایک جوڑا اور تیار کر لیا۔ اس کے بعد تیسرا سینے لگی۔ دراصل اسے کوئی شغل چاہیئے تھا۔ اور وہ اسی شغل میں محو تھی دن بھر اپنے کمرے میں بیٹھی سیتی رہتی تھی اور عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی تھی۔ اگرچہ راجہ داہر نے اسے بہت سے بیش قیمت زیورات دے رکھے تھے۔ اسکے علاوہ وہ لمائی لاوی کے وہ تمام زیورات اسکے پاس تھے جو اس نے خود لاکر اسے پہنائے تھے مگر اس روز کے بعد اس نے پھر کبھی کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ تمام زیورات کو نہایت احتیاط سے رکھ دیا تھا۔ راجہ داہر نے جو کنیزیں اس کی خدمت پر مامور کی تھیں وہ بے کار بیٹھی رہتی تھیں۔

طاہرہ کبھی کسی سے کام نہ لیتی تھی۔ بلکہ ہر کام خود ہی کر لیتی تھی۔ یہ کنیزیں اگرچہ سندھی تھیں مگر۔ ان کو طاہرہ سے بیحد محبت ہو گئی تھی اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی بیٹھی رہتی تھیں اور اسے چھیڑ چھیڑ کر ہنسانے کی کوشش کرتی تھیں مگر طاہرہ کو ہنسی نہ آتی تھی۔ وہ بالکل اسطرح قید میں تھی جیسے ایک خوبصورت چڑیا کو پنجرے میں بند کر دیا جائے۔

ایک روز وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کپڑے سی رہی تھی۔ دو تین کنیزیں اس کے پاس آ بیٹھیں۔ آفتاب کو طلوع ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا زم گرم دن تھے آفتاب کی شعاعیں سامنے والے دریچوں سے آ آ کر اس کے روشن چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ جس سے اس کے چہرے میں بجلیاں سی بھر گئیں تھیں اور وہ بہت زیادہ چمکنے لگا تھا کنیزیں اس کے جگمگاتے ہوئے چہرہ کی طرف دیکھ رہی تھیں وہ مسند پر بیٹھی سر جھکائے تلوار سی رہی تھی کہ راجہ داہر آ گیا۔ وہ دبے قدموں آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور بوالہوسانہ نظروں سے طاہرہ کے دلفریب چہرہ کو دیکھنے لگا تھا۔ طاہرہ کو اس کے آنے کی مطلق خبر نہ ہوئی اور وہ برابر سر جھکائے سیتی رہی اتفاق سے کنیزوں کی نظر راجہ پر پڑ گئی وہ گھبرا کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں

ان کے گھبرا کر اٹھنے سے طاہرہ کی نظریں بھی اٹھ گئیں اور اس نے بھی راجہ داہر کو دیکھ لیا۔ وہ بھی گھبرا گئی اور اس کے چہرے کا شہابی رنگ اڑنے لگا اور تنفس کی رفتار اس طرح تیز ہو گئی جیسے وہ دور سے دوڑتی ہوئی آئی ہے نازک لبوں پر خشکی دوڑنے لگی۔ وہ بے پروائی کے عالم میں بیٹھی تھی مگر اسے دیکھتے کے ساتھ ہی سمٹ کر بیٹھ گئی۔

اب راجہ داہر بڑھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ طاہرہ بیٹھی رہی

اور سر جھکائے ہوئے کپڑے کی طرف دیکھنے لگی۔

داہر بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور وہ گرم نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا۔

تم سی رہی ہو طاہرہ۔

طاہرہ اس سے ہم کلام ہونا نہیں چاہتی تھی لیکن خاموش رہنے سے بد اخلاقی سمجھ کر اس نے کہا۔ ہاں میں سی رہی ہوں۔

داہر۔ ان کنیز والے کیوں نہیں سلوایا۔

طاہرہ میں اپنا کام خود کرنا پسند کرتی ہوں۔

داہر۔ مگر تم نے زیورات کیوں نہیں پہنے۔

طاہرہ۔ اس لئے کہ مجھے زیورات سے رغبت نہیں ہے۔

داہر۔ مگر ایک روز تو تم نے پہن رکھے تھے

طاہرہ۔ مہارانی لاڈی نے اصرار کر کے پہنا دیئے تھے۔

داہر۔ آج میرے کہنے سے پہن لو۔

طاہرہ۔ نہیں میں نے اب زیورات نہ پہننے کا تہیہ کر لیا ہے۔

داہر نے کنیزوں کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ جس سے پایا جاتا تھا کہ وہ انہیں وہاں سے ٹالنا چاہتا ہے۔

کنیزیں یہ دیکھ کر فوراً سمجھ گئیں اور اٹھ اٹھ کر چلی گئیں

اب داہر ذرا اور طاہرہ کے قریب ہو گیا۔ اور اس نے کہا۔ طاہرہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے ...... ایسی محبت کہ آج تک کبھی کسی سے نہ ہوئی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ملک سندھ کی مہارانی بنو اور تمہارے سامنے تمام رعایا کا سر خم کراؤں۔

طاہرہ نے کہا۔ میں اس اعزاز کے قابل نہیں ہوں اور نہ ہی میں اسے پسند کرتی ہوں۔

داہر۔ تم اس سے زیادہ اعزاز کے قابل ہو۔ تم کو شاید معلوم نہیں کہ کس قدر خوبصورت ہو۔ . . . . . . تم اس قابل ہو کہ ساری دنیا پر حکومت کرو۔ سارا زمانہ تمہارے قدموں پر سر جھکائے۔

طاہرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ داہر نے پھر کہا۔ میں نے آج تک تم سے بڑھ کر تو کیا تم جیسی حسینہ بھی نہیں دیکھی۔ اور اگرچہ میری کئی رانیاں ہیں اور ہزاروں خوبصورت کنیزیں ہیں۔ مگر وہ سب تمہارے سامنے ایسی ہیں جیسے کہ چاند کے سامنے ستارے۔ تم میری بن جاؤ اور میں تمہارا پرستار بن جاؤں۔

طاہرہ ! اب بھی خاموش رہی۔ داہر نے بڑھ کر اس کے نازک ہاتھ پکڑنا چاہے۔ مگر طاہرہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ اسے سخت غصہ آگیا۔ اور اس نے تیز نظروں سے داہر کو دیکھ کر کہا۔ یہ کیا حرکت . . . . . ؟

داہر جھجکا لیکن جانتا تھا کہ طاہرہ اس کی قیدی ہے۔ اہذا اس نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ غصہ نہ کرو طاہرہ آخر تو تم کو میری رانی بننا ہی ہے۔

طاہرہ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ چھوڑ دو۔

داہر نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ضد نہ کرو۔ تم میری قیدی ہو!

طاہرہ۔ اوہ ! ہٹو ہٹو !! مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔

داہر نے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ طاہرہ ! بے وقوف نہ بنو اگر تم میری مرضی پر چلو گی تو دنیا کی دولت، عزت، ناموری، حشمت تمہارے

قدموں پر ہو گی۔

طاہرہ نے پیچ و خم کھاتے ہوئے کہا۔ آہ! میں کچھ نہیں چاہتی مجھے سب سے زیادہ اپنی عصمت عزیز ہے اور اسے ہی چاہتی ہوں۔

داہر نے بگڑتے ہوئے کہا۔ عصمت! نادان لڑکی عصمت کے رہتے ہوئے عزت اور دولت نہیں مل سکتی۔

طاہرہ۔ اور مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

داہر۔ اگر تم بخوشی رضامند نہ ہو گی تو پھر جبر کیا جائے گا۔

طاہرہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اس نے جوش غضب سے بھر کر کہا۔ جبر!...... جبر! تم جبر کر کے میری جان لے سکتے ہو مگر عصمت نہیں لے سکتے۔

داہر بھی غصہ سے بھر کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے کہا۔ مگر تیری عصمت اسی وقت تاراج کی جائے گی۔

یہ کہتے ہی اس نے طاہرہ کو پکڑ کر اپنے قابو میں کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے اس کا منہ اوپر اٹھایا۔

طاہرہ یہ سمجھ کر کہ وہ اس کا منہ چومنا چاہتا ہے تڑپ گئی۔ اس نے اپنی پوری قوت صرف کر کے زور لگایا۔ لیکن وہ نازک اندام تھی۔ اور داہر کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی۔

داہر اپنا منہ اس کی طرف بڑھاتا جا رہا تھا۔ اس پر شیطان سوار ہو گیا تھا۔ اور وہ خواہشات سے مغلوب و مجبور ہو رہا تھا۔ اب طاہرہ نے بصد مشکل اپنے ہاتھ چھڑا لئے۔ اور اس نے اپنے سینے کے پاس ہاتھ لے جا کر خنجر کھینچا۔

جونہی داہر کی نظر خنجر پر پڑی۔ وہ گھبرا گیا۔ اور اس نے جلدی سے اسے

چھوڑ دیا۔ طاہرہ ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ چونکہ اس نے اپنی رہائی کے لئے جد جہد کی تھی اس لئے اس کا سانس پھول گیا تھا اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

نتھنے پھڑک رہے تھے وہ اس وقت اور بھی حسین معلوم ہونے لگی تھی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا اور وہ خنجر لئے کھڑی تھی۔ داہر کھڑا اسے نہایت غضبناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور گھور رہا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے تلوار کھینچی اور کہا۔ کیا تو چاہتی ہے طاہرہ کہ میں تیرا خاتمہ کر دوں۔

طاہرہ نے کہا۔ بے عزتی کی زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے۔

داہر۔ اب بھی سمجھ لے ایک طرف دولت ہے عزت ہے اور دوسری طرف موت ہے ذلت ہے۔

طاہرہ۔ جس کو تم ذلت کہتے ہو وہ عصمت مآب کے لئے عزت ہے اور جسے تم موت کہتے ہو وہ عزت کی زندگی ہے۔

داہر نے بگڑ کر کہا۔ اچھا! تم مرنا ہی چاہتی ہو تو تیار ہو جاؤ۔

طاہرہ نے کہا۔ ہاں! تیار ہوں۔

داہر تلوار لے کر بڑھا اس کا خیال تھا کہ طاہرہ ڈر جائے گی لیکن وہ مطلق بھی نہ ڈری۔ اور خنجر ہاتھ میں لئے بدستور کھڑی رہی۔ داہر نے اس کے قریب جا کر اس پر تلوار کا ہاتھ مارا

طاہرہ جلدی سے اچھل کر وہاں سے دور جا کھڑی ہوئی داہر پھر اس کی طرف لپکا اور اس نے پھر حملہ کرنا چاہا۔

وقت آواز آئی کہ ٹھہر و داہر۔

اس آواز کو سن کر داہر اور طاہرہ دونوں آئینہ دار حیران کھڑے کے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

تئیسواں باب

"شیران اسلام کی جانبازانہ یورش"

جب پنڈت اپا۔ محمد قاسم سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ تو وہ آرام کرنے لگا تھوڑی دیر کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر آیا اور غلام کو بھیج کر جعوبہ کو بلایا یہ ایک پرجوش مجاہد تھا۔ وہ عروسک نامی منجنیق کو چلایا کرتا تھا۔

غالباً ناظرین کرام بھولے نہیں ہوں گے کہ منجنیق عروسک خلیفہ ولید کی تھی۔ جو خاص طور پر اس مہم کے لئے بھیجی گئی تھی۔

جب جعوبہ آگیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ تب محمد قاسم نے اس سے دریافت کیا۔ تم نے وہ جھنڈا دیکھا ہے جو دیبل کے مندر پر لہرا رہا ہے؟

جعوبہ نے جواب دیا۔ جی ہاں دیکھا ہے۔ آپ شاید اس جھنڈے کا ذکر کر رہے ہیں جو کہ تمام قلعے پر لہراتا ہے۔

محمد قاسم۔ ہاں! میں اسی کا ذکر کر رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس جھنڈے کو توڑ کر گرا دو۔

جعوبہ۔ جی ہاں! ممکن ہے۔ لیکن جھنڈے کے توڑنے سے کیا ہوگا؟

محمد قاسم۔ یہ ہندو توہم پرست ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ جب تک یہ جھنڈا قائم رہے گا۔ اس وقت تک کوئی طاقت بھی قلعہ کو فتح نہ کر سکے گی۔

جوبہ۔ خوب! تو اطمینان رکھئے! انشاء اللہ میں اسے کل ہی اڑا دونگا

محمد قاسم۔ بس تو اسی لئے تم کو طلب کیا گیا تھا۔ آج رات میں تم منجنیق کو دیکھ لو اگر درستی کی ضرورت ہو تو درست کر لو۔

جوبہ۔ میرے خیال میں منجنیق ٹھیک ہی ہے۔ لیکن پھر بھی احتیاطاً اسے ضرور دیکھ لوں گا۔

محمد قاسم۔ میرا مقصد یہی ہے۔

جوبہ۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ منجنیق اتنی بڑی ہے کہ پانچ سو آدمی تو اس کو آگے سے ڈھکیلتے ہیں اور پانچ سو آدمی ہی اس کی زنجیریں کھینچ کر اسے چلاتے تھے۔

محمد قاسم۔ میں خوب جانتا ہوں تم کو ایک ہزار سوار دیئے جائیں گے

جوبہ۔ بہتر ہے! اچھا تو مجھے اجازت دیجئے۔

محمد قاسم۔ ہاں جاؤ۔

جوبہ سلام کر کے چلا گیا۔ محمد قاسم کھانا کھا کر سو رہا۔ صبح سویرے ہی تمام لشکر اٹھا۔ ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ہی مسلح ہو کر حصار سے باہر نکلنے لگے۔

آج محمد قاسم نے اعلان کر دیا تھا کہ ہر مجاہد پورے ساز و سامان سے اور تمام کمال و جوش و خروش سے نکلے۔ ساز و سامان میں سیڑھیاں فصیل توڑنے کے اوزار کمندیں۔ غرض کہ تمام ضروری سامان لے لیا گیا تھا۔

آج اس نے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور ان حصوں میں سے ایک پر جہم کو اور دوسرے پر محل بن عبد الملک بصری کو تیسرے

پر مجاشع بن ثوبہ کو افسر مقرر کر کے جو نئے دستہ کو اپنے تحت میں رکھا تھا نیز جعونہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

ان افسروں میں سے مجاشع کو قلعہ کے جنوب کی طرف خریم کو شمال کی عمیل کو مغرب کی سمت مقرر کیا تھا۔ اور خود مشرق کی جانب رہا تھا ان افسروں کو جانے سے پہلے اس نے ہدایت کر دی تھی کہ جس وقت تم دیکھو کہ مندر پر اڑنے والا جھنڈا گرا دیا گیا ہے فوراً قلعہ پر حملہ کر کے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرنا۔

چنانچہ لشکر کے چار حصہ ہو گئے۔ اور چاروں حصے قلعے کے چاروں طرف روانہ ہوئے۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو ان پر تیروں اور پتھروں کی بارش کرنے کے لئے مستعد ہو بیٹھے۔

چونکہ مسلمان قلعہ کے چاروں طرف پھیل گئے تھے اس لئے انہوں نے بھی فصیل پر چاروں طرف اپنے سپاہی پھیلا دیئے تھے۔

مسلمانوں نے ہر سمت اپنے دستے کھڑے کر دیئے تھے۔ اور جھنڈا اڑائے جانے کا انتظار کرنے لگے تھے۔

چونکہ وہ قلعہ سے اتنے فاصلہ پر کھڑے تھے کہ ان تک ہندوؤں کے تیر اور پتھر نہ پہونچ سکتے تھے۔ اس لئے فصیل والے بھی کھڑے ہوئے انھیں دیکھ رہے تھے۔ مگر وہ خاموش نہ تھے بلکہ زور زور سے چیخ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان کے شور سے ان کے رعب میں آ جائیں گے مگر وہ اس خیال میں اپنے آپ ہی کو فریب دے رہے تھے۔

مسلمان شور شغب سے کہاں ڈرنے والے تھے۔ اب ایک ایک منجنیقیں بھی چاروں طرف لگا دی گئیں تھیں۔ مگر ابھی ان سے بھی

سنگ اندازی شروع نہ کرائی گئی تھی۔

ہندو حیران تھے مسلمانوں کے خاموش کھڑے رہنے کی وجہ سے اور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ مندر پر گڑا ہوا جھنڈا گردش کر رہا تھا اور اس کے پھریرے چاروں طرف فصیل سے ملے ہوئے چکر لگا رہے تھے

یہ پھریرے اتنے عظیم الشان اور چوڑے تھے کہ ان کو دیکھنے سے ہیبت ہوتی تھی ان کی سائیں سائیں کی آواز دور تک جا رہی تھی حتیٰ کہ مسلمان بھی سن رہے تھے۔

جب آفتاب کسی قدر بلند ہوگیا تو عروسک نامی منجنیق کو حرکت ہوئی تقریباً پانچ سو سپاہی اسے پیچھے سے ڈھکیلتے ہوئے چلے یہ منجنیق اچھا خاصہ چھوٹا سا ایک قلعہ تھا۔ لکڑی کا بنا ہوا۔

جس کے سامنے کی طرف اور چھت پر لوہے کے باریک چادر چڑھی ہوئی تھی۔ لوہے کے سپاٹ پہیے تھے۔ اور اتنے اونچے تھے کہ ان کا قطر تقریباً دو گز کے تھا۔

نہایت اونچی اور مضبوط منجنیق تھی۔ اور اتنی بھاری کہ پانچ سو آدمی بھی مشکل ہی سے اسے ڈھکیلتے تھے۔ کچھ آدمی اس کے پیچھے نہایت وزنی پتھروں کو لوہے کی سلاخوں سے کھینچتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

یہ پتھر دس دس پندرہ پندرہ من کے وزنی تھے۔ اس منجنیق کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر ہندوؤں نے اور بھی زور سے شور مچانا شروع کردیا اور ساتھ ہی سنگریزے بھی برسانے شروع کر دیئے۔ لیکن سپاہی منجنیق کے پیچھے تھے اس لئے ان میں سے کسی کو بھی پتھر نہ لگتا تھا۔

وہ نہایت اطمینان سے بڑھتے چلے جا رہے تھے کچھ دیر کے بعد محمد قاسم

نے نعرہ لگایا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دستہ نے بھی نعرہ لگایا۔

اس کے نعرہ کی آواز شمال اور جنوب والوں نے سنی تو وہ سمجھ گئے کہ حملہ شروع ہو گیا ہے لہذا انہوں نے بھی نعرے لگا لگا کر منجنیقوں کو بڑھانا شروع کر دیا۔ ان کا نعرہ سن کر مغرب کی جانب والوں نے بھی وہی کیا جو انہوں نے کیا تھا۔ اس طرح سے چاروں طرف سے ایک ہی ساتھ منجنیقیں بڑھیں اور عماکر اسلامیہ نے حرکت کی

ہندؤوں نے ہر طرف اندھا دھند سے پتھر پھینکنے شروع کئے اور مسلمان ڈھالوں کے سائے میں بڑھنے لگے۔

جعونہ عروسکیا کے اندر بیٹھے ہوئے روزنوں میں سے جھانکتے جا رہے تھے۔ وہ موقعہ کی تلاش میں تھے کچھ دور چلنے کے بعد انھوں نے منجنیق کو ٹھہرالیا اور خود نیچے اتر آئے۔

اب انھوں نے سنگ اندازی کی شہتیرہ کو درست کیا اور اس میں پتھر رکھنے کیلئے کہا۔ پندرہ بیس آدمیوں نے مل کر ایک وزنی پتھر اٹھایا اور اس میں رکھ دیا تقریبًا پانچ سو آدمی زنجیروں کو لپٹ گئے اور انھیں کھینچنے لگے۔

جب انھوں نے پوری طاقت صرف کی تب جا کر کہیں شہتیر کو حرکت ہوئی اور وہ تختہ جس پر پتھر رکھا ہوا تھا آگے پیچھے ہٹنے اور بڑھنے لگا۔

جعونہ نے سندر کی شست کی اور تختہ کو اس طرف کر کے چھوڑ کا دس پندرہ من کا پتھر تختہ میں سے نکل کر فضا کو چیرتا ہوا شوں کرتا نکلا۔ تختہ کے مانند چلا مسلمانوں نے دیکھنا شروع کیا اور ہندو بھی دیکھنے لگے۔

پتھر فصیل پر پہونچا اور راستے عبور کرکے سندر کی طرف لپکا ہندو اور مسلمان دونوں اسے اڑ کر جاتے ہوئے دیکھنے لگے تھے پتھر بڑے زور شور سے

سے جار ہا تھا۔ آخر وہ مندر کے کلس سے نیچے بڑے زور سے ٹکرایا۔

نہایت ہولناک طریقہ پر تڑاخ کی آواز ہوئی اور مندر کا وہ حصہ جس پر جھنڈا نصب تھا ٹوٹ کر گرا۔ اس کے گرتے ہی جھنڈا بھی اچھل کر قلعہ کے اندر ہی گر گیا۔ کئی آدمی مندر کے ملبہ کے نیچے آکر دب گئے اور دبتے ہی بغیر ایک لفظ منہ سے نکالے مر گئے اس اچانک واقعہ سے ہندو حیران و پریشان ہو گئے جب ان کی حیرت دور ہوئی تو وہ سخت غمزدہ ہوئے۔

جب دیبل کا قلعہ بنایا گیا تھا اسی وقت یہ جھنڈا بنا تھا۔ اگرچہ اس کے پھریرے خراب ہونے پر تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔ مگر جھنڈا وہی تھا یہ جھنڈا ابھی نہ گرایا گیا تھا۔

نہ قلعہ فتح ہوا تھا اسلئے ہندوؤں کا یہ خیال ہو گیا تھا کہ جب تک یہ جھنڈا مندر پر کھڑا رہے گا اس وقت تک قلعہ فتح نہ ہو سکے گا۔

آج مندر کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا تھا۔ اور جھنڈا گر گیا تھا۔ اس وجہ سے وہام پرست ہندوؤں کے دل ڈوب گئے تھے۔ اور انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب قلعہ یقیناً فتح ہو جائے گا۔

حالانکہ یہ ان کا احمقانہ خیال تھا۔ ان کے پاس اس وقت اتنا لشکر تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کھلے میدان میں نکل کر کر سکتے تھے نیز اگر ذرا بھی جرأت و ہمت سے کام لیتے تو شاید مسلمانوں کو ہی پیچھے ہٹ کر خندقوں کے حصار میں پناہ لینی پڑتی۔

ان کے پاس تقریباً بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی تھے۔ مسلمان صرف چھ ہزار ہی تھے مگر اتنی بڑی تعداد کے ہوتے ہوئے بھی انہیں قلعہ سے باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔

اب جب کہ جھنڈا گر گیا تھا بالکل ہی ان کے حوصلے پست ہو گئے ہمتیں ٹوٹ گئیں اور دل شکستہ ہو گئے ادھر مسلمانوں نے جھنڈے کے گرتے ہی پر شور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور ہر طرف سے بڑھنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی تیروں کی باڑیں مارنے لگے۔

ہندو اور بھی سراسیمہ ہو گئے۔ بدحواسی نے ان پر قبضہ کر لیا مگر اس کے باوجود وہ فصیل پر سے نہ ہلے۔ بلکہ بدستور کھڑے تیروں اور سنگریزوں کی بارش کرتے رہے۔

سمنی فصیل پر دوڑا دوڑا پھر رہا تھا اور سپاہیوں کی ہمتیں بڑھا بڑھا کر انھیں تیر افگنی اور سنگ اندازی کی ترغیب دے رہا تھا۔ چنانچہ کچھ اس کے کہنے سننے سے کچھ قلعہ کو بچانے کی غرض سے ہندو نہایت پھرتی سے تیر چلا اور سنگریزے پھینک رہے تھے۔

مسلمان ڈھالوں کی آڑ لیے خود کو اور گھوڑوں کو بچاتے ہوئے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ نہ تیر چلا رہے تھے اور نہ پتھر پھینک رہے تھے۔ بلکہ دونوں ہاتھوں میں ڈھالوں کو مضبوط پکڑے بڑھ رہے تھے۔

البتہ ان کی منجنیقیں قدم قدم بڑھ رہی تھیں اور جلدی جلدی پتھر برسا رہی تھیں مگر ان کے پتھر کارگر نہ ہوتے تھے۔ کچھ تو فصیل تک ہی نہ پہونچتے تھے درمیان میں ہی گر جاتے تھے اور جو فصیل تک پہونچ بھی جاتے تھے وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر جاتے تھے۔

عروسک سے جو پتھر پھینکا جاتا تھا وہ یا تو قلعہ کے اندر جا کر پڑتا تھا یا فصیل کے اوپر اور ان پتھروں کے نیچے جو شخص یا جو چیز بھی آ جاتی تھی ریزہ ریزہ ہو جاتی تھی عروسک کی حشر انگیزی دیکھ کر اس طرف سے ہندو

ہٹنے لگے تھے مگر وقت یہ تھی کہ عرصہ تک آدھ گھنٹہ میں ایک پتھر پھینکتی تھی اس لئے وہ بھی کچھ زیادہ کارآمد نہ تھی مسلمان ہندوؤں کے تیروں اور پتھروں سے مجروح ہو رہے تھے اکثر شہید ہو ہو کر بھی گر رہے تھے مگر نہ ان کے قدم پیچھے ہٹتے تھے نہ رکتے تھے بلکہ برابر آگے ہی بڑھ رہے تھے

حالانکہ تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ اس کثرت سے ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کو ایک قدم بھی بڑھنا دشوار تھا۔ لیکن وہ بڑھ رہے تھے۔ نہایت استقلال اور بڑے اطمینان سے ہندوؤں کو انھیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر بڑا غصہ آ رہا تھا وہ انتہائی پھرتی سے تیر اور پتھر پھینک رہے تھے۔ چاہتے یہ تھے کہ یا تو تمام مسلمانوں کو مار ڈالیں یا ان کی پیش قدمی کو روک دیں۔ مگر دونوں باتیں ان کے قبضہ سے باہر تھیں۔

انتہائی جد و جہد کرنے کے باوجود بھی نہ مسلمان مرتے تھے اور نہ ان کی پیش قدمی رکتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شان بے خوفی سے مسلمان پیش قدمی کر رہے تھے وہ کچھ انہی کا حصہ تھا۔ چاروں طرف سے مجاہدین بڑھ رہے تھے اور ہر طرف والے یہ چاہتے تھے کہ وہی سب سے پہلے فصیل کے قریب پہونچ جائیں۔ آخر بہزار دشواری غریم شمالی جانب سے جمیل مغربی جانب سے اور مشرقی جانب سے محمد قاسم فصیل کے نیچے پہونچ گئے۔

فوراً انہوں نے برجوں کے قریب سیڑھیاں لگا دیں اور موت و حیات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کھٹ کھٹ اوپر چڑھنے لگے۔ یہ بڑے دل گردے نیز جیداری کی بات تھی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ہندو برجوں میں ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے کہ جونہی یہ سر ابھاریں وہ ان کی پھٹا سی گردن اڑا دیں مگر ان کو گویا فکر ہی نہ تھا۔ نہ غم نہایت بے خوفی سے سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے

سب سے پہلے جو شخص برج کے قریب پہونچا وہ خریم تھا اس نے سمجھ رکھا تھا کہ ہندو اس تاک میں ہوں گے کہ جب کوئی شخص برج کے سامنے جا کر سر ابھارے تو وہ فوراً تلواروں سے اس کا قیمہ کر کے اسے مار ڈالیں۔

اس لیئے اس نے یہ ترکیب کی کہ برج کے قریب پہونچتے ہی تلوار کے کچوکے مارنا شروع کر دیئے اس سے برج میں کھڑے ہوئے سپاہی پیچھے ہٹ گئے وہ جلدی سے آخری سیڑھی پر پہونچ کر برج میں کود گیا۔ اور جاتے ہی چاروں طرف تلوار کے ہاتھ چلانے لگا۔

تمام ہندو اسے مارنے کیلیئے اس سے الجھ گئے۔ وہ یہی چاہتے تھا کہ اور مسلمانوں کو سیڑھیوں پر چڑھ چڑھ کر برج میں کودنے کا موقعہ مل جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان جلدی جلدی چڑھنے اور برج میں کودنے لگے۔

برج میں جاتے ہی وہ لڑائی میں مشغول ہو گئے۔ جب کہ تنہا خریم کا ہی ہندو کچھ نہ بنا سکے تھے تو بہت سے مسلمانوں کا کیا کر سکتے تھے۔ اگرچہ وہ لڑنے اور مقدور بھر لڑے مگر کچھ تو مسلمانوں کی تلواروں کا ذائقہ چکھ چکھ کر لمبے لیٹ گئے اور کچھ زخمی ہو ہو کر چلاتے ہوئے بھاگے۔ جو باقی رہ گئے تھے وہ ڈر کر ایک دم بھاگ نکلے اس طرح سے اس طرف کا برج دشمنوں سے خالی ہو گیا اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

قبضہ کرتے ہی وہ برج سے نکل کر فصیل پر پھیلنے لگے۔ اور فصیل پر کھڑے ہوئے دشمنوں سے لڑنے لگے۔ مسلمانوں کے آنے کا تانتا لگا ہوا تھا۔ وہ جلد جلد چڑھ چڑھ کر برج اور برج سے فصیل پر آ رہے تھے اور آتے ہی جنگ شروع کر دیتے تھے۔

ادہر مغرب کی جانب سے سیڑھیاں لگا دی گئیں اور عجل برج کے قریب پہونچ گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو برج والوں پر تیر برسانے کا حکم دیا انھوں نے ذرا پیچھے ہٹ کر برج کے دروازوں میں کھڑے ہونے والوں پر تیر پھینکنا شروع کیا۔

ان تیروں سے ہندوؤں کے کئی آدمی مجروح ہو گئے۔ اور باقی ماندہ پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے پیچھے ہٹتے ہی عجل نے تیر اندازی موقوف کرنے کا اشارہ کر کے جست لگائی اور برج کے اندر جا پہونچا۔

اس کے ساتھ ہی کئی مسلمان بھی کود کود کر پہونچ گئے۔ اور تلواریں سونت سونت کر دشمنوں پر جا ٹوٹے پہلے ہی حملہ میں انھوں نے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ہندو گھبرا گئے۔ اور برج سے باہر نکل گئے۔

مسلمان ان کے تعاقب میں فصیل پر پہونچ پہونچ کر لڑنے لگے۔ جب کہ شمال اور مغرب کے دونوں برجوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو ٹھیک اسی وقت محمد قاسم بھی برج کے نیچے مشرق کی طرف پہونچ گیا تھا۔

اس نے بھی سیڑھیاں لگوائیں اور سب سے پہلے خود ہی چڑھنا شروع کیا وہ نہایت جوشیلہ اور دلیر نوجوان تھا۔ جب وہ برج کے پاس پہونچا۔ تو ہندوؤں نے اس پر تلواروں کا مینہہ برسا دیا۔

اس نے تمام تلواریں ڈھال پر روکیں اور خود بھی تلوار سے تیلے کرتا رہا یہ بڑی جیلہ اری و جرأت کا کام تھا۔ کیونکہ برج زمین سے تقریباً ۴۰ فٹ اونچا تھا اتنی بلندی پا کہ سیڑھی کے ڈنڈے کے اوپر کھڑے ہو کر بلا کسی چیز کو پکڑے ہوئے لڑنا معمولی بات نہ تھی۔

ذرا سی غلطی سے سیڑھی سے پھسل کر گر جانا ممکن اور گرتے ہی مر جانا

یقینی تھا۔ لیکن محمد قاسم کو موت حیات کی پرواہ نہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ یا تو برج میں داخل ہو جائے یا اسی جدوجہد میں اپنی جان دیدے کچھ وقفہ کے بعد اسے ذرا سا موقعہ ملا جب اس نے حملہ کیا تو ہندو پیچھے ہٹ گئے انکے پیچھے ہٹتے ہی اس نے زقند لگائی اور برج میں پہونچ گیا۔ برج میں پہونچتے ہی تلوار لے کر ہندوؤں پر برس پڑا اور اس پھرتی سے حملے کرنے لگا کہ دشمن حیران و ششدر رہ گئے۔

اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں کئی ہندوؤں کو مار ڈالا اب اور مسلمان بھی کود کود کر برج میں آنے اور لڑنے لگے ہندوؤں کے قدم اکھڑ گئے اور سر پہ پیر رکھ کر بھاگے مسلمان ان کے پیچھے انہیں مارتے کاٹتے چلے گئے اس طرف سے مسلمان نہایت پھرتی سے کود کود کر آرہے تھے اور آتے ہی برج سے گذر کر فصیل پر پہونچتے اور لڑائی شروع کر دیتے۔

اس طرح تین طرف سے تین برجوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور فصیلوں پر جنگ ہونے لگی محمد قاسم شیر نر بنا ہوا حملے کر رہا تھا اس کی تلوار جس کے اوپر پڑتی تھی اسے کاٹ کر ڈال دیتی تھی۔ جس طرف حملہ کرتا تھا پرے کے پرے صاف کرتا چلا جاتا تھا۔ اس نے چشم زدن میں بیسیوں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا اس مجاہد اعظم کی ہندوؤں پر ایسی ہیبت طاری ہو گئی کہ وہ اس کے سامنے سے کترانے لگے ادھر اس کے دستہ کے سپاہیوں نے بھی بڑی پھرتی بڑے جوش اور بڑی جانبازی سے حملے کر کے ہندوؤں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہندو اگرچہ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے مسلمانوں کو شہید اور زخمی بھی کر رہے تھے۔ مگر وہ ان کو پیچھے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے چنانچہ جب مسلمانوں کی کافی تعداد فصیل پر پہونچ گئی اور ان شیران اسلام نے انہیں چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا اور ان کی لاشوں سے فصیل پٹنے لگے تو ان پر ہراس طاری ہو گیا اور وہ بے تحاشہ

بھاگ کھڑے ہوئے مسلمان ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور قتل کرتے ہوئے ان کے تعاقب میں سایہ کی طرح لگے چلے گئے انھوں نے قدم قدم پر ان کی لاشیں بچھا دیں فصیل اور زمینوں پر انکے پشتے لگا دیئے۔

جب محمد قاسم اور اس کے ساتھی فصیل سے نیچے قلعے کے اندر اترے تو انھوں نے دیکھا۔ کہ سارے قلعہ میں افرا تفری پڑی ہوئی ہے وہ قلعہ کے اندر پھیل گئے اور ہر اس شخص کو قتل کرنے لگے جو تلوار لیئے ہوئے تھا۔ ادھر خریم اور عمل بھی فصیل کے سندی سپاہیوں کو قتل کر کے انھیں پسپا کر چکے تھے اور فصیل سے نیچے اتر کر لڑنے لگے تھے اس طرح سے تین اطراف سے مسلمان برجوں پر چڑھ کر فصیلوں پر پہنچے اور فصیلوں کے اوپر سے دشمنوں کو مار مار کر بھگاتے ہوئے اندر جا کر داخل ہوئے۔

ناظرین کرام اس سے آئندہ کے واقعات معلوم کرنے کیلئے اسی ناول کا دوسرا حصہ محمد قاسم۔ ملاحظہ کریں۔

ایک عظیم تاریخی ناول

محمد قاسم

دوم

مصنفہ

مؤرخ اسلام مولانا صادق حسین صدیقی سردھنوی

ناشر:- مکتبہ اردو (اکتوبر ۱۹۷۱ء) پرنٹر:- نظامی پریس۔ لکھنؤ

پہلا باب

نعرۂ توحید

عام ہندوؤں نے جب مسلمانوں کو قلعہ کے اندر دیکھا تو وہ سخت بدحواس ہو کر چیختے ہوئے ادھر سے ادھر بھاگنے لگے مردوں کو خوفزدہ دیکھ کر عورتیں اور بچے بھی دہشت سے کانپنے لگے وہ بھاگ کر گھروں میں گھس گھس کر دروازے بند کر کے بیٹھ گئے اور تمام دیوی دیوتاؤں کے نام لے لے کر ان سے رحم اور کرم کی التجائیں کرنے لگے سارے قلعہ میں عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی گرد سے گرد وہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ہندو شور زیادہ کر رہے تھے۔

چنانچہ وہ اس قدر غل مچا رہے تھے کہ نہ صرف قلعہ ہی گونج رہا تھا بلکہ قلعہ سے باہر میلوں دور تک آواز پہونچ رہی تھی۔ اگرچہ لڑنے والے ہندو بھی اپنی جانیں بچانے کی فکر میں تھے لیکن ابھی ان کے سردار للکار للکار کر لڑنے مرنے پر آمادہ کر رہے تھے اور جہاں تہاں مسلمانوں سے الجھ رہے تھے مسلمانوں کی صاف و شفاف تلواریں بلند ہو ہو کر ان کے سر و تن کے فیصلے کر رہی تھیں ہندو جلد جلد قتل ہو ہو کر گر رہے تھے در اصل ہندوؤں کے دل ٹوٹ چکے تھے محض جھنڈا ٹوٹ کر گر جانے کی وجہ سے وہ ہر بات سے شگون لینے کے عادی تھے اوہام پرست تھے انھیں بالکل اس پر اعتماد تھا کہ جب تک جھنڈا قائم رہے گا دیبل ہرگز فتح نہ ہو سکے گا۔ آج جھنڈا ٹوٹ کر گر گیا تھا اور اس لئے ان کی ہمتیں بھی ٹوٹ گئیں تھیں۔

اگر وہ اس وہم میں مبتلا نہ پڑتے اور مردانہ وار لڑتے تو اب بھی مسلمانوں سے

دگئے تھے ان کا مقابلہ کر سکتے تھے اور اگر انہیں شکست بھی نہ دے سکتے تھے تو باعزت صلح کی سبیل نکال سکتے تھے۔ لیکن تھکا ہوا اسا نر شکستہ سپاہی کچھ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ان سے بھی کچھ نہ ہو رہا تھا۔ وہ ٹھٹ رہے تھے بے ہمتی کے ساتھ اور قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔

مسلمانوں میں جوش تھا۔ غصہ تھا اور وہ بڑھ بڑھ کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے ادھر ہر شخص ہر حملے میں ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا چونکہ ہندوؤں کا لشکر سارے قلعہ میں پھیل گیا اس لیے مسلمان بھی ہر طرف چھا گئے تھے اور نظریں جھکائے دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔

سمنی اس وقت مندر کے قریب کھڑا تھا اس کے گرد ڈھائی ہزار مسلح سپاہی کھڑے تھے وہ جوش و غضب سے بل کھا رہا تھا اس کو اسلئے ہندوؤں پر غصہ آرہا تھا کہ وہ اچھی طرح سے نہ لڑ رہے تھے بلکہ دبے ہوئے جنگ کر رہے تھے اور اسلئے وہ قتل ہو رہے تھے اس نے للکار کر کہا۔ بہادر ہندوؤں یہ کیا بزدلی ہے تم اب بھی مسلمانوں سے دبکتے ہو اگر مل کر جوش و خروش سے لڑو تو انکے ٹکڑے اڑا سکتے ہو یہ لوگ اپنے اسیروں کو چھڑانے آئے ہیں تم ان کا خاتمہ کر کے ان کے بھائیوں کو جو ہماری قید میں ہیں۔ دیوتاؤں کی نذر کر کے قربان کر ڈالو۔ سنو اگر تم نے بزدلی کی تو مسلمان تم سب کو قتل کر کے تم سب کا دھرم بھرسٹ (خراب) کر دیں گے تمہاری عورتوں کو اپنی بیویاں اور تمہارے بچوں کو اپنا غلام بنا لیں گے۔ کیا تم اس بات کو گوارہ کر لو گے؟ آخر تم ہندو ہو۔ تم میں جوش ہے مذہبی غیرت ہے بڑھو اور بلا تامل مسلمانوں کا خاتمہ کر دو۔

ان کی اس جوشیلی تقریر سے ہندوؤں میں بھی حرارت پیدا ہو گئی

حقیقت یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا تھا اور وہ ان کے سامنے جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اتفاق سے محمد قاسم اس طرف آنکلا۔ جس طرف سمنی معہ فوجی دستوں کے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ صرف اس کے خاص رسالہ کے پانچسو سپاہی تھے اس نے اور اس کے سپاہیوں نے نہایت جوش سے سمنی لشکر پر حملہ کر دیا اور ایسا سخت حملہ کیا کہ ہندو حیران رہ گئے۔

مسلمانوں کی تلواروں نے کانٹ چھانٹ شروع کر دی ہر مسلمان شیر کی طرح سے جست لگا لگا کر حملے کرنے اور ہر حملہ میں ہندوؤں کے پرخچے اڑانے لگا۔ چونکہ جنگ سمنی کے سامنے شروع ہوئی تھی۔ اس لئے ہندو بھی کسی قدر جوش سے لڑنے لگے لیکن ان میں اتنی جرأت نہ رہی تھی کہ وہ بڑھ کر حملے کرتے صرف مسلمانوں کے حملے روک رہے تھے لیکن مسلمان بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے۔ صفوں پر صفیں گرا دیتے تھے تلواریں جھک جھک کر نہایت سرعت سے اٹھ رہی تھیں سر اور ہاتھ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون بہہ رہا تھا مردوں کے ڈھیر لگتے جاتے تھے محمد قاسم نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ اس وقت اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا وہ تلوار لئے جھپٹ جھپٹ کر حملہ کر رہا تھا وہ جس طرف دوڑ کر حملہ کرتا تھا ایک دو سپاہی مار کر ہی لوٹتا تھا ہندو دیکھ رہے تھے کہ وہ کمسن بچہ تھا۔ مگر آزمودہ کار نوجوان کی طرح لڑ رہا تھا نہایت جوش اور بڑی دلیری سے۔ اس کی تلوار گویا پیغام اجل یا فرشتہ موت بن گئی تھی جسے اس کی ہوا بھی لگ جاتی تھی وہی سرد ہو کر گر پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ بیس ہندوؤں نے ہمت کر کے اس پر تنہا حملہ کر دیا اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ محمد قاسم ان کے حملہ سے ڈرا نہیں بلکہ وہ نہایت اطمینان و استقلال سے ان کے حملے روک کر اپنے

حملے کرتا اور ہر ایک حملے میں ایک دو کو موت کی آغوش میں پہونچا دیتا تھا اسوقت اس دستہ کا ہر سپاہی ہندوؤں سے الجھ رہا تھا۔ چونکہ ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ایک مسلمان کو دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی ہر مسلمان اپنے مقابل سے لڑ رہا تھا یہی وجہ تھی کہ محمد قاسم کو کمک نہ پہونچ سکی اور وہ تنہا ہی اس قدر ہندوؤں میں گھرا ہوا تھا اور نہایت جانبازی سے لڑ رہا تھا۔

سمنی قریب ہی کھڑا تھا وہ محمد قاسم کو لڑتے ہوئے دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اسکی حیرانی کی وجہ یہ تھی کہ سترہ سال کا لڑکا نہایت بے جگری سے ہندوؤں کے نرغہ میں گھسا ہوا جنگ کر رہا تھا۔ وہ بڑی سرعت سے پینترے بدل بدل کر دشمنوں کے وار بچا رہا تھا اسے رشک ہوا کہ اس کی فوج کے نوجوان ایسے بہادر کیوں نہیں جیسے کہ مسلمان ہیں وہ محمد قاسم کو نہ جانتا تھا۔ اگرچہ اس نے یہ سن رکھا تھا۔ ایک اسلامی لشکر کا سردار ایک نوعمر لڑکا ہے وہ سمجھتا تھا کہ پچیس تیس برس کا نوجوان ہوگا اس نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون نوجوان ہے جو لڑ رہا ہے کسی نے اس سے کہدیا کہ یہ اسلامی لشکر کا سردار محمد قاسم ہے یہ سنتے ہی فرط حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا تعجب ہے اتنی عمر کا لڑکا اور اسلامی لشکر کا سردار ہے اسوقت اس کے پاس ابی آ گیا۔ اس نے کہا دیکھ لیجئے یہ لڑکا ہی ہے مگر کس جوش وخروش سے لڑ رہا ہے۔

ابی۔ میرے خیال میں اگر آپ اس وقت مسلمان اسیروں کو چھوڑ دیں تو شاید قلعہ بچ جائے۔

سمنی نے جوش میں آ کر کہا۔ قیدیوں کو چھوڑ دوں مسلمانوں سے ڈر کر؟ میں کبھی ایسی بزدلی نہیں کر سکتا۔ میں محمد قاسم پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ

کیئے دیتا ہوں یہ مرا اور مسلمان سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے۔

ابی نے سنجیدگی سے کہا اس بھروسے پر نہ رہیئے میں نے سنا ہے۔ کہ مسلمان سرداروں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے ہیں ان کا کوئی افسر مارا جاتا ہے تو فوراً ہی وہ دوسرے کو منتخب کر لیتے ہیں ہماری طرح نہیں کہ جب سردار مارا جائے تو تمام لشکر ہتھیار ڈال دے یا بھاگ جائے۔

سمنی۔ تم ابھی دیکھ لوگے کہ محمد قاسم کے مارے جاتے ہی تمام مسلمان کس طرح سے پسپا ہوتے ہیں

ابی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آپ اس شیر پر حملہ نہ کریں۔

سمنی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ یہ شیر ہے؟ ممکن ہے تم اسے شیر سمجھ رہے ہو میں تو اسے گیدڑ کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ تم کھڑے ہوئے دیکھو میں اسے کس قدر جلد قتل کیے دیتا ہوں۔ یہ کہتے ہی سمنی محمد قاسم کی طرف چلا اور ابی وہاں سے بڑبڑاتا ہوا ہٹ کر مندر کی طرف چل دیا۔

ادھر سمنی نے محمد قاسم پر حملہ کیا اگرچہ محمد قاسم عرصہ سے جنگ کر رہا تھا بہت کچھ جد و جہد کر چکا تھا مگر ابھی تک اس کے حملوں میں کمزوری نہ آئی تھی جونہی سمنی نے اس پر حملہ کیا اس نے پینترا بدل کر اس کا وار رد کیا اور شیر کی طرح جست لگا کر اس پر جا پڑا اور تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا کہ سمنی مرتے مرتے بچ گیا سمنی نے بھی جوابی حملہ کیا۔ محمد قاسم نے ڈھال سامنے کر دی تلوار سمنی کی ڈھال پر پڑ کر اچٹ گئی اب محمد قاسم نے لپک کر پھر حملہ کیا۔ سمنی کی آنکھ جھپک گئی آنکھ جھپکتے ہی تلوار اس کی گردن پر پڑی اور سر کٹ کر دور جا گرا بیچارہ سمنی آہ بھی نہ کر سکا اور اس کا دھڑ تناور درخت کی طرح چکر کھا کر زمین پر آ رہا اسے مارتے ہی محمد قاسم نے ان ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ جو اسے نرغہ

میں لئے ہوئے تھے۔ اور جلدی جلدی حملہ کر کے انھیں بے دریغ قتل کرنا
شروع کر دیا اب دوپہر ڈھل گئی تھی اور ظہر کی نماز کا وقت آگیا تھا۔ مگر اس
وقت جنگ ہو رہی تھی اور کسی مسلمان کو بھی سوائے لڑنے کے اور کسی بات کا
ہوش نہ تھا۔ اس وقت قریب قریب تمام قلعہ میں تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں
ہندوؤں کے شور اور مجروحین کی پکار سے تمام قلعہ گونج رہا تھا ہر مسلمان جہاں
کہیں بھی جنگ کر رہا تھا اگرچہ ہندو مقدار کثیر زور سے لڑ رہے تھے مگر مسلمان
ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹتے تھے بلکہ نہایت بے خوفی سے اور بڑی جرأت سے لڑ لڑ کر
دشمنوں کو قتل کر رہے تھے بلکہ سارے قلعہ میں یہ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا اس
وقت مندر کے احاطہ کے قریب سے اللہ اکبر کے پرزور نعرہ کی آواز آئی مسلمان
کچھ ایسے جنگ میں مصروف تھے کہ نعرہ لگانا ہی بھول گئے تھے اس نعرہ کی
آواز سن کر سب چونکے اور سب نے اس نعرہ کی تکرار کی اور اس زور سے نعرہ
لگایا کہ تمام قلعہ ہلنے لگا۔ ہندو تھرا گئے۔

محمد قاسم اور ان کے ہمراہیوں نے مندر کی طرف دیکھا۔ ادھر سے مسلمان
مرد عورتیں اور بچے تلواریں لئے آتے نظر آئے انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ وہی مسلمان
ہیں جنہیں بے رحم داہر کے سنگدل سپاہیوں نے قید کیا تھا۔ اور جن کی وجہ سے
مسلمانوں کو ہندوستان پر حملہ کرنا پڑا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ دوڑ کر ان
مسلمانوں سے بغل گیر ہو کر ملیں مگر ابھی اسکا موقعہ نہ تھا کیونکہ جنگ ہو رہی تھی
اور ہر مسلمان مصروف جنگ تھا مندر کے اندر سے آنے والے مسلمانوں نے بھی
حملہ کر دیا انکے مرد عورتیں اور بچے سب ہی نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ ادھر تمام
مسلمانوں نے نعرہ لگا کر حملہ کیا کہ ہندوؤں کے پیر اکھڑ گئے اور وہ ہر محاذ سے
جانیں بچا بچا کر بھاگنے لگے مسلمان ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور بے دریغ انکو قتل

کرنے لگے جو ہتھیار بند ہندو جہاں کہیں ملا قتل کر دیا گیا۔ اب چونکہ ہندوؤں میں لڑائی کی ہمت باقی نہ رہی تھی اس لیئے انھوں نے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیئے اگرچہ مسلمانوں کو اس پر غصہ آ رہا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ہندو ہتھیار نہ ڈالیں بلکہ لڑیں لیکن جب وہ ہتھیار ڈالنے لگے تو مسلمانوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیے اور انہیں اسیر کرنے لگے اس عرصہ میں محمد قاسم کے گرد جو ہندو لڑ رہے تھے وہ بھی یا تو قتل ہو گئے یا بھاگ گئے یا ہتھیار پھینک پھینک کر کھڑے ہو گئے محمد قاسم نے چند مسلمانوں سے کہا ظہر کی نماز کا وقت تنگ ہوا جا رہا ہے جلدی سے کچھ آدمی اذان کہیں مندر کے قریب ہی کنواں تھا۔ کئی مسلمان کنوئیں پر پہونچے اور وضو کرنے لگے اور باقی مسلمانوں نے ان ہندوؤں کو گرفتار کر لیا جنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اب پانچ آدمیوں نے مل کر اذان کہی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دیبل میں توحید کا نعرہ بلند ہوا اور خدائے یکتا کا نام پکارا گیا۔ مسلمانوں نے اذان کی آواز سنی وہ ہر طرف سے سمٹ کر اور قیدیوں کو حراست میں لیکر اس جگہ آنے لگے جہاں محمد قاسم اور اس کے ساتھی جمع تھے انھوں نے جلد جلدی وضو کیا اور محمد قاسم کے ساتھ نماز پڑھنے لگے

دوسرا باب

"مسلمانوں کا بے نظیر لطف و کرم"

جب مسلمان نماز سے فارغ ہو گئے تب وہ ان مظلوم مسلمانوں سے ملے جنہیں اسیر کر کے قید کر لیا گیا تھا یعنی جو دیبل کے تہہ خانے میں رکھے گئے تھے یہ سب مسلمان بھائیوں کی طرح آپس میں بغل گیر ہو کر ملے اور ملکر نہایت جوش

ہوئے۔ محمد قاسم نے ان سے دریافت کیا" تمھیں کس نے رہا کردیا کس کے دل میں اتنا رحم آیا۔ اسلم نے کہا۔ اس نے جو ہمارا محافظ ہے۔

محمد قاسم۔ کون محافظ تھا۔

اسلم۔ ابی جو اس مندر کا پجاری تھا۔

محمد قاسم۔ نہایت اچھا آدمی ہے ابی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اسکے اہل وعیال کو اور جس کو وہ کہے گا اسے امان دوں گا۔ لیکن اس نے تم کو رہا کرکے تمام مسلمانوں پر نہایت زبردست احسان کیا ہے۔ اس لیے اس احسان کے صلے میں اسے انعام دے کر مالا مال کردوں گا۔ لیکن ابھی باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ ابھی بہت سے سپاہی ہندوؤں کے گھروں میں گھسے ہوئے ہیں انھیں تلاش کرکر کے قتل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے سب چاروں طرف پھیل جاؤ اور ہر ہتھیار بند سپاہی کو قتل کرڈالو لیکن اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو انھیں گرفتار کرلو اور تمام شہریوں کو بھی گرفتار کرلاؤ۔ چلو پہلے اس کام سے فراغت کرلو۔ فوراً سب اٹھے اور سو سو آدمیوں کے گروہ میں بن کر قلعہ میں پھیل گئے اور گھروں میں گھس گھس کر تمام لوگوں کو اسیر کرکے باہر کھینچ کھینچ کر لانے لگے۔ جنگ کے وقت قلعہ اس قدر ہنگامہ آرا نہ ہو رہا تھا جس قدر کہ اب ہو رہا ہے۔ ہندو مرد عورتیں اور بچے رونے لگے۔ لیکن کسی مسلمان نے بھی کسی بچہ اور عورت کو ہاتھ نہ لگایا۔ تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں ہاں مردوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا۔ سب کو ایک سرے سے اسیر کرنا شروع کردیا اور ہتھیار بند ہندوؤں کو جنگ پر آمادہ کرکے لڑ کر قتل بھی کرنے لگے۔ لیکن اب جس قدر بھی سپاہی تھے انھوں نے ہتھیار پھینک پھینک کر امان مانگنا شروع کردی اور اب انھیں بھی گرفتار کیے جانے لگا۔ محمد قاسم بھی سعد

سپاہیوں کو ہمراہ لے کر مندر کے احاطہ میں جا گھسا۔

اس نے وہاں پہونچتے ہی دیکھا کہ مندر کے سامنے سیکڑوں من سوختہ ڈال کر آگ لگادی گئی اور اس میں گھی ڈال ڈال کر آگ کو بھڑکایا جارہا ہے کچھ پانڈے اسکے چاروں طرف آنکھیں بند کیے کھڑے کچھ پڑھ رہے ہیں۔ پانڈوں کے پیچھے تقریباً چار سو نازک اندامان ہوشربا اعلیٰ قسم کے ریشمی تلوکے پہنے ساڑھیاں باندھے سونے کے زیورات سے لدی کھڑی ہیں ان کے عقب میں تین سو عورتیں جن میں جوان ادھیڑ اور بوڑھیاں بھی ہیں وہ بھی اچھے کپڑے اور زیورات پہنے تھیں یہ بھی داسیاں ہی تھیں لیکن چونکہ ان کی عمریں زیادہ تھیں اس لیے اب ان کی ایسی قدر و منزلت باقی نہ رہی تھی جیسی نوجوان اور شیریں ادا لڑکیوں کی تھی۔

محمد قاسم اور تمام مسلمان اس نظارہ کو دیکھ کر حیران ہوئے اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں اس قدر آگ روشن کی گئی ہے کیوں آگ میں گھی ڈالا جارہا ہے کیوں پنڈت اور داسیاں کھڑی ہیں مسلمانوں کو دیکھتے ہی تمام پانڈے اور وہ سب خوفزدہ نگاہوں سے ان فاتح مسلمانوں کو دیکھنے لگے خصوصاً ماہوش لڑکیاں بہت زیادہ سہم گئیں ان کے چہروں سے شگفتگی غائب ہوگئی اور آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا نازک لبوں پر خشکی کی پیڑیاں جم گئیں۔

وہ مسلمانوں کو بالکل اس طرح دیکھنے لگیں جس طرح کوئی صیاد کو دیکھنے لگتا ہے۔ جس وقت محمد قاسم اور اس کا دستہ ان لوگوں کے پاس پہونچے ٹھیک اسی وقت ابی مندر سے نکل کر وہاں آگیا اور اس نے محمد قاسم کو سلام کرکے کہا۔ حضور کیا میں اور میرے اہل و عیال امان میں ہیں؟ محمد قاسم نے کہا ہاں امان میں ہیں۔ محترم پنڈت تم نے تمام مسلمانوں پر نہایت زبردست

احسان کیا ہے۔ تمام مسلمان آپ کے مشکور ہیں۔

ابی۔ اور میں تمام مسلمانوں کا مشکور ہوں۔ اس وقت اگرچہ تمام قلعہ کے لوگوں کو گرفتار کیا جا رہا ہے۔ ہر گھر والے پریشان ہیں لیکن میرا گھر بالکل محفوظ ہے اور یہ کیا کچھ تھوڑی بات ہے۔

محمد قاسم۔ میں نے پہلے ہی مسلمانوں کو ہدایت کر دی تھی تم نے کس قدر وفاداری کا ثبوت دیا ہے کہ مسلم قید یوں کو رہا کر دیا۔

ابی۔ میں جو کچھ کر سکتا تھا کیا۔

محمد قاسم۔ اور اب جو میرے دل میں ہے وہ کروں گا یہ مثال قائم کروں گا کہ مسلمان احسان فراموش نہیں ہے بلکہ احسان ماننے والے ہیں۔

ابی۔ اس کا مجھے یقین ہے دنیا جانتی ہے کہ مسلمان وعدہ کو ایفا کرتے ہیں

محمد قاسم۔ یہ آگ کیسی روشن ہے اور یہ پنڈت ولڑکیاں یہاں کیا کر رہی ہیں۔

ابی۔ انھوں نے چتا روشن کی ہے اور اس میں ان داسیوں[1] کو جلایا جانے والا ہے۔

یہ سن کر محمد قاسم اور تمام مسلمان نہایت حیران ہوئے۔ محمد قاسم نے کہا۔ یہ حماقت ہے۔

ابی۔ ہم ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ جب ہمارے مرد مارے جاویں یا ہمیں شکست ہو جائے تو ہماری عورتوں کو زندہ جل جانا چاہیئے۔

---

[1] جس وقت جنگ ہو رہی تھی اسوقت یہ چتا روشن کی گئی تھی اور اس میں سات سو داسیوں کو جلایا جانیوالا تھا جو بیش قیمت کپڑے اور زیورات پہنے تھیں (از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۶)

محمد قاسم۔ کس قدر بے رحمی کی بات ہے یہ۔

ابی۔ لیکن ہماری عورتیں اسے زیادہ پسند کرتی ہیں۔

محمد قاسم۔ لیکن ابھی تو مرد ہیں بھی زندہ اور مرد کیوں نہیں جلائے جاتے

ابی۔ اس لیے ہر قوم کی عزت عورتوں سے ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہماری عورتیں غیر قوموں کے لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ کر اپنے ننگ و ناموس کے ساتھ قوم کی شرافت کو بٹہ لگائیں۔

محمد قاسم۔ کیا مرد غلام بن کر قوم کے ناموس کو دھبہ نہیں لگاتے۔

ابی۔ ہاں قوم کی اس میں بھی تذلیل ہے۔

محمد قاسم۔ پھر کیوں عورتوں کے ہمراہ مرد بھی نہیں جل جاتے۔

ابی۔ اس لیے کہ ہماری کتابوں میں عورتوں کے ستی ہونے کا ہی تذکرہ ہے مردوں کا نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ یہ شاید اس لیے کہ کتابوں کے مصنف مرد ہیں انھوں نے اپنی بچت تو کر لی اور عورتوں کا مطلق خیال نہ رکھا اگر عورتوں کی طرح مرد بھی زندہ جلائے جاتے تب انھیں معلوم ہوتا کہ زندہ جلنے والوں کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ کس قدر بے رحمی کی بات ہے کہ عورتیں جو بے زبان مخلوق ہیں جن پر مرد حکومت کرتے ہیں زندہ جلا دی جائیں اور مرد خواہ کچھ بھی کریں زندہ جلائے نہ جائیں یہ وحشیانہ قانون ہے کوئی مذہب اسے پسند نہیں کر سکتا!

ابی۔ یہ قانون جیسا بھی ہے لیکن ہم ہندو اس پر عمل کرتے ہیں۔

محمد قاسم۔ مگر میرے سامنے یہ بے رحمی نہ کی جائے میں حکم دیتا ہوں کہ ان عورتوں میں سے ایک عورت کو بھی نہ جلایا جائے یہ پنڈت جس قدر بھی کھڑے

ہیں آگ میں ڈال دیئے جائیں۔

ابی نے پنڈتوں کو محمد قاسم کے اس حکم سے مطلع کر دیا۔ تمام پنڈت بابچشم اس ہو کر رونے لگے۔ محمد قاسم نے کہا —— تم عورتوں کے جلانے کے لیے آمادہ تھے مگر خود جلنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ کیا عورتوں میں جان نہیں ہے۔ بیرحمو! آج تم جلنے کا مزہ چکھو۔

محمد قاسم کو جوش آرہا تھا۔ جوش آنے کی بات بھی تھی۔ ہندو اپنی عورتوں کو زندہ جلا دیتے اور مرد نہ جلتے تھے۔ پنڈت زار و قطار رو رہے تھے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر رحم کی درخواست کر رہے تھے! آخر جب وہ روتے روتے بے حال ہو گئے تو محمد قاسم کو رحم آ گیا اور اس نے انھیں معاف کر دیا۔ وہ دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے اب تمام داسیوں کو حراست میں لے لیا گیا اور مندر کے جس قدر سیم و زر جواہرات تھے سب نکال لیے گئے۔ وہ تمام سامان اور داسیوں کو لے کر مندر سے باہر آئے اور محمد قاسم نے چند سپاہیوں کو سمنی کے محل کی طرف بھیج دیا اور انھیں ہدایت کر دی کہ جو سامان اسکے محل میں ملے اور جس قدر آدمی ملیں سب لے آویں یہ دستہ روانہ ہو گیا ادھر مسلمانوں نے قلعہ کے تمام باشندوں کو حراست میں لے لیا۔ اور سب کو لا کر محمد قاسم کے سامنے پیش کیا۔ جس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اسکے بھی انبار لگا دیے گئے جب سمنی کے محل سے دستہ واپس آیا تو رات ہو گئی تھی وہاں سے بہت کچھ زر نقد بیش قیمت سامان اور عورتیں اور مرد نیز سمنی کی لڑکیاں ڈرا ممیر کر کے لائی گئیں۔ محمد قاسم نے سمنی کے رسد خانے کھول کر تمام قیدیوں میں رسد تقسیم کرائی اور انھیں حکم دے دیا کہ وہ کھانا تیار کر کے کھالیں اسلامی لشکر بھی کھانا تیار کرنے لگا۔ کچھ رات گئے سب کھانا کھا کر فارغ ہوئے اور رات کو

آرام کرنے لگے۔ صبح بیدار ہوتے ہی مسلمانوں نے ضروریات سے فراغت کرکے نماز پڑھی اور نماز پڑھکر محمد قاسم معہ تمام لشکر کے اسی مندر کے سامنے والے میدان میں پہونچا۔ جہاں اس نے سمنی کو مارا تھا ابھی تک وہاں لاشیں پڑی تھیں۔ سب سے پہلے محمد قاسم نے ہندوؤں کے قیدیوں کو حکم دیا کہ وہ لاشوں کو اپنے مذہب کے مطابق جلادیں چنانچہ انھوں نے تمام لاشیں اٹھا اٹھاکر ایک جگہ جمع کرلیں اور پھر ایک بڑی چتا تیار کرکے لاشوں کو اس میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر میں آگ میں لاشیں جلنے لگیں اب محمد قاسم نے ابی سے مخاطب ہوکر کہا۔

معزز پنڈت اب بتاؤ تمھاری کیا آرزو ہے اور کیا چاہتے ہو؟ ابی نے کہا صرف اپنی اور اپنے اہل وعیال کے لیے اماں۔

محمد قاسم۔ وہ تو تم کو دی جاچکی ہے کچھ اور مانگو۔

ابی۔ بس میں اور کچھ نہیں چاہتا!

محمد قاسم۔ مگر میں تم کو دینا چاہتا ہوں یہ عورتیں اور لڑکیاں جس قدر تمھارے سامنے کھڑی ہیں ان میں سے جس قدر چاہو رہا کرادو۔ سونے چاندی اور جواہرات کے انبار لگے ہوئے ہیں ان میں سے جو کچھ چاہو لے لو۔

ابی نے مشکورانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں کچھ نہیں چاہتا حضور!

محمد قاسم۔ تمھاری خوشی اب میں تم سے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ابی۔ فرمایئے۔

محمد قاسم۔ تم نہایت نیک اور خلیق انسان ہو میری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہوجاؤ۔ میں دباؤ ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ دوستانہ انداز سے کہتا ہوں کیونکہ ہمارے مذہب میں جبر کرنا منع ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک

میں ارشاد فرمایا ہے کہ لا اکراہ فی الدین ۔ مذہب کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے یہ خوشی کا سودا ہے اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو تمام دنیا کے مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ گے جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہی تم کو حاصل ہوں گے جب اور جہاں تم جاؤ گے مسلمان تمھاری عزت کریں گے ۔

ابی ۔ میرا خود ارادہ تھا ۔ میں خوشی سے مسلمان ہوتا ہوں ۔

تمام مسلمان نہایت خوش ہوئے اور انھوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا ۔ محمد قاسم نے اسے مسلمان کر لیا ۔ اسکے بعد اور بھی چند عورتیں اور مرد مسلمان ہو گئے انھیں فوراً رہا کر دیا گیا ۔ اب محمد قاسم نے تمام عورتوں اور مردوں کو جزیہ لے کر چھوڑنا شروع کر دیا تمام لوگ جزیہ دیکر رہا ہو گئے ۔ جو غریب تھے ۔ وہ جزیہ نہ دے سکے ان کو ویسے ہی رہا کر دیا لیکن سپاہیوں داسیوں اور سمنی کی دونوں لڑکیوں کو اس وجہ سے رہا نہ کیا گیا کہ وہ جنگی قیدی تھے اور ان کو رہا کرنا یا تو حجاج کے اختیار میں تھا جو والئی عراق تھا اور یا خلیفہ ولید کو مجاز تھا اب محمد قاسم نے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ دربار خلافت میں روانہ کرنے کے لیے علیحدہ کیا اور بقیہ چار حصے تمام لشکر میں علیٰ قدر مراتب تقسیم کر دیے ۔ لیکن وہ زیورات جو داسیاں اور سمنی کی بڑی دو لڑکیاں پہنے تھیں ۔ وہ بدستور ان کے ہی پاس رہنے دیے گئے اور ان کا فیصلہ حجاج یا خلیفہ پہ منحصر رکھا گیا ۔

اسی دن مال غنیمت کا حصہ اور داسیاں سمنی کی دونوں لڑکیاں اور قیدی سو آدمیوں کی حراست میں حجاج کے پاس روانہ کر دیے گئے ۔ چونکہ سمنی حاکم دیبل مارا گیا تھا ۔ اس لیے محمد قاسم نے ابی کو جو مسلمان ہو گیا تھا دیبل کا حاکم بنا دیا گیا ۔ وہ اس اعزاز کو پا کر نہایت خوش ہوا ۔ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی محمد قاسم نے معہ لشکر کے نیرون

کی طرف کوچ کیا۔

تیسرا باب

"نصیحت"

طاہرہ اور داہر دونوں آواز سن کر حیران رہ گئے تھے اور حیرت بھری نظروں سے اس طرف دیکھنے لگے جس طرف سے آواز آئی تھی یہ دونوں دیکھ رہے تھے کہ سامنے سے جوگنی نمودار ہوئی اسکے خاک آلودہ اُلجھے ہوئے سر کے بال بڑی ہی بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ سے کچھ پریشانی کے آثار ظاہر تھے آنکھیں چمک رہی تھیں اسکے دیکھتے ہی داہر نے برا سا منھ بنالیا۔ اس کی شان کہہ رہی تھی کہ اسے اس کا آنا ناگوار گذرا ہے۔ لیکن جس طرح وہ اسکی طرف مخاطب ہوا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اس سے ڈرتا ہے چنانچہ اس نے کہا آہا! ماتا جوگنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو جوگنی کا لقب چاتا پڑ گیا تھا۔ اور ہر شخص اسے ماتا کہتا تھا۔ وہ ضعیف العمر تھی اس لیے ماتا کہا جاتا تھا۔ یا ہندو اسے جادوگرنی سمجھ کر ڈرتے تھے۔ اور ڈر کے مارے اسے ماتا کہتے تھے۔ بہرحال راجہ سے پرجا تک ادنیٰ سے اعلیٰ تک اسے سب ماتا ہی کہتے تھے۔ جوگنی نے شکستہ دل ہوتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں جوگنی ہوں۔

داہر۔ آپ نے بڑی کرپا (مہربانی) کی آئیے بدھارئیے (تشریف رکھیئے)

جوگنی ان دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا۔ راجن تم کو اس وقت میرا آنا ناگوار گذرا ہے۔ اگرچہ اس نے بالکل صحیح بات کہی ہے۔

راجہ داہر کو اس کا آنا سخت ناگوار گذرا تھا مگر اس نے کہا۔ نہیں ماتا مجھے تمہارا آنا کیوں ناگوار گذرتا۔

جوگنی۔ مگر تمہاری آنکھیں یہی بتا رہی ہیں۔ حقیقت میں زبان سے زیادہ آنکھیں صاف گوئی کیا کرتی ہیں۔

داہر۔ لیکن میری زبان آنکھوں سے زیادہ راست گوئی کرتی ہے۔

جوگنی۔ ایک راجہ کو سچ ہی بولنا چاہیئے۔

داہر۔ اور میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔

جوگنی۔ اسے پرماتما ہی جانتا ہے۔

داہر۔ میری تمام رعایا جانتی ہے آپ بھی جانتی ہوں گی۔

جوگنی۔ رعایا کی بابت میں کیا کہہ سکتی ہوں۔

داہر۔ رعایا مجھے کیا سمجھتی ہے۔

جوگنی۔ تمام رعایا کا خیال ہے کہ جو راجہ عیاش ہوتا ہے وہ کبھی سچ نہیں بولتا۔

داہر کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ اگر ذرا بھی نفرت یا غصہ کا اظہار ہوا تو جوگنی اسے جادو کے زور سے جلا کر بھسم کر دے گی اس لیے اس نے غصہ ضبط کر کے کہا۔ یہ خیال میری رعایا کے بیوقوف لوگوں کا ہے۔

جوگنی۔ بیشک یہ خیال ہی لوگوں کا ہے لیکن حقیقت بھی یہی ہے۔

داہر۔ کیا آپ بھی مجھے ایسا ہی سمجھتی ہیں۔

جوگنی نے ذرا ترش روئی سے کہا۔ مجھ سے مت پوچھو کہ میں تم کو کیا سمجھتی ہوں۔ داہر کو پھر غصہ آیا لیکن پھر اس نے ضبط کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بزدل انسان کو بہت جلد غصہ آتا ہے اور جلدی ہی ٹھنڈا بھی ہو جاتا ہے داہر بزدل

ہی تھا۔ اس کا بھی یہی خیال تھا۔ اس نے کہا۔ نہیں مانتا۔ بتاؤ تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔

جوگنی۔ جو شخص اپنی سگی ہمشیرہ سے شادی کر لے تم ہی سوچو وہ کیا ہو سکتا ہے۔

داہر یہ سن کر بے حیائی سے ہنس پڑا۔ اور تم ہی بتاؤ کہ ہماری پستکوں (مذہبی کتابوں) میں یہ لکھا ہی کہاں ہے کہ سگی ہمشیرہ سے شادی مت کرو۔

جوگنی یہ سنکر جل گئی اس نے کہا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی اپنی ماتا سے شادی نہ کرے۔ لیکن کیا کوئی شخص ایسا بے حیا بن سکتا ہے کہ اپنی ماں سے شادی کرے۔

داہر۔ اور اگر کوئی کرے تو اسے الزام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ مذہب وہ ہے جو تمام باتوں کو کھول کر بتا دے یہ نہیں کہ صرف یہ بتائے کہ کس کس دیوتا کی پوجا کرے۔ اور کس وجہ سے کریں۔

جوگنی۔ اب تم مذہب کو الزام دینے لگے ہو؟۔

داہر تم ہی بتاؤ کہ میرا الزام درست ہے یا نہیں کیا تم نے کسی مذہبی کتاب میں یہ دیکھا ہے کہ کس سے شادی کرو اور کس سے نہ کرو۔

جوگنی۔ مگر دنیا کا دستور کیا ہے۔

داہر۔ بہترین دستور یہ ہے کہ جو عورت پسند آئے اس سے شادی کر لی جائے۔

جوگنی۔ چاہے وہ ماں ہی کیوں نہ ہو۔

داہر۔ ہاں وہ کوئی بھی ہو!۔

جوگنی۔ کس قدر ناپاک اور بوالہوسیانہ خیالات ہیں تمہارے۔

داہر نے غصہ کے لہجہ میں کہا تم پھر میرے خیالات کو برا کہتی ہو لیکن مذہبی کتب کے مصنفین کو بھی کچھ کہئیے۔

جوگنی۔ میں کسی کو کچھ نہیں کہتی مگر ہاں تم سے ایک بات کہنے آئی ہوں۔

داہر۔ فرمائیے کیا۔

جوگنی۔ جو تم اپنی شامت اعمال سے اپنی جنم بھومی (پیدائش کی جگہ) کے دشمن کیوں بن رہے ہو۔

داہر نے حیرت سے دیکھکر کہا میں یہ کیسے؟

جوگنی۔ تم نے مسلمانوں کو کیوں چھیڑا۔

داہر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میں نے چھیڑا؟ میں کب ان پر لشکر کشی کرنے گیا تھا۔

جوگنی۔ اور وہی کب تم پر لشکر کشی کرکے آ رہے ہیں۔

داہر۔ مگر اب تو ایک لونڈا اس ملک کو فتح کرنے کے ارادہ سے آ رہا ہے۔

جوگنی۔ وہ لونڈا شیر ہے۔ ایسا شیر جو اس بھومی (زمین) کے ایک ایک بچہ کو پچھاڑ کھائے گا۔

داہر نے ہنستے ہوئے کہا۔ خوب بات کہی ہے تم نے۔ عنقریب تم سن لو گی کہ وہ طفل شیر خوار (دودھ پینے والا بچہ) مارا بھی گیا۔

جوگنی۔ کاش میں ایسا سن سکتی راجن اپنے ملک کے اپنی رعایا کے دشمن نہ بنو۔

داہر۔ میں کیسے دشمن بن رہا ہوں؟

جوگنی۔ تم مسلمان قیدیوں کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے ہو؟

داہر۔ وہ میری حد میں کیوں بغیر اجازت کے آئے میں کبھی انھیں نہ چھوڑوں گا

بلکہ دو چار ہی روز میں انھیں یہاں بلوا کر ایک ایک کو قتل کر ڈالوں گا۔

جوگنی۔ قتل کر چکے اب کس کو قتل کرو گے تم؟

داہر۔ قیدیوں کو۔

جوگنی۔ قیدی ہیں کہاں؟

داہر۔ دیبل میں۔

جوگنی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ دیبل تباہ ہو چکا۔ سمتی مارا گیا۔ مندر تاراج کر دیا گیا۔ داسیاں اور سمتی کی دو لڑکیاں مع ہزاروں دیروں (بہادروں) کے خلیفہ کی خدمت میں بھیج دی گئیں۔ اور وہ مسلمان جن پر یہ جھگڑا اٹھا تھا۔ آزاد کر دیئے گئے۔ داہر یہ باتیں سن سن کر غم والم سے آزردہ ہو رہا تھا اس نے پوچھا کس نے یہ حرکت کی۔

جوگنی۔ اس نے جسے تم طفل شیر خوار کہہ رہے تھے۔

داہر۔ کیا محمد قاسم نے؟

جوگنی۔ ہاں۔

داہر نے سخت غمزدہ ہو کر اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔ افسوس میں کس خیال میں تھا اور کیا ہو الیکن کچھ پرواہ نہیں میں بھی جب تک ان مسلمانوں سے انتقام نہ لے لوں گا۔ آرام سے نہ بیٹھوں گا جوگنی نے افسردہ لہجہ میں کہا۔ انتقام تم انتقام نہ لے سکو گے۔ جو عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا ہو جس کے راج محل میں کئی رانیاں ہوں اور بیچاسوں داشتہ لڑکیاں ہوں جو لہو و لعب ہی کو سب کچھ سمجھتا ہو کیا انتقام لے سکتا ہے میں اس زمین میں پیدا ہوئی ہوں مجھے اس زمین سے محبت ہے میں چاہتی ہوں کہ تم ہوش میں آؤ اور دانشمندی کر کے ملک کو تباہی سے

بحالو ورنہ جو دیبل کا حشر ہوا ہے وہی تمام ملک کا ہو گا۔

داہر۔ تم جس قدر بھی مجھے برا کہو حق بجانب ہو گا واقعی آج تک میں آرام اور عشرت میں ڈوبا رہا۔ مگر اب مطلق بھی اس طرف رغبت نہ کروں گا اب میں اس قدر لشکر اور اتنے ہاتھی میدان جنگ میں بھیجوں گا کہ وہ ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔

جوگنی۔ تم جانتے ہو مسلمانوں نے کیوں حملہ کیا ہے؟

داہر۔ اپنے بھائیوں کو چھڑانے کے لیے۔

جوگنی۔ یہی بات ہے انھوں نے اور تو سب کو چھڑا لیا ہے۔ صرف ایک یہ لڑکی (طاہرہ کی طرف اشارہ کیا) باقی رہ گئی ہے۔ عقلمندی اور مصلحت اسی میں ہے کہ اسے محمد قاسم کے پاس بھیجدو اور اس سے استدعائے صلح کر لو۔

داہر نے بگڑ کر کہا۔ میں دب کر کبھی صلح نہ کروں گا یہ لڑکی مجھے پسند ہے اور یہ سندھ کی مہارانی بنے گی۔

جوگنی نے غضبناک ہو کر کہا۔ راون سیتا کو بھگا کر لے گیا تھا آخر اس کا ناش ہو گیا تم اس کنیا (دوشیزہ) کو لائے ہو کہیں تمہارا بھی راون جیسا حشر نہ ہو۔

داہر۔ اطمینان رکھو میں مسلمانوں کو مسل کر رکھدوں گا۔

جوگنی۔ یہی راون کا خیال تھا کہ رامچندر جی کو مسل ڈالے گا مگر کچھ بھی نہ کر سکا۔

داہر۔ مگر میں راون نہیں ہوں۔

جوگنی۔ راون تم سے زیادہ طاقتور تھا تم سے زیادہ اس کے ہمراہ

سپاہ تھی۔

داہر۔ نہیں ماتا اس سے زیادہ میرے پاس فوج ہے۔

جوگنی۔ افسوس تمھاری آنکھیں نہیں کھلتیں اچھا تم جانو مگر ایک بات مان لو۔

داہر۔ کیا۔

جوگنی۔ اگر اپنی بہتری چاہتے ہو تو اس کنیا (طاہرہ) کو اس وقت تک کچھ نہ کہو جب تک مسلمانوں سے لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

داہر۔ میں منظور کرتا ہوں۔

طاہرہ کچھ خوشی اور کچھ غم و غصہ اور کچھ خوف بھری نظروں سے جوگنی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اسکے ہاتھ میں خنجر تھا اب جوگنی تھوڑا اور کمرے میں چلی اور پُراسرار طریقہ سے غائب ہو گئی داہر اسکے چلے جانے کے بعد کچھ سوچتا رہا۔ آخر اس نے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

طاہرہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ کہ میں نے تم کو ستایا میں معافی چاہتا ہوں کہ آیندہ تم کو کچھ نہ کہوں گا تم اطمینان سے رہو۔ اچھا اب جا رہا ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ چلا گیا اور طاہرہ نے اطمینان کا دم لیا وہ بیٹھ گئی اپنی حالت داہر کی کیفیت جوگنی کے فرمودہ واقعات پر غور کرنے لگی۔

چوتھا باب

"پیکر غرور"

داہر طاہرہ والے کمرہ سے باہر نکل آیا اسے جوگنی نے بتایا تھا کہ دیبل کا قلعہ مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے لیکن اسے یقین نہ آتا تھا اس لیے کہ دیبل کا قلعہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس کے خیال میں اس کا فتح ہونا قریب قریب ناممکن تھا اور اسکے علاوہ وہاں لشکر بھی کافی تھا اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا لشکر کل چھ ہزار ہی ہے۔ اسے خیال نہ صرف خیال بلکہ یقین تھا کہ اہل دیبل مسلمانوں کو ہزیمت دے کر بھگا دیں گے۔ مگر آج جوگنی نے بتایا کہ دیبل فتح ہو گیا اسے حیرت تھی اور افسوس بھی۔ وہ وہاں چل کر اپنے خاص کمرہ میں چلا یہاں اسکی سگی بہن مائی جس سے اس نے شادی کر لی تھی اور جو رانی کہلاتی تھی بیٹھی تھی۔ اس نے راجہ کا چہرہ اداس دیکھا تو اسے تعجب ہوا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ راجہ ایک مسلم دوشیزہ کو لایا ہے اور اسے اپنی مرضی پر چلنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس نے کئی لڑکیوں کو اسی طرح ہموار کر کے اپنی نفس پرستی کا شکار بنا لیا تھا اور یہ سب کچھ تمام رانیوں کے سامنے ہوا تھا۔ چونکہ رانیاں ایسے واقعات کی عادی ہو گئی تھیں۔ اس لیے اب انھیں رشک یا حسد نہ رہا تھا۔ چنانچہ رانی مائی نے بھی باوجود سمجھنے کے کہ راجہ مسلم دوشیزہ کے پاس سے آرہا ہے۔ کسی کبیدگی کا اظہار نہ کیا بلکہ اسے پریشان حال اور افسردہ خاطر دیکھ کر وہ بھی افسردہ ہو گئی۔ اور جب داہر آکر بیٹھ گیا تب اس نے کہا۔ ناتھ کیسی

طبیعت ہے۔؟۔ داہر نے کہا اچھی ہے۔

مائی۔ مگر بشرہ سے تو فکر سے پریشانی ہے۔

داہر۔ ماتا جوگنی نے ایک ایسی خبر سنائی ہے۔

مائی۔ وہ خبر مجھے بھی سناؤ گے سوامی؟

داہر۔ اس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں نے دیبل کا قلعہ فتح کر لیا ہے۔

اس وقت رانیوں کو سیاسی معاملات سے کچھ بھی تعلق نہ ہوتا تھا وہ یہ بھی نہ جانتی تھیں کہ اگر جنگ ہو کر ملک کا کچھ حصہ بھی نکل جائے تو اس سے کیا نقصان ہوتا ہے چنانچہ مائی بھی ایسی ہی رانی تھی اس نے کہا کہ اگر ایک قلعہ جاتا رہا تو کیا نقصان ہو گا۔ آپ کے پاس تو سینکڑوں قلعہ ہیں۔

داہر۔ لیکن ممکن ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے ایک قلعہ فتح کر لیا ہے اسی طرح اور بھی کر لیں گے۔

مائی۔ کر لینے دو۔ دو چار قلعے قبضہ میں کر کے لوٹ جائیں گے سارے قلعوں پر قبضہ کرنے سے تو وہ رہے۔

داہر۔ تم مسلمانوں کو نہیں جانتیں وہ انسان نہیں شیطان ہیں ان میں ضرور اتنی طاقت ہے کہ ایک ایک کر کے تمام قلعوں پر قبضہ کر سکتے ہیں۔

مائی۔ یہ سنکر خوفزدہ ہو گئی۔ اس نے کہا کیا اس الور کے قلعے کو بھی فتح کر لیں گے۔

داہر۔ ہاں اگر ان کو روکا نہ گیا تو وہ اسے بھی فتح کر لیں گے۔

مائی۔ جب تو روکئے پھر انھیں سوامی۔

داہر۔ روکوں گا۔ اور صرف روکوں گا ہی نہیں بلکہ انھیں شکست دے کر ان کے ملک پر چڑھائی کروں گا۔ اور جب ان کے خلیفہ کو اسیر

کرلوں گا تب واپس آؤں گا۔

مائی کچھ گھبرا گئی۔ اس نے کہا ناتھ وہاں جانے کا ارادہ نہ کیجیے۔ وہ تو سمندر پار رہتے ہیں۔ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ سمندر پار شیطانوں بھوتوں اور جادوگروں کی آبادی ہے جو وہاں جاتا ہے زندہ واپس نہیں آتا اس زمانہ میں ہندوستان کے تمام ہندوؤں کے یہی خیالات تھے اس لیے وہ سمندر میں سفر کرنا خلاف مذہب جانتے تھے۔ گویا انھوں نے سمندر پار نہ جانے کے لیے مذہب کا ایک بہانہ بنا لیا تھا ورنہ وہ صرف اس خوف سے کہ سمندر پار شیطان، بھوت، دیو، جن اور جادوگر رہتے ہیں وہاں جاتے ڈرتے تھے داہر نے کہا مگر مسلمان بھی تو سمندر پار ہی رہتے ہیں۔

مائی۔ مگر آپ کہہ رہے ہیں کہ مسلمان شیطان ہیں شیطانوں ہی میں رہ سکتے ہیں۔

داہر۔ لیکن مسلمان دیکھنے میں تو انسان معلوم ہوتے ہیں۔

مائی۔ کچھ ہی ہوں مگر میں آپ کو وہاں نہ جانے دوں گی۔

داہر۔ اچھا خود نہ جاؤں گا کسی سردار کو بھیج دوں گا۔

مائی۔ ہاں کسی اور کو بھیج دو۔ اس وقت آپ کی طبیعت کچھ بدمزہ ہو رہی ہے۔ گانے اور ناچنے والیوں کو بلا لیجیے۔

داہر نے قطع کلام کر کے کہا۔ خوب یاد دلایا تم نے۔ اچھا کسی داسی کو بھیج دو فوراً مائی نے گھنٹی بجائی۔ ایک خادمہ اندر آئی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگا کر سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔ مائی نے کہا۔ جاؤ ناچنے اور گانے والیوں کو بھیج دو۔ خادمہ چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں کئی حسین دوشیزہ لڑکیاں مع سازوں کے آئیں اور سلام کر کے مودبانہ بیٹھ گئیں یہ تمام لڑکیاں خوبصورت

تھیں اور ایک ایک انگیا جس سے صرف سینے کا کچھ حصہ ڈھکا ہوا تھا پہنے تھیں ساڑھیاں باندھے تھیں مگر اس لباس سے ستر پوشی نہ ہو رہی تھی بلکہ جسم کا اکثر حصہ نظر آ رہا تھا ماٹی نے ان سے کہا کوئی اچھا گانا سناؤ۔ انھوں نے ساز اٹھائے اور سُر ملا کر گانا شروع کیا۔ جیسی وہ حسین تھیں ویسی ہی خوش آواز تھیں۔

ان کے مل کر گانے سے سماں بندھ گیا اور داہر اور ماٹی کی روحیں موسیقی کے بحر ناپید میں تیرنے لگیں۔ کچھ دیر کے بعد گانا بند کر دیا گیا اور داہر باغیچہ میں جا بیٹھا۔ دراصل دیبل کی فتح نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا تھا۔ اسکے دل کا سکون جاتا رہا اور وہ کچھ پریشان رہنے لگا۔ مگر جب کوئی اس کے پاس آتا تو وہ خوش رہنے کی کوشش کرتا تاکہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ راجہ غمزدہ رہنے لگا ہے ایک دن اسے معلوم ہوا کہ محمد قاسم کا قاصد آیا ہے اس نے دربار منعقد کیا تمام درباریوں کو طلب کیا جب وہ آ گئے تب وہ بھی دربار میں آ بیٹھا اور اس نے قاصد کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ قاصد ایک مسلمان تھا۔ اس سنگھاسن کے قریب جا کر مراسلہ بڑھایا۔ بدھی من وزیر نے مراسلہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں تحریر تھا۔

از جانب محمد قاسم ثقفی بندہ خدا سالار لشکر اسلامیہ بجانب راجہ داہر والئی ہند و سندھ۔ افسوس ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو قید کر کے فرزندان اسلام کو سندھ پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ کاش آپ قیدیوں کو اسی وقت رہا کر دیتے جب کہ پہلی مرتبہ آپ کی خدمت میں قاصد بھیجا گیا تھا اب دیبل فتح کر لیا گیا ہے۔ اور وہاں جو قیدی تھے ان کو چھڑا لیا گیا ہے صرف ایک لڑکی طاہرہ اور

میں آپ کے پاس ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ اسے باعزت ہمارے پاس روانہ کردیں اگر آپ ایسا کرینگے تو وجہ مخاصمت ختم ہو جائے گی۔ چونکہ میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا اس لیے دوستانہ مشورہ دیتا ہوں۔

(از محمد قاسم)

داہر اس خط کو سن کر آگ بگولہ ہو گیا اس نے کہا شاید محمد قاسم دیبل کی فتح پر کچھ مغرور ہو گیا ہے اور اسی لیے اسے یہ خط لکھنے کی ہمت ہوئی ہے مگر وہ میری طاقت سے واقف نہیں ہے۔ اس سے کہدو کہ طاہرہ میرے پاس ہے اور میرے ہی پاس رہے گی کوئی طاقت اسے مجھ سے چھین کر نہیں لے جا سکتی یہ لایعنی گفتگو سن کر قاصد کو غصہ آگیا اس نے کہا۔ مغرور محمد قاسم نہیں آپ ہیں آپ کو اپنی طاغوتی پر غرہ ہے مگر آپ خدا کو بھول گئے ہیں۔ نہیں جانتے کہ وہ فرعونی حکومت کا منٹوں میں خاتمہ کر دیا کرتا ہے۔ ہمیشہ کمزوروں کا ساتھ دیتا ہے اگر وہ کمزوروں کا ساتھ نہ دے تو زورآور انھیں مسل ڈالیں آپ زور آور سہی لیکن ہم کمزوروں کا خدا مددگار ہے اور اس لیے ہمیں اطمینان اور اعتماد ہے کہ اگر آپ نے ہماری صلح کی درخواست ٹھکرا دی تو خدا ہماری مدد کرے گا اور جس طرح سے ہم نے دیبل فتح کر لیا ہے اسی طرح آپ کی تمام راجدھانی فتح کر لیں گے۔ داہر غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ تمہارا یہ حوصلہ؟۔ تم کو معلوم نہیں کہ دیبل میں بزدل لوگ تھے۔ اب جن بہادروں سے مقابلہ ہو گا۔ وہ شیروں کے گلے چیر ڈالتے ہیں۔ اس لیے میں تم کو متنبہ کرتا ہوں کہ دیبل سے آگے قدم نہ بڑھانا ورنہ تم میں سے ایک بھی زندہ بچ کر نہ جائے گا۔

قاصد۔ آپ ہم مسلمانوں سے بالکل واقف نہیں ورنہ صلح کو غنیمت

جانتے ہم وہ ہیں جو بجز خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے اور جس کام کو شروع کرتے ہیں اسے ختم کئے بغیر نہیں چھوڑتے ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ یا تو طاہرہ کو رہائی دلائیں گے یا اسی کی کوشش میں خود شہید ہو جائیں گے۔

داہر۔ ہاں یہ دوسری بات ممکن ہے۔

قاصد۔ نہیں وہ ممکن نہیں بلکہ ممکن یہ ہے کہ ہم تمہاری حکومت کا تختہ الٹ دیں گے۔

داہر۔ اچھا دیکھوں گا منتری جی (وزیر جی) مغرور محمد قاسم کو جواب لکھ دو اور اس گستاخ قاصد کو دے دو۔

بدھی من نے جواب لکھا۔ داہر کو دکھایا اور مہر لگا کر قاصد کے حوالے کر دیا قاصد روانہ ہو گیا۔ اسکے جانے کے بعد داہر نے وزیر اعظم سے کہا۔ تم نیرون کے راجہ ساہنی۔ سیوستان کے راجہ بجھرا۔ بدیہہ کا راجہ کاکا۔ بیت کے راجہ موکہ۔ کو ہماری طرف سے فرمان لکھو کہ محمد قاسم کو اپنی اپنی سرحدوں پر روک دیں اس طرف نہ بڑھنے دیں اور اگر وہ لڑے تو اسے شکست دے کر بھگا دیں۔ اور کوشش کریں کہ اس مغرور کو قتل کر کے اس کا سر ہمارے حضور میں بھیج دیں۔ اسی وقت یہ فرمان روانہ کر دو۔ بہتر ہے۔ وزیر اعظم نے کہا۔ اور اپنے نائب وزیر سیاگر کو بلا کر اس سے فرمان لکھوانے لگا۔ جب فرامین تیار ہو گئے تب قاصد کے حوالے کر کے اسی وقت روانہ کر دیا گیا۔ اب داہر نے دربار برخاست کر دیا اور اٹھکر راج محل میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی تمام درباری بھی ایک ایک کر کے چلے گئے۔

پانچواں باب (۵)

غازیان اسلام

محمد قاسم مع لشکر کے دیبل سے نیروں کی طرف چل پڑا۔ نیروں دیبل سے پینتالیس فرسنگ[۱] یعنی تقریباً پچونسٹھ میل تھا۔ دس میل روزانہ کے حساب سے چھ دن میں یہ لشکر نیرون پہنچا۔ محمد قاسم جس قدر پر جوش اور بہادر تھا۔ اسی قدر رحم دل تھا اور اسی رحمدلی ہی کی وجہ سے نہیں چاہتا تھا کہ فضول خونریزی ہو اور خلق اللہ ماری جائے۔ چونکہ یہ مہم ان مسلمانوں کو چھڑانے کے لیے بھیجی گئی تھی جو کہ سراندیپ سے آتے وقت راجہ داہر کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے تھے دیبل فتح ہونے سے اور تمام قیدی رہا ہو گئے تھے۔ صرف ایک طاہرہ رہ گئی تھی۔ محمد قاسم چاہتا تھا کہ داہر طاہرہ کو بھی رہا کر دے تو وجہ نزاع مٹ جائے اور یہ مہم ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس نے نیروں پہنچنے سے پہلے ہی راجہ داہر کو ایک خط لکھا تھا اور اس میں مطالبہ کیا کہ وہ طاہرہ کو چھوڑ دے۔ جب حجاج کو معلوم ہوا کہ محمد قاسم نے اس قسم کا خط راجہ داہر کو لکھا ہے تو اس نے فوراً ناراض ہو کر ایک تہدید نامہ لکھا جس کا اقتباس یہ ہے۔

---

[۱] ایک فرسنگ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل سترہ سو ساٹھ گز کا ہوتا ہے اور ایک گز چھتیس انچ کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک فرسنگ اڑھائی میل اور پینتالیس فرسنگ تقریباً چونسٹھ میل ہوئے (صادق صدیقی)

فرزند من اس بات کو سنکر خوش نہیں ہوا کہ تم نے راجہ داہر کو مصالحت کے لیے لکھا ہے تم نے اپنی نیک دلی سے ایسا لکھا لیکن داہر اسے تمہاری کمزوری پر محمول کرے گا اور وہ ہرگز صلح پہ آمادہ نہ ہوگا۔ تم ہندوستان کے راجاؤں سے واقف نہیں ہو یہ خود سر مغرور نیم وحشی اور نہایت سنگ دل ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں یہ ہدایت کی ہے کہ جو تم سے مصالحت کی درخواست کرے اس سے فوراً صلح کر لو۔ ان جن شرائط پر صلح کرو ان کی پوری پابندی کرو لیکن اپنی طرف سے ہرگز تحریک صلح نہ کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے پاس لشکر کم ہے اور غنیم پاس بیشمار ہے۔ مگر مسلمان کبھی دشمنوں کی کثرت سے نہیں گھبراتا اس لیے کہ وہ خدا پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے امید اعانت رکھتا ہے ہندو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ اس سے امید رکھتے ہیں اس لیے تم اندیشہ نہ کرو انشاءاللہ خدا تم کو فتح دے گا۔ آج تمام اسلامی قلمرو کی نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں اور ہر مسلمان مرد عورت اور بچے تمہاری فتحیابی کی دعائیں مانگ رہے ہیں جب دشمن ہاتھیوں کو لیکر حملہ کرے تو تم اپنے گھوڑوں کے پھریں لگادو یا پیدل ہو کر نیزوں سے حملہ کردو۔ جب دریائے سندھ پر پہونچو تو اس کا ایک نقشہ میرے پاس بھیجدو نیز تمام مسلمانوں کو میرا اسلام کہدو۔

حجاج از بصرہ

جب یہ خط محمد قاسم کے پاس آیا ۔ ۔ ۔ تو اس نے فوراً تمام لشکر کو سنا دیا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حجاج نے ڈاک بٹھادی تھی۔ پانچ پانچ میل کی ایک منزل مقرر کردی اور ہر منزل پر دو دو سوار مقرر کر دیئے تھے جو خط ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر لاتے اور لے جاتے تھے۔ یہ انتظام بدستور قائم تھا۔ اور جوں جوں اسلامی لشکر بڑھتا جاتا تھا ڈاک کی منزلیں بھی

بڑھتی جاتی تھیں اور قریب قریب تیسرے دن خطوط آتے جاتے تھے جب یہ لشکر نیرون پہونچا تو سامنی حاضر ہوا۔ غالباً ناظرین کو یاد ہوگا کہ سامنی نے حجاج سے مصالحت کرلی تھی نیز اس کی اطلاع محمد قاسم کو دیدی تھی، نیز سامنی خود بھی محمد قاسم سے مل چکا تھا اس نے آتے ہی بیان کیا کہ وہ قاصد جسے محمد قاسم نے داہر کے پاس بھیجا تھا جواب لے کر آگیا ہے اور سامنی نے اسے روک لیا ہے اس نے یہ بھی کہا کہ داہر کا ایک فرمان اس کے نام آیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ محمد قاسم کو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دینا اسے سرحد پر روکو اور جنگ شروع کردو اس نے یہ بھی بتایا کہ داہر نے اسی قسم کے فرامین تمام راجاؤں کے نام بھیجے ہیں۔ محمد قاسم نے سمجھ لیا کہ داہر مصالحت کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسکی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ حجاج نے بالکل درست لکھا ہے کہ میری درخواست مصالحت کمزوری پر محمول کی جائے گی۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ آیندہ کبھی کسی راجہ سے مصالحت کی تحریک نہ کرسکا۔ اس نے قاصد کو بلایا۔ قاصد نے آکر داہر کا مراسلہ پیش کیا۔ محمد قاسم نے مراسلہ کھول کر پڑھا اس میں تحریر تھا۔

"از جانب راجگان داہر فرمانروائے بحر و بر بجانب مغرور سرکش محمد قاسم

اے شیر خوار بچہ تو دیبل کو فتح کرکے اترا گیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ دیبل کی طرح سے اور قلعوں کو بھی فتح کرے گا، حالانکہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ دیبل میں تجار اور پیشہ ور لوگ رہتے تھے لڑنے والے بہت کم تھے اس لیے تم نے اسے فتح کرلیا اور اب اتنی جرأت ہوگئی ہے کہ تو ہم کو دھمکی دینے لگا کہ یا تو طاہر کو چھوڑ دیں ورنہ ہمارا حشر دیبل والوں کا سا ہوگا۔ بیوقوف بچے اس خیال خام کو اپنے دل

سے نکال دے، اور اگر تو اپنی اور اپنے لشکر کی زندگی چاہتا ہے تو واپس چلا جا ورنہ ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہے گا تو میرے بیٹے راجہ جے سیاہ[1] کے زور قوت سے واقف نہیں ہے کہ اس سے ہندوستان کے تمام فرمانروا کانپتے تھے اور اسکے آستانہ پر ماتھا رگڑتے ہیں۔ مکران اور توران کے بہادر لوگ اس کے حلقہ بگوش اطاعت ہیں ہمارے پاس اس قدر ہاتھی ہیں کہ ان کا ایک ہی ریلہ تیرے تمام لشکر کو مسل کر رکھ دے گا۔ عقلمندی اسی میں ہے کہ میرے بہادروں کے پہونچنے سے پہلے ابھی لوٹ جا۔

محمد قاسم اس خط کو پڑھکر ہنسا اس نے کہا داہر کو غرہ ہے اپنے لشکر پر اپنے بیٹے کی بہادری پر۔ اپنی رعایا کی کثرت پر۔ ہاتھیوں کی ہنگامہ خیزی پر مگر ہم کو زعم ہے خدا پر اور خدا پرستی پر۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے جسکی ہم پرستش کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہم مسلمانوں کی مدد کرتا رہا ہے اور اب بھی کریگا۔ اس نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ہم پر (خدا کو) مسلمانوں کی مدد کرنا لازمی ہے۔

---

[1] جے سیاہ نام راجہ داہر کا بیٹا تھا۔ تاریخوں میں اسکی پیدائش کا افسانہ اس طرح لکھا ہے کہ اسکی ماں حاملہ تھی۔ داہر شکار کے لیے گیا تھا اتفاق سے شیر سامنے آ گیا۔ سپاہی ڈر کر بھاگ گئے۔ راجہ داہر نے شیر مار ڈالا۔ سپاہی جب شہر میں پہونچے تو انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ رانی نے بھی سنا۔ وہ بیہوش ہو کر مرگئی جب راجہ نے واپس آکر سنا تو اس نے رانی کو دیکھا اسکے پیٹ میں بچہ زندہ تھا۔ چونکہ پیٹ چیر کر بچہ نکالا گیا اور اس کا نام جے سیاہ رکھا گیا۔ (صادق صدیقی)

یہ ظاہر ہے کہ جس کی مدد خدا کرے اسکی فتح یقینی ہے اس لیے ہمارا اعتقاد ہے کہ فتح ہماری ہی ہوگی۔ راجہ داہر کے ہاتھی۔ اس کا بیشمار لشکر اس کا بیٹا اسکے بہادر لوگ سب دھرے رہ جائیں گے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور اس لیے چاہتا تھا کہ داہر سے مصالحت ہو جائے لیکن وہ ایسا مغرور اور جابر ہے کہ اس نے میری صلح کی پیش کش کو میری کمزوری سمجھ کر ٹھکرا دیا۔ اب انشاءاللہ اس سے صلح ہرگز نہ کروں گا۔ اور یا تو اسے قتل کر کے دم لوں گا یا خود شہید ہو جاؤں گا۔

سامنی نے کہا۔ راجہ داہر نے جو فرامین جاری کیئے ہیں ان میں یہ لکھا ہے کہ آپ کو زندہ گرفتار کر کے یا آپ کا سر اس کے حضور میں پیش کیا جائے۔

محمد قاسم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے ڈرتا ہے لیکن اگر خدا نے چاہا تو میں اس کا سر حجاج کے پاس بھیجوں گا۔

نیرون میں محمد قاسم نے اس لیے قیام کر دیا تھا کہ لشکر آرام کرلے اور رسد کا انتظام کر لیا جائے لیکن اسلم کو ایک ایک گھنٹہ بلکہ ایک ایک منٹ ناگوار گزر رہا تھا۔ جب تک کہ وہ خود اسیر تھا اور تہہ خانہ میں مقید تھا اس وقت تک مجبور تھا۔ اور طاہرہ کی خبر نہ لے سکتا تھا مگر اب وہ آزاد ہو چکا تھا کہ جلد سے جلد طاہرہ کو رہا کرانے کا متمنی تھا۔ لہذا دو دن گزرنے پر اس نے محمد قاسم سے کوچ کرنے کو کہا۔ محمد قاسم کی اسلم سے محبت ہو گئی تھی وہ اسے پرجوش بہادر سمجھتا تھا۔ اس نے پانچ صد سواروں پر اسے مقرر کر کے اسکے لیئے ایک علم بنا دیا تھا۔ ہر دستہ کا علم جداگانہ تھا اور ہر شخص اپنے علم کی کمال عزت کرتا تھا لیکن محمد قاسم کے علم کو سب پر ترجیح دی جاتی تھی۔ چنانچہ محمد قاسم نے لشکر کو تیاری کا حکم دیدیا اور اگلے دن کوچ کی ٹھہر گئی۔ نیرون سے

آگے بڑھ کر سیوستان کی ولایت تھی۔ سیوستان کا دارالسلطنت بھوج تھا جو کہ سیوستان کے قلعہ کے قریب ہی تھا۔ سیوستان پر بجھرا راجہ تھا۔ بجھرا راجہ داہر کا بھتیجہ تھا۔ چنانچہ دوسرے دن لشکر اسلام نے اس طرح کوچ کیا کہ سب سے پہلے اسلم کا دستہ پھر عبدالرحمٰن پھر سفیان البروک کا پھر عجل کا۔ پھر خریم کا اور پھر محمد قاسم اور مجاشع کا دستہ سب کے آخر میں اس روز روانہ نہ ہو سکا بلکہ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھ کر روانہ ہوا۔ اسامنی نیرون میں ہی رہ گیا لیکن اس نے اس اسلامی لشکر کے لیے رسد کا انتظام یہ کر دیا کہ غلہ کے تاجروں کو ہدایت کر دی کہ ہر منزل پر رسد پہنچا دیں اور یہ انتظام سیوستان تک جاری رہا۔

چھٹا باب

"حسین رانی"

رانی لادی محمد قاسم سے وداع ہو کر اپنے لشکر میں چلی گئی تھی۔ چونکہ ابھی رات زیادہ نہیں آئی ہے اس لیے تمام سپاہی جاگ رہے تھے اور آگ کے آلاؤ کے گرد بیٹھے خوش فعلیاں کر رہے تھے لیکن رانی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کر ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور سروں کو جھکا جھکا کر کھڑے ہو جاتے تھے رانی ان کے سامنے سے گزر کر اپنے خیمہ میں پہنچی اسکی کنیزیں ابھی تک بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں لادی کو دیکھتے ہی وہ بھی کھڑی ہو گئیں اس وقت خیمہ میں چاندی کے کئی فتیل سوز تھے اور ان میں چراغ روشن ہو رہے تھے۔ ان کی روشنی سے خیمہ اور خیمہ کی ہر چیز جگمگا رہی تھی۔ لادی کو دیکھتے ہی تمام

کنیزیں اٹھکر سرنگوں کھڑی ہو گئیں جب رانی بیٹھ گئی تب انھوں نے اسکے چہرے کی طرف دیکھا اس کا گلابی رنگ قدرے پھیکا پڑا ہوا تھا۔ اسکی داسیاں یا کنیزیں اسکی نیکی یا بھولے پن کی وجہ سے قدرے گستاخ ہو گئی تھیں ان میں سے ایک کنیز نے کہا۔ مہارانی جی کیا بات ہو گئی ہے چہرہ کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟"

لاڈی اپنی کیفیت چھپانا چاہتی تھی۔ مگر نہ چھپا سکی۔ رازدار کنیزوں نے معلوم کر لیا۔ لیکن فوراً ہی اس نے کہا کوئی خاص بات نہیں ہے میں پیدل ہی گئی تھی اور پیدل ہی آئی ہوں شاید اسی وجہ سے کوئی بات ہو گئی ہو اب رات زیادہ آ گئی ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ کنیزوں نے جلدی جلدی اسکے کپڑے تبدیل کرائے اور خیمہ سے نکل نکل کر چلی گئیں کنیزوں کے جاتے ہی رانی مسہری آرام چارپائی پر جا پڑی اور خیالات کے سمندر میں غوطے کھانے لگی۔ کبھی اسے خیال ہوتا کہ چندر نے کس قدر دغابازی کی کہ اسے اور راجہ کو فریب دیکر یہاں لایا اور اسکی آبرو ریزی کے درپے آزار ہو گیا کبھی محمد قاسم کا خیال آتا۔ اور اسکی نیکی بہادری اور خوش خلقی کی تعریف کرتی کبھی کہتی کہ کس قدر کمسن لڑکا ہے اور فوج کا سپہ سالار بنکر آیا ہے یہ کس قدر ہوشیار ہے کہ رات کو آرام نہیں کرتا بلکہ دشمنوں کا سراغ لگاتا پھرتا ہے۔ الغرض اس قسم کے خیالات میں آدھی رات تک پڑی الجھتی رہی۔ آدھی رات کے بعد سو گئی اس نے خواب میں بھی محمد قاسم ہی کو دیکھا ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ جب بھی اس نے خواب میں محمد قاسم کو دیکھا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی اور جب کسی کو بھی وہاں نہ پاتی تو کچھ اپنے اس نازیبا خیال پر غصہ اور افسوس کر کے

بن بن کر پڑ جاتی اور کچھ دیر کے بعد سو جاتی۔ اس طرح سوتے جاگتے صبح ہو گئی اٹھتے ہی اس نے ضروریات سے فراغت کر کے اور اسی وقت لشکر کو واپس کوچ کرنے کا حکم دے دیا یہ کس کی مجال تھی کہ رانی لاڈی کے حکم کو ٹال سکے فوراً تمام لشکر کیل کانٹے سے لیس ہو گئی لاڈی رتھ میں بیٹھ گئی اور لشکر کے ساتھ الور کی طرف روانہ ہو گئی۔

الور وہاں سے بہت دور تھا۔ یہ لشکر منزل بہ منزل کوچ و قیام کرتا چلا جا رہا تھا۔ لشکر والوں نے راستہ میں سن لیا تھا کہ مسلمانوں نے دیبل فتح کر لیا ہے یہ سن کر ان پر ہراس طاری ہو گیا تھا اس کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں مسلمان ان پر اچانک حملہ نہ کر دیں اس لیے وہ دو منزلہ اور سہ منزلہ کر کے جلدی سے الور پہونچنا چاہتے تھے۔ لیکن ایک رانی دھان پان تھی۔ وہ اس قدر سفر کی مشقت برداشت نہ کر سکتی تھی۔ دوسرے اس طرح بھاگ کر چلنے سے ان پر بزدلی کا الزام عائد ہوتا تھا۔ اس لیے وہ بظاہر اطمینان سے چل رہے تھے۔ حالانکہ ان کے دل خوف اور دہشت سے کانپ رہے تھے ایک دن اس لشکر کے سردار نے لاڈی سے کہا۔ کہ اگر آپ اجازت دیں تو رات اور دن سفر کو جاری رکھا جائے مگر رانی نے نہ مانا اور صاف طور پر کہہ دیا کہ شاید تم لوگ مسلمانوں سے ڈرنے لگے ہو لیکن میں نہیں ڈرتی میں جس طرح آرام و اطمینان سے آئی تھی اسی آرام و اطمینان سے جاؤں گی بڑی بزدلی سمجھتی ہوں مسلمانوں سے ڈر کر رات دن بھاگم بھاگ چلی جاؤں!!

آخر رانی کی یہ بات سنکر چپ ہو گیا اور سفر بدستور جاری رہا۔ چونکہ رانی لاڈی سے رعایا کو عام طور پر محبت تھی اس لیے وہ جس گاؤں یا قصبہ یا شہر سے گذرتی اسکی رعایا آ آکر اسکے سامنے جھکتی اور اسکے قدموں پر نذر د

عقیدت کے پھول چڑھاتی چلی گئی آخر یہ لشکر بخیریت الور پہونچ گیا۔ رانی راج محل میں داخل ہوئی۔

چونکہ وہ اتنا لمبا سفر کرنے سے تھک گئی تھی اس لیے اس نے اپنے کمرہ میں جاکر آرام کیا اور تمام شب آرام سے سوتی رہی۔ صبح کو بیدار ہو کر ضروریا سے فراغت کر کے غسل کیا اور غسل کرتے ہی سفید ریشمیں ساڑی اور سفید شلوکہ پہن کر کنیزوں کے ساتھ مندر کی طرف روانہ ہوئی۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہر رانی کا مندر علیحدہ تھا اور رانی اپنے ہی مندر میں پوجا پاٹ کے لیے جایا کرتی تھی۔ چنانچہ رانی لاڈی اپنے مندر میں پہونچی مندر کی عمارت نہایت خوبصورت تھی۔ اندر اور باہر ہر طرف سفید استر کاری ہو رہی تھی۔ مندر کے برآمدے میں دو تین پنڈت گھٹنوں سے اونچی دھوتیاں کیئے کھڑاویں پہنے جنیو ڈالے تھے لاڈی ان کے پاس پہونچتے ہی ہاتھ جوڑ کر جھکی اور ان کے قدموں کو چھو کر سر و قد کھڑی ہو گئی۔ آج جس طرح لکھے پڑھے جاہل مسلمان مرد عورتیں دغاباز پیروں کے قدم چھو کر گنا ہگار ہوتے ہیں اور پیروں سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ ہندو عورتیں اور مرد پنڈتوں سے ڈرا کرتے ہیں اور ڈر کر اپنی تعظیم کے لیے ان کے سامنے جھک جاتے ہیں چنانچہ رانی لاڈی بھی پنڈتوں سے ڈرتی اور ڈر کر ان کی تعظیم کرتی تھی جب وہ کھڑی ہوئی تو ایک بڈھے برہمن نے کہا۔ سندر رانی (حسین رانی) ایک آپ کے نہ ہونے سے یہ مندر سونا ہو گیا تھا۔ چلیئے درشن دکشنا دیجئے لاڈی کے ساتھ جو کنیزیں آئی تھیں ان میں سے دو کے پاس پھولوں کے چنگیر دان تھے جن میں پھولوں کی مالائیں (ہار) تھیں اور باقی کنیزیں متفرق اشیاء لیئے ہوئے تھیں۔ لاڈی مندر کے اندر گئی اس میں ایک سونے کا بت

رکھا تھا۔ رانی اسکے سامنے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی بیٹھی رہی دیر تک کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں کنیزوں کی طرف دیکھا فوراً کنیزوں نے پھول کے چنگیر دان پیش کیئے اس نے ہار لے کر مورتی کے گلے میں ڈالے اور تین مرتبہ بت کے پیروں کو ہاتھ لگا لگا کر اپنی پیشانی سے لگایا۔ پھر سیدھے قدموں واپس ہوئی اور مندر سے باہر نکل کر پنڈت کو خیرات دی اب وہ وہاں سے چلی اور اپنے کمرہ میں آگئی ان کا ارادہ کپڑے بدلنے کا تھا کہ دو تین داسیاں گھبرائی ہوئی آئیں اور انھوں نے آتے ہی کہا مہاراج پدھار نے (تشریف لانے) والے ہیں لاڈی سفید پوشاک میں تھی۔ اسکے سر کے بال کمر تک لمبے اور کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے اس نے جلدی سے ساڑی درست کی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ فوراً ہی راجہ داہر آگیا۔ لاڈی دوڑ کر اسکے قدموں کو چومنے کے لیے جھکی۔ راجہ نے اسے اٹھا کر اپنے سینہ سے لگایا اور کہا پریہ (پیاری) تم آگئیں۔ لاڈی نے کہا ناتھ بھاگ (قسمت) میں آپ کے درشن (زیارت) کرنا لکھے تھے آگئی ورنہ۔۔۔

راجہ نے حیران ہو کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ورنہ کیا۔؟

لاڈی ظالم چندر نے دھوکہ دینے میں کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

داہر نے کہا۔ دھوکہ۔ چندر نے دھوکہ دیا۔

لاڈی۔ جی ہاں!

داہر۔ کیا دھوکہ دیا اس نے؟۔

لاڈی۔ وہ پاپی مجھے اس لیے لے گیا تھا تاکہ۔۔۔ لاڈی نے شرما کر آنکھیں جھکالیں۔ راجہ کو غصہ آرہا تھا اس نے کہا شرماؤ نہ پریہ (پیاری) مجھے سب کچھ صاف صاف سناؤ لاڈی نے اپنی ہوش ربا آنکھیں اس کی

طرف اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پاپی میری آبرو لینا چاہتا تھا۔ راجہ غصہ اور حیرت سے چونک پڑا اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ بدکار کہاں گیا پاپی۔

لاڈی۔ اسے محمد قاسم نے گرفتار کر لیا۔

داہر کی حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی محمد قاسم نے کیسے اسے اسیر کیا؟ اب رانی لاڈی نے تمام واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کرنا شروع کیئے اس نے محمد قاسم کی شرافت کی داستان بڑے موثر طریقہ پر بیان کی داہر سنتا رہا اس نے کہا کیا تم نے محمد قاسم کو دیکھا ہے؟۔

لاڈی۔ جی ہاں دیکھا ہے۔

داہر۔ کیا وہ نوجوان ہے۔

لاڈی۔ جی نہیں۔ نوعمر لڑکا ہے سترہ سال سے زیادہ اسکی عمر نہیں ہے۔

داہر۔ تعجب ہے اتنی تھوڑی عمر کا لڑکا سپہ سالار بن کر آیا ہے۔

لاڈی۔ ہر ایک کو حیرت ہے۔

داہر۔ حیرت کی بات ہی ہے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس لڑکے محمد قاسم سے صلح کر کے اسے اسکی بہادری کی داد دوں مگر راجپوتی آن روکتی ہے

لاڈی۔ سوامی میری بات اگر مانو تو صلح ہی کر لو۔

داہر۔ نہیں میں صلح کر کے راجپوتوں کی قوم کو دھبہ نہ لگاؤں گا میں اس سے لڑوں گا اور اسے اسیر کر کے چھوڑوں گا کہ اس نے میری رانی کو ایک پاپی کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔

لاڈی۔ لیکن ناتھ اچھا تو یہی تھا کہ آپ صلح کر لیتے۔

داہر۔ نہیں میں صلح نہیں کر سکتا میں نے تمام راجاؤں کو لکھدیا ہے۔ کہ وہ محمد قاسم کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کریں۔

لاڈی۔ مگر محمد قاسم آسانی سے گرفتار ہونے والا نہیں۔

داہر: تم دیکھو گی کہ کس آسانی سے وہ گرفتار کیا جاتا ہے۔ اچھا تم کپڑے بدل لو۔

داہر چلا گیا۔ رانی نے کنیزوں کو کپڑے لانے کے لیے کہا اور جب کپڑے آ گئے تو وہ بدلنے لگی۔

ساتواں باب (۷)

"راجہ بجہرا"

اسلامی لشکر کے سوستان کی طرف بڑھنے کا غلغلہ تمام سندھ میں پھیل گیا ہندوؤں پر عام ہراس طاری ہو گیا اور وہ آبادیاں چھوڑ چھوڑ کر برہمن آباد کی طرف بھاگ گئے۔ کچھ الور چلے گئے اور کچھ راجپوتانہ کے ریگستان میں جا چھپے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ سوستان کا دارالخلافہ بہرج تھا اور وہاں کا راجہ بجہرا تھا وہ داہر کا بھتیجا تھا۔ جب اس نے سنا کہ محمد قاسم اور اس کا لشکر سیلاب کی طرح سے اسکے ملک کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں تو وہ بڑا متفکر اور پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً اپنے وزیر اور سپہ سالار کو بلا کر مشورہ کیا اس نے کہا منتری جی (وزیر اعظم) تم نے سن لیا کہ ملیکش محمد قاسم چنڈالوں کا لشکر لیے بڑھا چلا آ رہا ہے۔

وزیر اعظم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ہاں میں نے سنا ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ نیروں کے راجہ سامنی نے اس سے صلح کر لی ہے۔

بجہرا۔ اس نے ملک اور قوم کے ساتھ غداری کی ہے معلوم ہوا ہے

کر دا کنٹش مسلمانوں کے لیے اس نے ہر منزل میں رسد کا انتظام بھی کر دیا ہے۔

وزیر اعظم۔ اندیر بالکل صحیح ہے؟

بجہرا۔ آخر کس چیز نے اسے مسلمانوں کی امداد پر آمادہ کیا۔

وزیر اعظم۔ اسے تو ایشولہ ہی جانتا ہے۔

بجہرا۔ شاید وہ مسلمانوں سے ڈر گیا ہے۔

وزیر اعظم۔ یہی کہا جا سکتا ہے۔

بجہرا۔ اس نے بڑی بزدلی کی۔ اب مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے ہوں گے۔

وزیر اعظم۔ اس نے ہی کیا بزدلی کی سیوستان والے بھی بزدلی کر رہے ہیں۔

بجہرا نے حیرت بھری نظروں سے وزیر اعظم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کیا بزدلی کر رہے ہیں۔

وزیر اعظم۔ مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہی آبادیاں چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔

بجہرا۔ بلاشبہ یہ ان کی بزدلی نہیں ہے۔

بجہرا نے ایسی نظروں سے جن میں غصہ اور حیرت کی ملی جلی جھلک تھی سپہ سالار کو دیکھتے ہوئے کہا اگر یہ کاد پن (بزدلی) نہیں ہے تو کیا اندیاتی (بہادری) ہے۔

سپہ سالار۔ حضور وہ مجبور ہے۔

بجہرا۔ کیا مجبوری تھی۔؟

سپہ سالار۔ ان کی ڈھارس بندھانے اور ان کی حفاظت کرنے کیلئے

لشکر نہیں بھیجا گیا تھا۔

ججرا۔ لیکن کیا وہ خود مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

سپہ سالار۔ ہندوؤں پر مسلمانوں کا کچھ ایسا رعب چھا گیا ہے کہ ان کے سامنے آنا تو درکنار ان کے آنے کی خبر سنتے ہی لرز جاتے ہیں۔

ججرا۔ ایسے بزدلوں کو تیروں سے اڑا دینا چاہیئے۔

سپہ سالار۔ لیکن اگر حضور دیہاتی ہندوؤں کی مدد کی جائے تو وہ ہمارے قوت بازو بن کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ججرا۔ بیکار ہے میں ایسے ایک ہندو کی بھی امداد نہیں کر سکتا جو مسلمانوں سے ڈرتا ہو۔

وزیر اعظم۔ مگر مہاراج؟

ججرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تم کیا کہتے ہو۔

وزیر اعظم۔ اگر ہم ہندوؤں کی مدد نہ کریں گے تو وہ بھاگ کر تمام سوستان کو ویران کر دیں گے۔

ججرا۔ کرنے دو۔ میں بہادر ہندوؤں کو چاہتا ہوں۔ ایسے بہادروں کو جو مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔

سپہ سالار۔ ایسا ہندو تو شاید تمام سندھ میں ڈھونڈھے سے ایک بھی نہ ملے گا۔

ججرا نے پھر حیرت اور غصہ کی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا کیا ہندو بزدل ہو گئے ہیں یا کہ مسلمان ہی بہادر ہیں؟۔

سپہ سالار۔ دونوں ہی باتیں ہیں حضور۔

وزیر اعظم۔ مہاراج آپ نے مسلمانوں کے کارنامے نہیں سنے۔

بجیرا نے قہقہہ لگاکر حقارت بھری نظروں سے وزیر اعظم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کارنامے اور مسلمانوں کے قہ قہہ ......

منتری جی آپ کیا کہنے لگے دنیا کے اندر ہندوؤں سے زیادہ بہادر کوئی قوم نہیں ہے کارنامے ہندوؤں کے ہیں نہ کہ مسلمانوں کے؟

وزیر اعظم کو بجیرا کی طفلانہ ہنسی بری معلوم ہوئی۔ اسکی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ بجیرا جوان تھا پچیس تیس سال کی عمر تھی۔ رنگ رلیوں میں مصروف رہتا تھا اسکے یہاں بھی کئی رانیاں تھیں اور اسکے ہی کیا تقریب قریب راجہ مہاراجہ کے پانچ پانچ سات سات رانیاں تھیں۔ ان رانیوں کے علاوہ تمام راجے نوعمر و حسین کنیزیں سو سو اور دو دو سو رکھتے تھے ان حسین عورتوں سے ہر وقت ان کے محل راجہ اندر کا اکھاڑہ بنے رہتے تھے چونکہ رام چندر جی کے باپ راجہ دسرتھ کے کئی رانیاں تھیں اس لیے وہ بھی کئی رانیاں رکھتے تھے۔ اکثر ایسے بھی تھے جو حسین عورتوں کو اغوا کرتے تھے چنانچہ راجہ داہر ہی ایک ایسا راجہ تھا جس نے اپنی سگی ہمشیرہ سے اس لیے شادی کی تھی کہ وہ حسین تھی۔ بجیرا کے لیل و نہار حسین عورتوں میں گزرتے تھے۔ اسے معلوم ہی نہ تھا کہ بہادری کسے کہتے ہیں اور حکومت کس طرح سے کی جاتی ہے۔ لیکن ایک بات اس میں ضرور تھی اور وہ یہ کہ جو کچھ وہ جس کسی سے کہدے اسے مان لیا جائے اسکی تعریف کی جائے اور کوئی ذرا بھی اسکی مخالفت کرتا تو وہ اس کا دشمن ہو جاتا۔ اسکے وزیر اعظم اور سپہ سالار ہمیشہ اسکی ہاں میں ہاں ملانے اور بجا و بجا اسکی تعریف کرتے رہتے تھے اور اس سے اسکی خود نمائی اور خودستائی کی عادت اور بڑھ گئی تھی مگر اس وقت اس لیے تائید نہ کر سکتے تھے کہ مسلمانوں کا ذکر تھا مسلمانوں کا

جنھوں نے دیگر اور عرب سے نکل کر یمن، مصر، عراق، شام، ایران، افغانستان آرمینیا، اور دیار بکر جیسے ممالک کو دم کے دم میں فتح کر لیا تھا۔ جن کی شجاعت کے کارنامے دنیا بھر میں زبان زد خلق ہو گئے اور جن سے ہر قوم ڈرنے لگی تھی۔ وزیر اعظم نے ذرا تیز لہجہ میں کہا۔ حقیقت یہی ہے جو حضور فرما رہے ہیں۔ یعنی ہندوؤں سے زیادہ کوئی قوم بہادر نہ تھی۔ مگر: بجہرا۔ . . .

بجہرا۔ مگر کیا؟

وزیر اعظم۔ مسلمانوں نے عملی طور پر بتا دیا ہے کہ اب مسلمانوں کی قوم بہادر ہے۔

بجہرا۔ پھر وہی کہا۔ تم نے ایسا مت کہو۔ مجھے رنج بھی ہوتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے۔

وزیر اعظم۔ ایسا اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ہمارے میں طاقت نہیں دیکھتا!

بجہرا نے اکڑ کر کہا میں مقابلہ کروں گا ان کا سینا پتی جی (سپہ سالار) بتاؤ کہ آپ کی سینا لڑنے کے لیے تیار ہے۔

سپہ سالار۔ بظاہر تو تیار ہے۔

بجہرا۔ لیکن حقیقت میں تیار نہیں۔

سپہ سالار۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔

بجہرا۔ کیوں؟

سپہ سالار اس لیے کہ بہادر ہندو میدان میں نکل کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار نہیں۔

بجھرا۔ تو وہ کیا قلعہ بند ہو کر لڑنا چاہتے ہیں۔

سپہ سالار۔ جی ہاں۔

بجھرا نے جوش و غضب سے بھر کر کہا۔ میرے لشکر میں اور ایسے بزدل؟ میں ان بزدلوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا اور اپنے رسالہ کے دیدون (بہادروں) کو ہمراہ لے جا کر مسلمانوں سے لڑوں گا اور اس وقت تک واپس نہ آؤں گا جب تک کہ ایک ایک مسلمان کو چن چن کر نہ مار ڈالوں گا۔

اسوقت کچھ شور و غل کی آواز بلند ہوئی۔ بجھرا نے حیرت سے دریافت کیا کہ یہ کیسا شور ہے سپہ سالار نے اٹھتے ہوئے کہا اگر اجازت ہو تو میں دیکھ آؤں۔

بجھرا۔ ہاں دیکھ آؤ مگر جلدی آنا۔

سپہ سالار چلا اور محل سے باہر آیا اس نے دیکھا کہ دروازے پر ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہے اور سب کے سب غل مچا رہے ہیں۔ سپہ سالار نے دریافت کیا تم لوگ کیوں آئے ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟ ایک بڈھے آدمی نے کہا۔ ہم مہاراج سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

سپہ سالار۔ اچھا ٹھیرو۔ میں مہاراج کو اطلاع دیتا ہوں۔

وہ چلا اور بجھرا کے سامنے پہونچا۔ بجھرا نے دریافت کیا کیا بات ہے۔

سپہ سالار۔ پرجا (رعایا) آپ سے کچھ کہنے کے لئے جمع ہو کر آئی ہے

بجھرا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ چلو میں سنوں گا وہ کیا چاہتی ہے وہ چلا اسکے پیچھے سپہ سالار اور وزیر اعظم دونوں چلے تینوں محل سے باہر نکل کر آئے۔ اور راج محل کے دروازے کے چبوترے پر کھڑے ہو گئے۔ رعایا راجہ کو دیکھتے ہی سجدے میں گر گئی اور اس طرح جب سلام کر کے اٹھی تو

بجھرا نے کہا۔ میرے وفادار تم کیا کہنا چاہتے ہو؟۔

اس بڈھے نے جس سے سپہ سالار نے گفتگو کی تھی کہا۔ مہاراج ہم اس لیے آئے ہیں کہ مسلمانوں کا لشکر بہرج کے سامنے آگیا ہے۔ بجھرا یہ سن کر بڑا حیران رہ گیا اس نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ بہرج کے سامنے آگیا ہے؟

بڈھا۔ جی ہاں حضور۔

بجھرا۔ تعجب ہے۔

بڈھا۔ تعجب نہ کیجئے ان داتا یہ مسلمان انسان نہیں ہیں دیو یا بھوت ہیں دم کے دم میں کہیں کے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔

بجھرا۔ اچھا پھر تم کیا چاہتے ہو۔

بڈھا۔ ہم آپ کی پرجا (رعایا) صرف اس لیے آئے ہیں کہ آپ مسلمانوں سے صلح کرلیں۔

بجھرا یہ سن کر سخت ناخوش ہوا اس نے بگڑتے ہوئے کہا۔ صلح کرلوں کن سے بزدل مسلمانوں سے کبھی نہیں میں اپنی زندگی میں کبھی ان سے صلح نہ کروں گا بڈھے نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ مہاراج ذرا سن لیجئے۔

بجھرا۔ سنائیے۔

بڈھا۔ آپ نے سن لیا ہو گا کہ مسلمانوں نے دیبل کا قلعہ فتح کرلیا ہے جب وہ وہاں سے نیرون کی طرف بڑھے تھے وہاں کے راجہ سامنی نے ان سے صلح کرکے اپنے ملک اور اپنی رعایا کو بچالیا۔ ہماری قدیمی پستکوں (کتابوں) میں لکھا ہے کہ مسلمان سندھ پر قبضہ کرلیں گے۔ اس لیے مہاراج اپنی

٭ قریب قریب تمام رعایا یہ شیدہ کرکے آئی تھی کہ عافیت اسی میں ہے کہ راجہ مسلمانوں سے صلح کرلے۔ (از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۸)

اپنی رعایا پر دیا (مہربانی) کیجیے اور اسے تباہ ہونے سے بچا لیجیے۔ مسلمانوں کا سردار محمد قاسم ہے اور اسے حجاج نے جو کہ بلاد شرقیہ کا وائسرائے ہے یہ حکم دیا ہے کہ جو تم سے صلح کرنا چاہے اس سے صلح کر لے ان دا تا یہ مسلمان عہد کے پورے ہیں جو اقرار کریں گے اسے پورا کریں گے۔ بھرا جوش و غضب سے بل کھا رہا تھا۔ وہ غیظ بھری نظروں سے بڈھے کو دیکھ دیکھ کر دانت پیس رہا تھا۔ جب بڈھا چپ ہوا تو اس نے غضبناک ہو کر کہا تم مسلمانوں کی تعریف کر رہے ہو۔ بڑے شرم کی بات ہے یہ ایک ہندو جو حقیقت میں ہندو تر ہے۔ کبھی ایک مسلمان کی تعریف نہیں کر سکتا۔ سنو میں ہندو ہوں راجپوت ہوں۔ میں عہد کرتا ہوں کہ کبھی مسلمانوں سے صلح نہ کروں گا ان سے لڑوں گا۔ یا تو ان کو مار کر بھگا دوں گا یا لڑتے ہوئے خود مارا جاؤں گا میں تم سب سے بھی کہوں گا کہ تم سب اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے مذہب کو بچانے کے لیے سینہ سپر ہو جاؤ۔ بہادری سے میدان میں نکل آؤ۔ صلح کا خیال چھوڑ دو بولو۔ تم کو یہ منظور ہے ابھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی۔ تمام رعایا۔ راجہ وزیر اعظم نے سپہ سالار سے مخاطب ہو کر کہا۔

"افسوس ہم غافل رہے اور مسلمان آ گئے جاؤ جلدی جاؤ فی الحال قلعہ کا دروازہ بند کرا دو۔ فصیل پر لشکر بھیج دو جلدی کرو میں بھی تمہارے پیچھے ہی آ رہا ہوں سپہ سالار اور وزیر اعظم دونوں چلے گئے۔ اب بھرا نے رعایا سے خطاب کر کے کہا۔ میرے وفادار یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے دشمن سر پر آ گیا ہے۔ اگر خود آ ہی صلح کی سلسلہ جنبانی کی گئی تو شاید وہ نہ مانے اس لیے ابھی انتظار کرو۔ اور اس قلعہ کو بچانے کے لیے تیار ہو جاؤ تم بہادر ہو۔ بہادروں کی اولاد ہو۔ بہادری کو دھبہ نہ لگاؤ۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات

آگئی۔ وہ راجہ بجرا کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے۔ اب راجہ نے گھوڑا طلب کیا اور جب گھوڑا آگیا تو اس پر سوار ہو کر چند سواروں کے ہمراہ قلعہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

آٹھواں باب (۸)

"مُبلّغ حسینہ"

اگرچہ داہر نے طاہرہ سے رخصت ہوتے وقت یہ کہدیا تھا کہ وہ اب اسے نہ ستائے گا لیکن اسے اس کے کہنے کا یقین نہ ہوا تھا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ داہر خدا پرست نہیں ہے بلکہ مشرک اور غیر خدا پرست ہے اور مشرک لوگ کبھی سچ نہیں بولا کرتے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جو لوگ عبادت کرتے ہیں وہ اپنے معبود (خدا) سے ڈرتے ہیں اس ڈر کی وجہ یہ ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ خدا نیکیوں اور بدیوں کا حساب کرے گا اعمال تولے جائیں گے۔ نیکی کرنیوالے جنت میں داخل ہوں گے اور بدی کرنے والے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اس لیے خدا پرست ہمیشہ سچ بولتا ہے ڈرتا ہے کہ جہاد اور دروغگوئی کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جاؤں لیکن جو لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ خدا کو کیا جانیں اور جو خدا کو نہ جانتے ہوں وہ جھوٹ اور سچ میں کیا تمیز کر سکتے ہیں اسلیئے طاہرہ کو داہر کی اس بات کا یقین نہ آیا تھا بلکہ وہ اسکی طرف سے مشکوک رہی لیکن وہ اسکے محل میں تھی مشکوک رہنے پر کیا کر سکتی تھی۔ سوائے اسکے کہ خدا سے حفظ ناموس کی دعا کرتی رہے۔

چنانچہ وہ ہر نماز کے بعد گڑ گڑا گڑ گڑا کر دعا مانگتی کہتی یا الہ العالمین میرے ناموس کو بچانا۔ بے آبرو ہونے سے پہلے مجھے اٹھا لینا۔ اغیا طاہرہ ہوسے نے جلا گئی اٹھتے بیٹھتے اپنے پاس خنجر رکھتی تھی۔ اس نے ایک دن لادی کو دیکھا اس کا کمرہ لادی کے کمروں کے قریب ہی تھا اسے افسوس ہوا کہ رانی لادی آ بھی گئی اور اس سے نہیں ملی۔ چونکہ وہ ہر وقت اپنے کمرے میں رہتی تھی اس لیے اسے پتہ معلوم ہوا کہ کب رانی آئی۔ حالانکہ رانی ایک دن پہلے ہی آ گئی تھی۔

جب وہ دوپہر کا کھانا کھا کر بیٹھی تو لادی آئی۔ اس وقت وہ بہترین آبدار موتیوں کی مالائیں اس قدر پہنے ہوئے تھی کہ تمام سینہ اور سارا گلا بھرا ہوا تھا۔ ایک تو وہ تھی ہی حسین دوسرے ان چمکدار موتیوں نے اس کے حسن کو اور دوبالا کر دیا تھا۔ لادی مسکراتے ہوئے طاہرہ کی طرف بڑھی طاہرہ بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہو گئی۔ دونوں نہایت تپاک سے بغلگیر ہو کر ملیں لادی نے کہا۔ طاہرہ اچھے کپڑے پہننے سے تم کس قدر خوبصورت ہو گئی ہو۔ طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور تم۔

لادی۔ میں اس قدر خوبصورت کہاں ہوں۔

طاہرہ۔ خود راجہ تم پر فریفتہ ہے رعایا تم کو پیار کرتی ہے جو تم کو دیکھ لیتا ہے تمہارا گرویدہ ہو جاتا ہے اور پھر تم اپنے کو خوبصورت نہیں سمجھتیں۔

لادی نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ کاش میں ایسی ہوتی۔ طاہرہ نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا تم نے ٹھنڈا سانس کیوں لیا رانی۔

لادی کچھ نہیں طاہرہ میرے پیچھے کوئی نیا واقعہ تو نہیں ہوا۔

طاہرہ۔ اور تو مجھے کچھ خبر نہیں کیونکہ میں اپنے کمرے سے باہر نکلتی ہی نہیں اور نہ کوئی میرے پاس آتا ہے مگر ایک دن . . . . . .

لادی طاہرہ کی طرف دیکھ رہی تھی طاہرہ کے چپ ہونے سے اس نے دریافت کیا۔ ہاں ایک دن کیا ہوا۔ طاہرہ نے شرماتے ہوئے کہا۔ راجہ میرے کمرے میں آگھسے تھے....

لادی۔ ضرور آئے ہوں گے پھر کیا ہوا۔

طاہرہ۔ وہ زیادتی کرنے پر اتر آئے۔ لیکن ایک جوگن آگئی۔

لادی۔ جوگن یا مایا جوگنی۔

طاہرہ۔ ہاں وہی جوگن اس نے مجھے آکر بچا لیا۔

لادی نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ الیشور جانے میرے سوامی کو کیا ہو گیا ہے شاید دیوتاؤں نے انھیں چھوڑ دیا ہے وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جو کسی کے ساتھ جیسا سلوک کرتا ہے خود اس کے ساتھ ویسا ہی پیش آتا ہے۔

طاہرہ۔ یہ قدرت کا قانون ہے۔ کہیے آپ دعا مانگ آئیں۔

لادی۔ نہیں۔

طاہرہ۔ کیوں۔

لادی۔ اس لیے کہ دعا کا بہانہ بنا کر مجھے یہاں سے لے جایا گیا تھا۔

طاہرہ۔ یہ کس لیے۔

اب لادی نے چندر کے ہمراہ جانے اور اس کے زیادتی کرنے محمد قاسم کے آکر بچانے کا تمام واقعہ سنایا۔ طاہرہ نے کہا چندر کو کبھی جرأت نہ ہوتی اگر وہ راجہ کو سیاہ کار نہ دیکھتا۔

لادی۔ یہی بات ہے۔

طاہرہ۔ محمد قاسم نے آپ سے کچھ کہا ہے۔

لادی۔ ہاں کہا ہے۔

طاہرہ۔ کیا۔؟

لادی۔ انھوں نے کہا ہے کہ طاہرہ سے میرا اور تمام مسلمانوں کا سلام کہہ کر کہدینا کہ ہم مسلمانوں کو اور اسے چھڑانے کے لیے آئے ہیں اور جب تک چھڑالیں گے واپس نہ جائیں گے۔

طاہرہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اطمینان ہے کہ وہ مجھے رہائی دلا کر ہی آرام سے بیٹھیں گے لادی نے مسکرا کر کہا مگر تم نے تو یہ سنا ہی نہیں کہ محمد قاسم کی عمر کیا ہے۔

طاہرہ۔ کتنی عمر ہے؟۔

لادی۔ ابھی بالکل لڑکا ہے۔ داڑھی اور مونچھیں کچھ بھی نہیں نکلیں زیادہ سے زیادہ سترہ سال کی عمر ہے۔

طاہرہ۔ کافی عمر ہے مگر آپ نے یہ بات کیوں کہی۔

لادی۔ اس لیے کہ وہ ابھی بچہ ہے۔ میدان کارزار میں نکل کر لڑنے کی عمر نہیں ہے۔

طاہرہ نے لادی کے روشن چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کس قابل ہے؟۔

لادی۔ ابھی تو اس قابل ہے کہ محلوں میں کھیلے کودے۔

طاہرہ۔ مسلمان کا بچہ اور کھیلے کودے ان کا کھیل کود جنگ و جدل ہے مسلمان کے ہر بچہ میں جوش جہاد کا جذبہ ہوتا ہے مسلم بچے تلواروں کے سائے میں پل کر جوان ہوتے اور پروان چڑھتے ہیں جس دن مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کا جذبہ جاتا رہے گا اسی دن ان میں بزدلی پیدا ہو جائے گی اور اب تو ان سے دنیا ڈرتی ہے پھر وہ دنیا سے ڈرنے لگیں گے۔

لادی۔ شاید تم میں بھی جوش جہاد کا جذبہ ہے۔

طاہرہ۔ کیوں نہیں مسلم قوم کے لڑکے لڑکیاں ۔مرد اور عورتیں

سب کے سب اس کے جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں۔

لادی۔ گویا اگر موقعہ آئے تو تم بھی لڑنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔

طاہرہ۔ ضرور اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ افضل العبادت جہاد ہے

جو جنگ میں شہید ہو جاتے ہیں وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے۔

وَ تُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

ترجمہ۔ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو تم سمجھنے تو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دیگا اور تم کو بہشت میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ جگہ رہنے کی پاک ہے عدن کی بہشتوں میں یہ بڑا مرتبہ پایا ہے۔

جس وقت طاہرہ نے آیتیں پڑھیں لادی حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی طاہرہ نے کہا۔ سوچو کہ کون سا مسلمان ہے جو ان صاف اور صریح آیات کے ہوتے ہوئے جہاد سے جی چرائے اور لڑائی کی موت کو زندگی پر ترجیح نہ دے دنیا اور تمام دنیا کی دلفریبیاں چند روزہ ہیں آخرت باقی رہنے والی ہے مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے اسی لیے مسلمانوں کا بچہ بچہ جہاد کے لیے ہر وقت

تیار رہتا ہے لادی نے کہا طاہرہ کیا شیریں کلام پڑھا ہے تو نے یہ کیا چیز تھی۔

طاہرہ۔ یہ قرآن شریف کی آیات ہیں۔

لادی۔ قرآن شریف کیا ہے۔

طاہرہ۔ خدا کا وہ کلام جو رسول خدا حضرت محمد صلعم پر نازل ہوا۔

لادی۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کلام خدا ہی کا کلام ہے۔

طاہرہ۔ خدا نے خود کلام اللہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (ترجمہ) یعنی ہم نے نازل کیا ہے ذکر کو (قرآن شریف) اور ہم ہی (خدا) ان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

رانی لادی۔ کچھ سوچنے لگی۔ طاہرہ نے کہا کیا سوچنے لگیں رانی؟ لادی نے سر اٹھا کر کہا۔ جو تم پڑھ رہی تھیں اس کا میرے دل پر اثر ہونے لگا ہے!۔

طاہرہ۔ یہ خدا کا کلام ہے ناممکن ہے انسان توجہ سے اسے سنے اور پھر اسکے دل پر اثر نہ ہو!۔

لادی۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ محمد قاسم اس تھوڑی عمر میں فتحیاب ہو جائے گا۔

طاہرہ۔ اسے صرف خدا ہی جانتا ہے لیکن یہ ضرور کہونگی کہ یا تو وہ فتحیاب ہوگا یا شہید ہو جائے گا۔

رانی لادی۔ نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ طاہرہ نے حیرت سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ نے ٹھنڈا سانس کیوں بھرا۔

لادی۔ اس لیے کہ محمد قاسم نوعمر خوبصورت لڑکا ہے اگر مارا گیا تو کیا۔ کیا ارمان اور حسرتیں اسکے دل میں رہ جائیں گی۔

طاہرہ۔ مسلمان کو شہید ہونے سے بڑھکر کوئی حسرت نہیں ہے۔

لادی۔ تعجب ہے کہ مسلمان لڑائی کے کس قدر شائق ہوتے ہیں۔

طاہرہ۔ جس دن ہم میں سے یہ جذبہ جاتا رہے گا۔ ہم بزدل ہوجائیں گے۔

لادی۔ کاش ہندوؤں میں بھی ایسا جذبہ ہوتا۔

طاہرہ۔ اگر ہندو خدا کو مانتے تو ان میں بھی یہ جذبہ ہوتا۔

لادی۔ جب تو مذہبی گفتگو کرتی ہے تو تیرا چہرہ سرخ ہوکر بڑا ہی پیارا معلوم ہونے لگتا ہے۔

طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے دیکھ کر کہا "اور آپ؟"

لادی۔ میرا!۔ اچھا پھر بتاؤں گی۔ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ آیئے چل کر پہلے کھانا کھالیں۔

طاہرہ۔ مگر میں ابھی آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

لادی۔ پھر آنا۔

یہ کہتے ہی وہ اٹھی طاہرہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ دونوں ہی اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرہ کی طرف چلی گئیں۔

نواں باب

"پہلی شکست"

جب راجہ بھیرا فصیل کے اوپر پہونچا تو اس نے دیکھا کہ اس کے تمام سپاہی فصیل پر بکھر گئے ہیں اور سوراخوں میں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے ہیں

مسلمانوں کی طرف وہ بھی ایک برج میں جا کھڑا ہوا اس نے دیکھا کہ بہت تھوڑا سا اسلامی لشکر سامنے سے آ رہا ہے یہ اسلم کا دستہ تھا۔ سلمان نہایت شان سے بڑھے چلے آ رہے تھے اسلامی علم بڑے بڑے رعب و داب سے لہراتا ہوا آ رہا تھا۔ بجھرا اتنا تھوڑا لشکر دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور اس نے کہا۔ اوہ مٹھی بھر مسلمان ہیں ان کو ختم کر دینا کون سی بات ہے انھیں آرام نہ کرنے دو۔ فوراً لشکر کو قلعہ سے باہر لے چلو۔ اتفاق سے سپہ سالار بھی وہاں آ گیا تھا۔ بجھرا نے اس سے دریافت کیا کیا تم نے میرا حکم سنا۔

سپہ سالار نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ہاں سنا مہاراج!

بجھرا۔ بس تو جاؤ اور فوراً میرے حکم کی تعمیل کرو میں بھی آ رہا ہوں۔

سپہ سالار۔ لیکن ان داتا یہ مسلمان بڑے غضب کے آدمی ہیں۔

بجھرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اس سے کیا مطلب ہے تمہارا۔

سپہ سالار۔ حضور کہیں ان کا کچھ اور لشکر ادھر ادھر نہ چھپا ہو!

بجھرا نے جوش میں آ کر کہا چھپا رہنے دو۔ میں نے جو حکم دیا ہے۔ تم اسکی تعمیل کرو۔ سپہ سالار نے سر تسلیم خم کیا اور چلا اور راس نے دیکھ لیا تھا کہ اسلامی لشکر ایک ہزار سے بھی کم ہے مگر اس خیال سے کہ مبادا اسلامی لشکر ادھر ادھر نہ چھپا ہو اس لیے اس نے دس ہزار لشکر ہمراہ لیا اور قلعہ سے باہر نکلا جس وقت یہ لشکر قلعہ کی فصیل کے نیچے صف بستہ ہو رہا تھا۔ اس وقت مسلمان خیمے نصب کر رہے تھے۔ انھوں نے جلد جلد خیمے نصب کیے اور مسلح ہو ہو کر خیموں کے آگے ہندوؤں کے لشکر کے سامنے ذرا فاصلے پر جا کھڑے ہوئے اس وقت راجہ بجھرا بھی مسلح ہو کر آ گیا تھا اس نے آتے ہی لشکر کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہندی سپاہیوں کے دستے جوش شجاعت

سے جھومتے چلے لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اللہ اکبر کے پرجوش
نعرہ کی آواز آئی۔ تمام ہندی سپاہی۔ سپہ سالار اور خود بجھرا ابھر ابھر
کر دیکھنے لگے انھیں سامنے سے ایک اور اسلامی دستہ آتا نظر آیا۔ یہ
عبدالرحمٰن کا لشکر تھا وہ سب سے آگے علم اٹھائے گھوڑے پر سوار
نہایت شان سے آرہے تھے اس لشکر کو دیکھتے ہی سپہ سالاروں کا
دل ڈوب گیا اس نے بجھرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حضور میں نے نہ کہا تھا کہ اسلامی لشکر ضرور کہیں چھپا ہوا ہوگا۔ دیکھئے
آخر وہی ہوا۔ بجھرا آنے والے لشکر کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے دیکھ لیا تھا
کہ عبدالرحمٰن کے ہمراہ کچھ زیادہ لشکر نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار سوار
تھے اس نے خوش ہو کر کہا پرواہ نہ کرو ان کا سارا لشکر بھی پورا دو ہزار نہیں
ہے یہ سفر کئے چلا آرہا ہے۔ تھکا ہوا ہے۔ بڑھو اور حملہ کر کے سب کو مار ڈالو
ہندی لشکر برابر بڑھتا رہا اسلم کا دستہ اپنی جگہ پر کھڑا دیکھتا رہا۔ جب وہ
ایک تیر کے فاصلے پر آگیا تو بجھرا نے بھی تیر اندازی کا حکم دے دیا۔ فوراً
ہندوؤں نے کمانیں شانوں پر سے اتار اتار کر ترکشوں میں سے تیر نکال
نکال کر چلے چڑھائے اور تیر افگنی شروع کی۔ اسلم نے بھی اللہ اکبر کا پرشور
نعرہ لگایا۔ تیر چلے میں کھینچ کر چھوڑا۔ فوراً ہی تمام مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر
کا نعرہ بلند کر کے ایک ساتھ اس طرح تیر چھوڑے جیسے کہ وہ ایک ہی
کمان سے نکلے ہوں۔ مسلمانوں کے ان تیروں نے اکثر ہندوؤں کو مجروح
کر دیا۔ ان میں سے مجروح سپاہی پیچھے ہٹا دیئے گئے اور نئے سپاہی
آگے بڑھائے گئے۔ چونکہ ہندو ایک ساتھ تیر نہ چلا رہے تھے اس لیے ان کے
تیروں سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کے

تیر اس طرح سے چل رہے تھے جیسے کہ وہ ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔ اس لئے
ان سے ہندوؤں کا زیادہ نقصان ہو رہا تھا ساتھ ہی اسلم نے مسلمانوں کو
آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور وہ تیروں کو روکتے اپنے تیر چلاتے قدم قدم بڑھنے
لگے تھوڑی ہی دیر میں وہ ہندوؤں کی صفوں کے قریب پہونچ گئے اب تیر اندازی
موقوف کر دی گئی۔ اور فریقین نے تلواریں نکالیں۔ صاف اور شفاف تلواریں
دھوپ میں جگمگاتی ہوئی بلند ہوئیں اور ایک طرف سے مسلمان اور دوسری
طرف سے ہندوؤں کا لشکر ایک سیلاب عظیم کی مانند بڑھا جوں ہی
دونوں لشکر بڑھے فوراً ہی تلواریں انسانوں کے سروں پر جھکیں اٹھیں
اور پھر جھکیں۔ جھک کر پھر اٹھیں اور سیاہ ڈھالوں سے ٹکرا گئیں اب جنگ
شروع ہو گئی۔ ہندو کر اور مسلمان بہادر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے
تلواریں اپنا کام کر گئیں ہاتھ پیر سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے خون کے
فوارے ابلنے لگے۔ چیخ و پکار شروع ہو گئی مار دھاڑ نہایت زور سے
ہونے لگی۔ ہندو جے کارے لگانے لگا۔ زخمی چلانے لگے فصیل کے اوپر
کھڑے ہوئے ہندو شور مچا مچا کر اپنی قوم کے سپاہیوں کے دل بڑھانے
لگے ان مختلف آوازوں سے تمام میدان گونج اٹھا۔ چونکہ جنگ کی آگ
تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ اس لئے ہر طرف خون آلود تلواریں اٹھتی اور
جھکتی نظر آ رہی تھیں۔

سرفروش نہایت جوش سے لڑ رہے تھے جانباز کٹ کٹ کر گر رہے
تھے۔ لاشوں کے ڈھیر لگتے چلے جاتے تھے خون پانی کی طرح سے بہہ رہا تھا
چونکہ ہندو دو ہزار تھے اس لئے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہ چاہتے تھے
کہ مٹھی بھر مسلمانوں کو جلد سے جلد ختم کر دیا جائے اس لئے بڑھ کر وہ

جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔

مسلمان بہت تھوڑے تھے گویا صرف پانچ سو لیکن اس دلیری اور بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ وہ نہایت صبر و استقلال سے سر جھکائے ہوئے جنگ میں مصروف تھے وہ آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے کہ کس قدر لشکر سے مصروف پیکار ہیں البتہ نہایت جوش اور بڑی پھرتی سے دوڑ دوڑ کر حملے کر رہے تھے اور ہر شخص ہر حملہ میں ایک ایک دشمن کو زخمی یا قتل کر ڈالتا تھا ہندوں کو مسلمانوں پر بڑا غصہ آ رہا تھا وہ ان کے مقابلہ میں بیسواں حصہ تھے لیکن پھر بھی ڈٹے ہوئے تھے اور نہ صرف مقابلہ کر رہے تھے بلکہ نہایت بیدردی سے قتل کر رہے تھے اور لطف یہ کہ خود زخمی بھی نہ ہو رہے تھے۔

چنانچہ انھوں نے جوش میں آ کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اگرچہ مسلمان سدِ سکندری کی طرح ڈٹ گئے تھے مگر دشمنوں کے سیلاب کو نہ روک سکے اور باوجود انتہائی طاقت صرف کرنے کے چند قدم پیچھے ہٹ گئے اسلم اسی جگہ کھڑا رہا تھا جس جگہ وہ جما کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں علم تھا اور ایک ہاتھ میں تلوار۔ وہ گھوڑے کے پیروں کے اشارے سے ادھر ادھر چلا جاتا تھا۔ اور جس طرف جاتا تھا حملہ کر کے ایک نہ ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا جب اس نے دیکھا کہ مسلمان اس سے پیچھے ہٹ گئے ہیں اور ہندوؤں نے اسے نرغہ میں لے لیا ہے تو اس نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانوں پیچھے ہٹ کر بدنامی کا ٹیکہ ماتھے پر نہ لگاؤ۔ خدا کا غضب مول نہ لو کیا تم موت سے ڈرتے ہو کیا عاقبت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔ کیا دوزخ کو تم نے جنت سے اچھا سمجھا ایک مسلمان کبھی ایسا نہیں سمجھ سکتا آؤ بڑھو حملہ کرو اور تباہ

کہ تم ان شیران اسلام کی اولاد ہو جو تنہا ایک ایک ہزار سے لڑا ہے
یہ کہتے ہی اس نے نہایت زور سے حملہ کیا۔ ساتھ ہی مسلمان ہر طرف
سے جوش و غیرت میں آ آکر بڑھے اور اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ باوجود
ہندوؤں کی پوری مدافعت کے ہندوؤں کو ہی پیچھے ہٹنا پڑا۔ مسلمانوں کا
یہ حملہ ایسا سخت تھا کہ سیکڑوں ہندو موت کا لقمہ بن گئے اور سیکڑوں زخمی
ہو کر چلاتے ہوئے پیچھے ہٹے ان کے پیچھے ہٹتے ہی مسلمانوں نے ایک حملہ اور
اسی شدت سے کیا جس شدت سے پہلے کیا تھا اس حملہ میں بھی انھوں نے
دشمنوں کی کئی صفیں الٹ دیں۔ بہت سے سرفروشوں کو مار ڈالا اور اب
وہ اسلم کے برابر پہنچ گئے ہندوؤں کو پھر غصہ آیا انھوں نے پھر
جوش میں آکر حملہ کیا مگر اس مرتبہ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے بلکہ جوش
سے لڑتے رہے اسلم نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر پر زور حملہ کیا۔ اس کا
سمجھدار گھوڑا رانوں کے اشارہ سے چاروں طرف دوڑنے لگا اور اس
نے جلد جلد حملہ کر کے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے جس طرف سے حملہ کیا اس
طرف کی صف الٹ دی جن لوگوں کے تلوار ماری ان کے سر اڑا دیئے اسلم
نوجوان تھا۔ اسے غصہ آگیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ نہایت
جوش سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا اس کی تلوار موت کا پیغام بن گئی تھی
جس کے اوپر بلند ہوتی تھی اسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتی تھی اس نے اپنے
گرد مردوں کے انبار لگا دیئے تھے ہندوؤں نے پھر جوش میں آکر
حملہ کیا لیکن ابھی ان کی تلواریں اور فضا میں بلند ہو رہی تھیں کہ اللہ اکبر
کے پر زور نعرہ کی آواز آئی اور گھبرا کر دیکھنے لگے اس وقت عبدالرحمٰن کا
لشکر قریب آگیا تھا اور اس کے سرفروش مجاہدین تلواریں سونتے سیلاب

کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے۔

ابھی ہندو انہیں کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انھوں نے آتے ہی حملہ بھی کر دیا اور اس زور سے حملہ کیا کہ ہندوؤں کی پہلی صف پچھلی صف سے جا ملی اور پچھلی صف بہت کچھ پیچھے ہٹ گئی راجہ بچھرا نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے جوش میں آ کر کہا بزدلوں یہ کیا کرتے ہو۔ ان مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ سے جی چراتے ہو لعنت ہے تم پر بڑھو اور ان سب کا خاتمہ کر دو ہندو اس کی آواز سن کر سنبھلے اور انہوں نے نہایت جوش سے بڑھ کر حملہ کیا مسلمانوں نے ڈھالیں بڑھا کر ان کا حملہ بند کا اور پھر خود بھی حملہ کر دیا۔ اس جوش سے حملہ کیا کہ سیکڑوں نہیں ہزاروں ہندو قتل ہو گئے سیکڑوں سر گیندوں کی طرح اچھل اچھل کر دور جا گرے کشتوں کے پشتے لگ گئے اور خون کا دریا بہہ گیا۔ ہندو گھبرا گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ لیکن ان کے پیچھے بچھرا کھڑا تھا اس لئے پھر رکے۔ مگر ان کے رکتے ہی پھر مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حملہ کیا پھر ان کی خاصی تعداد قتل ہو گئی اب ہندو بدحواس ہو گئے ادھر اسلم انکی صفیں چیر کر راجہ بچھرا کے حملہ آور ہوا۔ جوں ہی راجہ کی نظر اسلم کی خون آشام تلوار پر پڑی وہ گھبرا گیا اور اس نے جلدی سے گھوڑے کی باگ پھیر کر اسے سر پٹ چھوڑ دیا۔ اسلم بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن اس کی خوش قسمتی سے بہت سے ہندو درمیان میں آ گئے۔ اور اسلم انھیں قتل کرنے میں مشغول ہو گیا اسلم چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ان کا خاتمہ کر کے بچھرا کا تعاقب کرے مگر وہ اتنی تعداد میں تھے کہ بآسانی یا جلد تر قتل نہ ہو سکے اور جب وہ انھیں قتل و پسپا کر کے فارغ ہوا تو بچھرا اس وقت دور نکل چکا تھا۔ اور اب

اس کا تعاقب لا حاصل تھا اسلم کو ہندوؤں پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ کہ انہوں نے درمیان میں آ کر اپنے راجہ کو بچ جانے کا موقعہ دیا۔ وہ غصہ اتارنے کے لئے ان پر پل پڑا اور نہایت شد و مد سے جلد جلد حملے کر کر کے انھیں قتل کرنے لگا ادھر تمام مسلمان ہر طرف سے دشمنوں کو گھیر گھیر کر قتل کرنے لگے۔ ہندو کچھ ایسے بدحواس ہو گئے تھے کہ وہ حملہ کرنا بھول گئے تھے صرف مسلمانوں کے حملے روک رہے تھے آخر مسلمانوں نے پر زور حملہ کر کے انکی صفیں الٹ دیں اور کھیرے ککڑی کی طرح انھیں کاٹ کاٹ کر ڈال دیا۔ اب باقیماندہ ہندو بھاگے مسلمان ان کے پیچھے انھیں قتل کرتے بڑھے اور دور تک ان کی لاشیں بچھاتے چلے گئے مگر جب وہ فصیل کے قریب پہونچے تو اوپر سے ان پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی یہ دیکھ کر اسلم رک گیا اور اس نے مسلمانوں کو واپس لوٹنے کا حکم دیدیا۔ اب مسلمانوں کا آگے بڑھنا بھی لا حاصل تھا کیونکہ ہندو قلعہ میں داخل ہو چکے تھے اور انھوں نے دروازہ بند کر لیا تھا اس طرح سے مسلمانوں نے مغرور و متکبر راجہ ججھرا کو قلعہ جھرج کے سامنے پہلی شکست دی اور اس حالت میں جبکہ وہ ڈھیڑھ ہزار تھے اور ججھرا کے ساتھ دس ہزار لشکر تھا مسلمان مظفر و منصور ہو کر واپس لوٹے اور اپنے کیمپ میں آ کر اسلحہ اتارنے اور مجروحین کی مرہم پٹی کرنے لگے اس جنگ میں مسلمان ایک سو چار شہید ہوئے اور ہندو تقریباً ساڑھے چار ہزار مارے گئے۔

دسواں باب

"خطرناک کوشش"

بجھرا راجہ داہر کا بھتیجا تھا جو خو بو داہر کی تھی وہی اسکی رعایا نے اس
کے سپہ سالار نے اس کے وزیر اعظم نے اسے سمجھایا مسلمانوں سے صلح کر
لینے کی ترغیب دی مگر جوں جوں اسے سمجھایا گیا اس کا غصہ بڑھتا گیا اور
اس غصہ ہی میں وہ دس ہزار لشکر لے کر مسلمانوں سے لڑنے کیلئے میدان
میں نکل آیا اس کا حوصلہ اس درجہ بڑھ گیا کہ مسلمان تھوڑے تھے سمجھا تھا
کہ جاتے ہی ان کا خاتمہ کر ڈالے گا مگر جب جنگ شروع ہوئی تب اسے معلوم
ہو گیا کہ مسلمانوں سے لڑنا کچھ ہنسی کھیل نہیں ہے اور جب وہ شکست کھا کر
اور ساڑھے چار ہزار ہندوؤں کو کٹوا کر واپس قلعہ میں آیا تھا تو اس کا غصہ
اور بھی بڑھ گیا تھا اس نے آتے ہی تمام فصیل پر لشکر پھیلا دیا۔ تیروں کے
گٹھوں اور پتھروں کے ٹکڑوں کے ڈھیر جگہ جگہ لگوا دیئے۔ ہر برج میں رات
کو روشنی کا کافی انتظام کر دیا اور سپاہیوں کو رات بھر بیدار رہنے کا حکم دیدیا
چنانچہ زیادہ تر سپاہی جاگتے رہنے کا ثبوت دیتے تھے مسلمان نہایت
اطمینان سے اپنے کیمپ میں فروکش ہو گئے تھے چونکہ ان کا لشکر تھوڑا تھوڑا
آرہا تھا اس لئے عشاء کے بعد تک آتا رہا۔

سب کے بعد محمد قاسم اپنا دستہ لیکر آیا اسے آتے ہی جنگ کا تمام حال
سنا دیا گیا۔ وہ نہایت خوش ہوا اور اس نے اسلم کی بڑی تعریف کی اسلم
کے ہمراہیوں کو بھی خوب سراہا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی مجاہدین نے

نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر محمد قاسم، اسلم، عبدالرحمٰن۔ سفیان، البرذک، خریم عجل، حنظلہ۔ بنانہ اور عبدالقیس کو ہمراہ لے کر قلعہ کا معائنہ کرنے چلے۔

یہ تمام لوگ جن کو ہمراہ لیا بڑے بہادر مدبر اور ذی عقل تھے گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ تمام چلے اور سندھیوں نے انھیں فصیل کے اوپر سے دیکھا وہ سمجھے کہ غالبًا وہ قاصد ہیں اور کوئی پیغام پہنچانا چاہتے ہیں محمد قاسم اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر قلعہ کے چاروں طرف پھرا۔ چونکہ فصیل نہایت بلند اور مضبوط تھی اس لئے کسی طرف بھی کوئی ایسا موقع نظر نہ آیا۔ جس سے فصیل پر چڑھ جانا ممکن ہوتا۔ دوپہر تک یہ لوگ گھومتے رہے دوپہر کے بعد لوٹ آئے۔

دوسرے دن محمد قاسم نے لشکر کو مسلح ہو کر حملہ کرنے کا حکم دیدیا تمام لشکر ہر سردار کے پاس اس کے علم کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ ہر سردار نعرہ لگا کر اپنے دستہ کو لیکر بڑھا لیکن جوں ہی وہ فصیل کے نزدیک پہونچا۔ سندھیوں نے فصیل کے اوپر سے تیروں اور سنگریزوں کی بارش اس کثرت سے کی کہ انھیں ایک قدم بھی بڑھنا دشوار ہو گیا تھا۔ تمام دن وہیں ہی کھڑے ہوئے لڑتے رہے۔ آخر شام کے وقت جنگ بند کر کے واپس لوٹ آئے اس سے اگلے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اگر اسی طرح جنگ کی گئی تو مدتوں تک محاصرہ جاری رہے گا۔ اور نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ محمد قاسم نے عشا کی نماز پڑھ کر صرف اسلم اور بنانہ کو اپنے خیمہ میں بلایا جب وہ دونوں آگئے تب اس نے کہا۔ میرے دوستو۔ تم نے دیکھا کہ ہمیں کئی دن حملہ کر کے ناکام واپس لوٹتے ہو گئے ہیں۔ قلعہ نہایت مضبوط اور اونچا ہے دوسرے سندھ اس کثرت سے تیروں اور پتھروں کی بارش

کرتے رہے کہ فصیل کے قریب پہونچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر واقع ہے کہ جو جوش و جذبہ نوجوانوں میں ہوتا ہے وہ عمر رسیدہ لوگوں میں نہیں۔ نوجوان ہی کسی حکومت کا تختہ الٹ دیا کرتے ہیں اسوقت میں اور تم دونوں نوجوان ہیں سوچو کہ کس طرح سے اس قلعہ پر رسائی ہو سکتی ہے؟۔

اسلم نے کہا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کوشش کروں۔

محمد قاسم۔ کیا کوشش کروگے تم۔

اسلم۔ میں چاہتا ہوں کہ پچھلی شب کو جب چاند چھپ جائے اور ہر طرف اندھیرا پھیل جائے اپنے لشکر کے کچھ آدمی لے کر فصیل کے قریب پہونچنے کی سعی کروں۔

محمد قاسم۔ اچھا اگر تم فصیل کے قریب پہونچ بھی گئے تو کیا کروگے؟

اسلم۔ میں سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کروں گا۔

محمد قاسم۔ بلاشبہ اگر صبح ہونے سے پہلے تمہارے کچھ آدمی فصیل کے اوپر پہونچ جائیں تو ممکن ہے قلعہ فتح ہو جائے۔

اسلم۔ اچھا تو اجازت دیجیئے۔

محمد قاسم۔ کیوں نہ میں تمہارے ہمراہ چلوں۔

اسلم۔ یہ مناسب نہیں۔

محمد قاسم۔ کیوں۔

اسلم۔ اسلیئے کہ مجھے اگر کوئی چشم زخم پہونچا تو میں ایک معمولی مجاہد ہوں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ لیکن اگر خدا نخواستہ آپ کو اذیت پہونچی تو آپ سپہ سالار ہیں مسلمانوں کو افسوس ہوگا اور ہندوؤں کے حوصلے بڑھ جائیں گے

بنانہ نے کہا۔ بیشک یہ صحیح ہے بلکہ مجھے اور بھائی اسلم کو اجازت دیجئے ہم دونوں کوشش کریں گے !!۔

محمد قاسم :۔ اچھا تم کوشش کرو۔ مگر اپنے ہمراہ زیادہ لشکر نہ لے جانا اس بات کا خیال رکھنا کہ دشمن تمہاری حرکت سے خبردار نہ ہوں۔

اسلم۔ ایسا ہی ہوگا۔

محمد قاسم۔ رات کو میں سوئے گا بھی نہیں بلکہ بیدار رہوں گا اگر تم فصیل کے اوپر پہنچ جاؤ تو نعرہ لگانا میں فوراً لشکر لیکر تمہاری امداد کو پہنچوں گا

اسلم۔ بہتر ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا جاؤ خدا آپ کی امداد اور حفاظت کرے۔

دونوں اٹھ کر چلے اور اسلم کے خیمہ پر پہنچے دونوں نے قرآن شریف کی تلاوت شروع کی۔ اور اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک کہ چاند نہ چھپ گیا۔ جب اندھیرا ہو گیا۔ تب دونوں نے نہایت خلوص دل سے فتح کی دعا مانگ کر اٹھے اور سپاہیوں کو جگانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں اسلم کے دستہ کے تمام سپاہی بیدار ہو کر مسلح ہو گئے۔ یہ تمام نہایت خاموشی سے پیدل ہی قلعہ کی طرف بڑھنے لگے قلعہ ان سے ذرا فاصلہ پر تھا۔ مگر چونکہ فصیل پر اور برجوں پر کافی روشنی ہو رہی تھی اس لئے دور رہنے پر بھی صاف نظر آرہا تھا۔ مگر بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑ پر روشنی ہو رہی ہو۔ کیونکہ فصیل بالکل چٹانوں کی طرح اٹھی ہوئی تھی شیران اسلام نہایت خاموشی سے بڑھتے رہے جب قلعہ تین فرلانگ کے فاصلہ پر رہ گیا تب اسلم نے تمام مجاہدوں کو روک کر انھیں بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ فوراً تمام لوگ بیٹھ گئے۔ اسلم نے ان سے کہا۔ دیکھو میں صرف پچاس آدمیوں کو اپنے

ہمراہ لے چلوں گا تم سب خاموشی سے اس جگہ بیٹھے رہو اگر خدا کی مدد سے ہم فصیل تک پہونچنے میں کامیاب ہو گئے تب نعرہ لگا دیں گے تم سب نعرہ کی آواز سنتے ہی دوڑ پڑنا اور فصیل کے قریب پہونچ کر خود بھی نعرہ لگانا سب نے سر تسلیم خم کیا اور خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اب اسلم، بنانہ اور پچاس آدمی آہنی سیڑھیاں لیکر بڑھے۔ یہ سیڑھیاں تین تین گز لمبی تھیں لیکن ان میں سوراخ تھے اور ضرورت پڑنے پر ان میں ڈنڈا ڈال کر قابلہ کھینچ کر جوڑا جا سکتا تھا اور اس طرح سے اسے حسب ضرورت لمبی کیا جا سکتا تھا چنانچہ ان میں سے ہر شخص کے ہاتھ میں ایک سیڑھی تھی اور وہ اسے کھینچے ہوئے لئے جا رہا تھا رات کا پچھلا وقت تھا اندھیرا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر تارے نکلے چمک رہے تھے اگر چہ فصیل پر کافی روشنی ہو رہی تھی اور یہ روشنی فصیل کے سامنے کچھ اجالا کئے ہوئے تھی لیکن خوش قسمتی سے ہندو چلتے پھرتے نظر آرہے تھے ہندو رات کو جاگتے ہی تھے۔ مگر فصیل سے باہر نہ جھانکتے تھے کیونکہ انھیں اطمینان تھا کہ مسلمان رات کو فصیل کے قریب آنے کی اس وجہ سے جرأت نہ کریں گے کہ فصیل پتھروں کی تھی اور اسے توڑ ڈالنا غیر ممکن تھا۔

دوسرے اگر فصیل پر نقب لگانے کی سعی کی جاتی تو ان کو خبر ہو جاتی اس زمانہ میں ہندوستان میں ریشم کے ڈور کی سیڑھیاں استعمال کی جاتی تھیں اور ریشم کی سیڑھیاں نیچے سے اوپر نہ پھینکی جا سکتی تھیں ان وجوہات سے ان کو کافی اطمینان تھا اور وہ مطمئن رہتے تھے جب مسلمان اس جگہ پہونچے جہاں فصیل کی روشنی پڑ رہی تھی تو وہ جھک جھک کر چلنے لگے ان کی یہ تدبیر کارگر گئی اور کسی نے ان کو نہ دیکھا چنانچہ وہ بخیریت اس

روشنی سے گذر کر فصیل کے نیچے پہونچ گئے اب انھوں نے فصیل کی آڑ میں کھڑے ہو کر اوپر کی طرف جھانکا رات کو فصیل نہایت ہی مہیب معلوم ہوئی۔

اسلم اور بنانہ نے فصیل کو دیکھا کہ شاید اس میں نقب لگانے کی کہیں گنجائش ہو لیکن موٹے موٹے پتھر نقب لگانے میں حارج تھے چنانچہ انھوں نے برابر برابر چار سیڑھیاں لگائیں اور ان پر چڑھ چڑھ کر انھیں جوڑنا اور اوپر کی طرف چڑھنا شروع کیا نہایت ہوشیاری اور پورے سکوت سے سیڑھیاں کو بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ رات اندھیری اور اس قدر سکوت چھایا ہوا تھا کہ ذرا سے کھٹکے کی آواز بھی دور تک جاتی تھی مگر مسلمان نہایت اطمینان سے سیڑھیاں جوڑ جوڑ کر اوپر چڑھ رہے تھے دو سیڑھیوں پر اسلم اور بنانہ تھے اور دو پر دو مجاہدین تھے چاروں نہایت اطمینان و سکوت سے سیڑھیاں بڑھاتے چلے جا رہے تھے آخر وہ فصیل کے کنارے پر پہونچ گئے سب سے پہلے اسلم نے سر ابھار کر دیکھا اسے سینکڑوں ہندو آگ کے سامنے بیٹھے نظر آئے اور ہزاروں ان کے پاس پڑے ہوئے سو رہے تھے اسلم بنانہ اور دوسرے دو اور مسلمان زقند لگا کر فصیل پر جا کودے اور ادھر جاتے ہی... انھوں نے تلواریں کھینچ لیں ہندوؤں نے فوراً انھیں دیکھا وہ مسلمانوں کو فصیل پر دیکھ کر سخت حیران ہوئے ابھی وہ حیران ہی ہو رہے تھے کہ چار آدمی اندر کود پڑے اور انھوں نے آتے ہی تلواریں سونت لیں اب ہندو شور مچاتے ہوئے اٹھے اور تلواریں میانوں سے نکال نکال کر اسلم بنانہ اور مسلمانوں کی طرف جھپٹے لیکن اس عرصہ میں چار اور مسلمان کود کر آ گئے تھے اور اس طرح وہ بارہ ہو گئے تھے ان بارہ آدمیوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا۔ ان کے نعرہ کی آواز خاموش فضا کو چیرتے ہوئے بلند ہوئی۔ ہندو جو سو رہے

تھے وہ گھبرا گھبرا کر اٹھے اور جو جاگ رہے تھے وہ حملہ کرنے کیلئے مسلمانوں پر ٹوٹے مسلمان گویا لڑنے کیلئے تیار ہی تھے۔ وہ بھی تلواریں سونت سونت کر تیار ہو گئے۔

گیارھواں باب

پرجوش جنگ

ہندو زیادہ تھے بہت زیادہ سیکڑوں نہیں ہزاروں اور مسلمان صرف گنتی کے بارہ کوئی نسبت نہ تھی لیکن مسلمانوں میں ذوق شہادت اور طلب جنت کی تمنا تھی جنھوں نے انھیں اتنا کم ہوتے ہوئے بھی جنگ پر آمادہ کر دیا تھا ہندوؤں نے نہایت جوش سے مسلمانوں پر حملہ کیا انکی تلوار آتشیں زبانیں نکالے انکی طرف لپکیں خیال یہ ہوتا تھا کہ ہندوؤں کے پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کا یا تو خاتمہ ہو جائے گا اور یا وہ بھاگ کر فصیل سے نیچے آ گریں گے مگر ایسا نہ ہوا وہ جہاں تھے وہیں کھڑے رہے اور جوں ہی ہندو تلواریں لیکر جھپٹے اور ان پر حملہ آور ہوئے فوراً ہی انھوں نے ڈھالوں پر تلواریں روکیں اور پھر خود بھی تلواریں لے کر جھپٹے انھیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر ہندو گھبرا گئے اور پیچھے ہٹے مسلمانوں نے ادھر ادھر اور سامنے جھپٹ جھپٹ کر حملے کئے ہندوؤں نے بھی تلواروں کو ڈھالوں پر روکا لیکن خدا جانے مسلمان کی تلواروں میں کس قسم کا لوہا لگا ہوا تھا کہ ڈھالوں کو پھاڑتے ہوتے ہوئے انکے سروں پر پہونچیں اور سروں کو چیر کر حلق تک اتر گئیں۔ کئی ہندو خوفناک چیخیں مار مار کر گرے اور گرتے ہی تڑپنے لگے۔

ہندوؤں کو یہ دیکھ کر جوش آگیا وہ اپنی قوم کے مجروحین کو روندتے مسلتے اور پامال کرتے ہوئے بڑھے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مسلمانوں نے پھر ڈھالوں پر انکی تلواریں روکیں اور پھر جھپٹ جھپٹ کر حملہ آور ہوئے اس حملہ میں بھی انھوں نے چار پانچ دشمنوں کو مار گرایا اب ہندوؤں کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور انھوں نے نہایت جوش میں آکر شدت سے حملہ کیا کہ مسلمان اس کی تاب نہ لا سکے وہ پیچھے ہٹ کر فصیل کے باہر والی دیوار سے جا لگے ان کے وہاں پہونچنے سے مسلمانوں کی آمد رک گئی ان مسلمانوں کی جو سیڑھیوں کے ذریعہ سے کود کود کر فصیل پر آرہے تھے۔

جب بارہ مسلمان فصیل پر پہونچ گئے اور مصروف جنگ ہو گئے تو مسلمانوں کے آنے اور فصیل پر کودنے کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا اسطرح سے ابتک تقریبا بیس مسلمان فصیل کے اوپر پہونچ گئے تھے ہندو ان کی آمد کو دیکھ رہے تھے اور یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ گنتی کے چند مسلمان ان سے لڑ رہے ہیں انھوں نے انپر ہر طرف سے یلغار کر کے انھیں دیوار کے پاس اس لئے پہونچا دیا تھا کہ نئے مسلمانوں کی آمد بند ہو جائے چنانچہ مسلمان سیڑھیوں پر کھڑے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ مسلمان آگے بڑھیں تو وہ فصیل پر پہونچیں اسلم نے جوش میں آکر حملہ کیا اور دو تین ہندوؤں کو قتل کر کے آگے بڑھ گیا۔ اس کے بڑھتے ہی تمام مسلمانوں نے جھپٹ جھپٹ کر اور جلد جلد حملے کرنا شروع کئے انکی بے پناہ تلواروں نے بہت سے ہندوؤں کو مار ڈالا لیکن اس پر بھی ہندو پیچھے نہ ہٹے بلکہ جس جگہ کھڑے وہیں کھڑے رہے ان کے پیچھے نہ ہٹنے سے ان پر مصیبت نازل ہو گئی کہ جو ہندو مر گئے تھے وہ زمین پر نہ گر سکے تھے۔ بلکہ ان کی لاشیں لڑنے والے ہندوؤں کے سہارے سے جا کھڑی ہوئیں۔ ان مردوں کو ہر ہندو ایک دوسرے پر اور دوسرے سے تیسرے پر ڈالنے لگے اس سے وہ حملے کرنا اور

حملوں کو رد کرنا بھول گئے۔ مسلمانوں کو یہ موقع اچھا ہاتھ آیا انھوں نے جلدی جلدی حملے کر کر کے انھیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو ہندو بھی مر جاتا تھا اس کی لاش کھڑے ہوئے شخص پر جھک جاتی تھی اور وہ اسے ہٹانے کی فکر میں ہی ہوتا تھا کہ کسی مسلمان کی تلوار خود اس کا فیصلہ کر دیتی تھی۔ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے آدمی پر گر جاتا تھا۔ ہندوؤں نے غلطی کی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر اس طرح کھڑے ہوئے تھے کہ نہ مردوں کو زمین پر گرنے کیلئے جگہ رہی تھی اور نہ تلوار اٹھا کر حملہ کرنے کی گنجائش تھی مسلمان قدرے پیچھے ہٹ کر حملہ کرتے تھے اور ہر حملہ میں ہر مسلمان ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا۔

ہندوؤں کی اگلی صف مردوں کے سنبھالنے میں مصروف ہو گئی اور اس لئے مسلمانوں نے جلد جلد حملے کر کر کے تقریباً اس تمام صف کا صفایا کر دیا اب تو ہندوؤں کی آنکھیں کھلیں اور وہ کھلے ہو کر تلوار چلانے لگے اور جھپٹ کر حملہ کرنے کیلئے پیچھے ہٹے ان کے پیچھے ہٹتے ہی مردے بلبلے پلٹ گئے۔ اور مسلمانوں نے بڑھ کر ان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہی وہ لوگ جو سیڑھیوں پر کھڑے جگہ ہونے کا انتظار کر رہے تھے جلدی سے فصیل پر جا کودے اور اب ان کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ تازہ دم مسلمان آتے ہی خونخوار شیروں کی طرح ہندوؤں پر جا ٹوٹے اور انھیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ ہندو حسب عادت پوری قوت سے چیخ رہے تھے جیکارے لگا رہے تھے۔ مجروح چلا رہے تھے ان کے شور سے تمام فصیل سارا قلعہ اور قلعہ کے باہر کا میدان گونجنے لگا تھا۔ اس لئے تھوڑی ہی جنگ ہو رہی تھی۔ لیکن ہندوؤں کے غل مچانے سے ایسا معلوم ہوتا تھا

جیسے کہ تمام فصیل پر ہی جنگ ہو رہی ہو۔ ان کے غل مچانے سے قلعہ والے
اٹھ اٹھ کر دریافت حال کیلئے گھروں سے باہر نکلے راجہ ججھیرا بھی اٹھ کر
باہر آ گیا تھا اس کا محل فصیل سے ذرا فاصلے پر تھا وہ جلدی سے دوڑ کر
فصیل پر پہونچا۔ اس نے تلواریں چمکتی ہوئی دیکھیں ابھی رات باقی تھی اور
اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس قدر مسلمان آ گئے ہیں
اور کہاں کہاں تک جنگ ہو رہی ہے حالانکہ بیچارے ہندو صرف تلواریں
سونتے کھڑے تھے اسے آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی وہ زینہ کے دروازے
سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ کود کود کر
آ رہے تھے اور آتے ہی لڑنے لگ جاتے تھے چونکہ اب تقریباً پچاس مسلمان
پہونچ گئے تھے اس لئے اچھی خاصی جنگ ہونے لگی تھی اور جنگ کا محاذ بڑھ
گیا تھا اس وقت مسلمانوں نے اللہ اکبر کے پر زور نعرہ کی آواز سنی اور سمجھ
لیا کہ اسلم کا دستہ فصیل کے نیچے آ گیا انھیں بڑی مسرت ہوئی اور انھوں
نے اس خیال سے کہ دستہ کے آنے سے پہلے ہی ہندوؤں کو مار کر میدان
صاف کر دیں نہایت ہی پھرتی سے حملے کرنا شروع کر دیئے ہر مجاہد تلوار
لے کر ہندوؤں کی صفوں میں گھس گیا اور پوری طاقت اور کافی جوش سے لڑنے
لگا۔ ہر شخص کا یہی خیال تھا کہ تازہ دم آنے والے مسلمانوں کے آنے سے
پہلے یا تو ہندوؤں کا صفایا کر دے یا کم از کم اس قدر ان کی لاشیں بچھا دے
جس سے تمام فصیل اٹ جائے۔ اور وہ آ کر اتنے ہندوؤں
کی لاشیں دیکھ کر ان کی دلیری کی تعریف کریں۔ اس خیال نے ہر مجاہد
کے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی اور ہر غازی بڑے جوش
سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے انھیں قتل کر رہا تھا۔ ہندو بھی پورے

جوش سے حملے کر رہے تھے۔ مگر جب وہ جوش میں آکر بڑھتے تھے تو مسلمانوں کی تلواریں بڑھ کر ان کا استقبال کرتی تھیں۔ اور وہ خود بھی قتل ہو ہو کر لمبے بلمبے لیٹ جاتے تھے انھیں بڑا غصہ آرہا تھا کہ وہ مر رہے تھے اور مسلمان گویا لوہے کے بن گئے تھے ان میں سے اس وقت تک ایک بھی نہ مرا تھا وہ جوش و غضب سے بل کھا کھا کر بڑھتے تھے۔ تابڑ توڑ حملے کرتے تھے مگر مسلمانوں کی تلواریں انھیں کاٹ کاٹ کر ڈال دیتی تھیں۔

اس عرصہ میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اب مجاہدین اسلام دانتوں میں تلواریں دبا دبا کر بڑی تیزی سے چڑھ رہے تھے اور فصیل پر کودتے ہی تلواریں ہاتھوں میں لے کر ہندوؤں پر جا ٹوٹتے ان تازہ دم مسلمانوں نے پھیل پھیل کر اور ہندوؤں کی صفوں میں گھس گھس کر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ ہندو قتل ہو رہے تھے۔ مگر ابھی تک کھڑے لڑ رہے تھے۔ شاید انھیں یہ امید تھی کہ وہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کو قتل کر کے فصیل ان سے خالی کرالیں گے۔

اس وقت ہندوؤں کا سپہ سالار بھی آگیا تھا اس نے آتے ہی للکار کر انھیں حملہ کرنے کی ترغیب دی انھوں نے جوش میں آکر حملہ کیا یہ حملہ نہایت سخت تھا مسلمانوں نے نہایت ثابت قدمی سے اس حملہ کو روکا اگرچہ وہ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے مگر کئی مسلمان شہید ہو کر گر پڑے۔ مسلمانوں کی شہادت نے لڑنے والے مسلمانوں کی رگوں میں جوش و غضب کی بجلی دوڑا دی اس نے سنبھل کر حملہ کیا اور ایسا پرجوش حملہ کیا کہ ہندو اپنی تمام طاقت صرف کرنے پر بھی ان کی یورش کو نہ روک سکے اور ان کی دوسری صف کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھ کر تین سو کے قریب ہو گئی تھی

اور ابھی تک ان کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا ہندو دیکھ چکے تھے کہ وہ چند مسلمان
کا ہی کچھ نہ بنا سکے تھے اور اب تو ان کی تعداد کافی آ گئی تھی اس لئے ان کی
ہمتیں ٹوٹ گئیں اور وہ بغلیں جھانکنے لگے اور ادھر ادھر بھاگنے لگے مسلمان
جو کہ آزمودہ کار تھے وہ سمجھ گئے اور انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر حملہ کیا
ان کی تلواریں خون برساتی ہوئیں بلند ہوئیں اور دشمنوں کے سر و تن کے فیصلے
کرنے لگیں انھوں نے سیکڑوں ہندوؤں کو مار ڈالا۔ اکثر صفوں کو الٹ دیا
بڑے بڑے گرانڈیل لوگوں کو موت کی گود میں پہونچا دیا ہندوؤں کی ہمتیں پہلے
سے ہی پست ہو رہی تھیں اس حملہ سے وہ اور بدحواس ہو گئے اور ادھر ادھر بھاگے
ان کے بھاگتے ہی مسلمانوں نے جھپٹ جھپٹ کر دوڑ دوڑ کر ان کے سروں پر
تلواریں مارنا شروع کیں ہر مسلمان ہر حملہ میں کم از کم ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا
تھا۔ اس طرح چشم زدن میں سیکڑوں ہندو مارے گئے انکے بھاگتے ہی تمام فصیل پر
بھگدڑ پڑ گئی جو ہندو جہاں تھا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگا۔ مسلمان انھیں ڈھونڈ
ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے جو مسلمان ابھی تک سیڑھیوں پر سے کود کود کر آ رہے
تھے انھیں بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت آئے جب کہ ہندو بھاگ رہے ہیں
مگر وہ بھی آتے ہی تلواریں سونت سونت کر ہندوؤں کے پیچھے دوڑ پڑتے
تھے اور انھیں قتل کر کے ان کی لاشوں پر لاشیں گراتے انکے پیچھے لگے چلے جا رہے
تھے ہندو ایسے خوفزدہ ہو رہے تھے کہ انھیں ہر چیز مسلمان نظر آ رہی تھی یا ہر چیز
سے مسلمان نکلتے دکھائی دے رہے تھے وہ بڑی سراسیمگی سے زینوں کی سیڑھیوں
کو پھلانگتے ایک کے اوپر دو اور دو کے اوپر دس گرتے کودتے اور پھاندتے چلے
جا رہے تھے ان کے اس طرح بھاگنے سے سپاہی کچل گئے۔ لیکن اس وقت ان
میں سے کسی کو بھی کسی بات کا خیال نہ تھا حالانکہ اگر وہ یا ان کے افسر انتظام کرتے

تو نہایت اطمینان سے بغیر زیادہ نقصان سپاہ کے فصیل سے نیچے اتر سکتے تھے لیکن سپاہیوں سے زیادہ افسروں کے اور افسروں سے زیادہ سپاہیوں کو سراسیمگی تھی جبکہ مسلمان انکے پیچھے لگے انھیں قتل کر رہے تھے اسوقت اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی جس نے بنیاد فصیل ہلا دی زمین لرزنے لگی اور ہندو کانپ گئے یہ محمد قاسم کے لشکر کی آواز تھی وہ مع تمام لشکر کے فصیل کے نیچے آگیا تھا اس نے لاتعداد سیڑھیاں کھڑی کرا دی تھیں سب سے پہلے وہ فصیل پر پہونچا اور اسکے بعد مسلمانوں کا سیلاب زمین سے فصیل اور فصیل سے زینوں کی طرف بہنے لگا۔ محمد قاسم جھپٹ کر اسلم اور بنانہ سے جا ملا اور ان کے ساتھ ہی زینہ سے نیچے اترنے لگا۔

ہندوؤں نے جہاں اور غلطیاں کیں وہاں ایک یہ بھی کی کہ زینوں کو کھلا چھوڑ دیا اگر وہ ہر زینہ کے دروازہ پر کچھ آدمیوں کو کھڑا کر دیتے اور تلواریں لے کر مسلمانوں کا راستہ روک دیتے تو آسانی سے مسلمان قلعہ کے اندر نہ پہونچ سکتے مگر ان پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہو گئی تھی کہ ان کے قدم کہیں بھی نہ رکے وہ بھاگ کر قلعہ میں گھس گئے اور بدحواسی سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

مسلمانوں نے نیچے اترتے ہی انکا تعاقب کر کے انھیں قتل کرنا شروع کر دیا اور اس بری طرح سے قتل کیا کہ جہاں تہاں لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے خون کے دریا بہا دیئے اب صبح ہو گئی تھی اگرچہ ابھی آفتاب نہیں نکلا تھا مگر اس قدر اجالا ہو گیا تھا جس سے انسانوں کی صورتیں کچھ قریب کی چیزیں اور خون آلود تلواریں صاف طور پر نظر آنے لگی تھیں۔

مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو ڈرے سہمے ہوئے جہاں تہاں کھڑے تھے یہ شہری ہندو تھے اور لڑنے والے بری طرح سے چھپتے اور گھبرائے ہوئے پھر رہے تھے محمد قاسم نے آواز دیکر کہا کہ کوئی مسلمان کسی نہتے ہندو پر حملہ نہ کرے جب کہ آفتاب

کی پہلی شعاع چمکی تو ہندوؤں نے ہتھیار پھینک دیئے اور دیا دیا (رحم رحم) کا غل مچانے لگے۔ مسلمانوں نے فوراً ہاتھ روک لئے۔ خونریزی بند کر دی اور مسلح ہندوؤں کو گرفتار کرنے لگے۔

بارھواں باب

"تعاقب"

مسلمانوں نے جس جوش و جرأت سے بہرح کے قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا تھا وہ کچھ انہی کا حصہ تھا حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے جو کارنامے تاریخوں میں محفوظ ہیں انہیں پڑھ پڑھ کر نہ صرف غیر مسلمین کو ہی حیرت ہوتی ہے بلکہ اس زمانہ کے مسلمان بھی متعجب رہ جاتے ہیں ہم مسلمان آرام طلب ہو گئے ہیں مذہب کو چھوڑ بیٹھے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں غرضکہ شعائر اسلام کے پابند نہیں رہے ہیں خدا کو یاد نہیں کرتے اس سے نہیں ڈرتے خدا ہمیں یاد نہیں رکھتا اور ہم دنیا بھر سے ڈرنے لگے ہیں آج ہر مسلمان شکایت کرتا ہے کہ مسلمان مفلس ہو گئے حکومتیں جاتی رہیں بے پر اور بے زر ہو کر رہ گئے لیکن یہ کوئی خدا کا بندہ نہیں کہتا کہ مسلمان ہیں کہاں کیا گوشت کھانے اور مسلمان کے گھر پیدا ہونے سے ہی مسلمان ہو جاتا ہے نہیں بلکہ مسلمان وہ ہے جو خدا کو یاد کرتا ہے اس سے ڈرتا ہے اس کے اور اس کے پیارے رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے مسلمانوں میں ایک مرض یہ بھی عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص دوسروں کو نصیحت کرتا ہے نصیحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پہلے ہر شخص مسلمان بننے کا تہیہ کرے دوسروں کے لئے نمونہ بن جائے دوسرے خود ہی اس کی تقلید کرنے لگیں گے اگر ایسے ہی رفتہ

رفتہ رفتہ ہر شخص حقیقت میں مسلمان ہو جائے اور پھر خدا ان سے راضی ہو کر ان پر لطف و کرم کی بارش شروع کر دے پھر دنیا میں ان کی دھاک بندھ جائے دولت ان کے قدموں پر آ پڑے عزت میں چار چاند لگ جائیں دنیا پر حکمرانی کرنے لگیں غرض کہ یہ بات مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ وہ اسلام سے روگردانی کر کے ذلیل و خوار ہوں یا اسلام کا دامن پکڑ کر عزت و وقار حاصل کریں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں شکوہ لا حاصل ہے۔

جب مسلمان بھرج میں قابض ہو گئے اور اس کے اندر جس قدر ہتھیار بند تھے وہ تمام اسیر کر لئے گئے تب بجہرا کی تلاش شروع ہوئی ہر چند اسے ڈھونڈا لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ تمام قلعہ چھان مارا محل کا چپہ چپہ دیکھ لیا مندروں کو تلاش کیا مگر بجہرا نہ ملا۔ اب یہ خیال آیا کہ شاید وہ مارا گیا ہو چنانچہ مردوں میں دیکھا۔ ہر لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھا وہاں بھی نہ ملا تب محمد قاسم نے منادی کرا دی کہ اگر بجہرا نہ ملا تو یہ خیال کر لیا جائے گا کہ اسے قلعہ والوں نے چھپا لیا ہے اور اس لئے جو شہریوں کو امن دیا گیا ہے وہ واپس لے لیا جائے گا اور ہر گھر کی تلاش شروع کر دی جائے گی اس منادی کو سن کر لوگ ڈر گئے چنانچہ کئی آدمیوں نے محمد قاسم سے آ کر کہا کہ بجہرا بدہیہ کی طرف بھاگ گیا ہے بدہیہ ایک چھوٹا سا علاقہ تھا اس کا دارالخلافہ سیسم تھا جو کمبھ کی ندی کے کنارے پر واقع تھا اس علاقہ کا راجہ کاکا تھا محمد قاسم نے ان کے کہنے کا یقین نہ کیا مگر جب انہوں نے قسمیں کھائیں تب باور آیا۔

اب اس نے راجہ کے محل سے تمام قیمتی سامان نکلوایا اور سرکاری خزانہ سے سیم و زر اور جواہرات نکالے گئے جب یہ تمام چیزیں محل کے سامنے ڈھیر کی گئیں تب سب کی آنکھیں کھل گئیں نہایت ہی قیمتی سامان اور بہت

زیادہ سونا چاندی اور جواہرات وغیرہ تھے محمد قاسم نے اسی وقت افسروں کو طلب کیا۔ سب آگئے لیکن حنظلہ نہ آیا۔ اس نے سپاہیوں اور افسروں سے اس کے متعلق دریافت کیا کوئی بھی نہ بتا سکا کہ وہ کہاں گیا اور کب گیا محمد قاسم اور تمام مسلمان بہت زیادہ فکر مند ہو گئے فوراً اس کی تلاش شروع کر دی گئی اب محمد قاسم نے شہداء کی لاشوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ تمام لاشیں اس جگہ اکٹھا کر دی گئیں جس جگہ محمد قاسم کھڑا تھا۔ کل پورا نوّے مسلمان شہید ہوئے تھے اور ہندو تقریباً چھ ہزار مارے گئے چنانچہ ان شہداء کے جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کرا دیا۔ جب مسلمان اس کام سے فارغ ہوئے تب انھوں نے قلعہ کے باہر سے اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز سنی سب کو حیرت ہوئی کیونکہ قریب قریب سارا اسلامی لشکر قلعہ کے اندر تھا انھیں اس بات پر تعجب ہوا کہ کون سے مسلمان آگئے جنہوں نے نعرہ لگایا۔

محمد قاسم نے فوراً چند مسلمانوں کو دریافت حال کیلئے بھیجا تھوڑی ہی دیر میں تقریباً پچاس مسلمان آتے نظر آئے ان سب سے آگے حنظلہ بھی تھا ان مسلمانوں نے آتے ہی محمد قاسم کو سلام کیا۔ محمد قاسم نے حنظلہ سے دریافت کیا کہاں چلے گئے تھے تم؟ حنظلہ نے جواب دیا میں قلعہ سے باہر اس لیے رہ گیا تھا کہ اگر ہندو بھاگیں گے تو میں انھیں قتل کر دوں گا۔

محمد قاسم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ لیکن ہندو بھاگ گئے۔

حنظلہ۔ جی ہاں بھاگ گئے مگر جس وقت میں نے ان کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو میں فوراً ان کے پیچھے لپکا۔

محمد قاسم۔ لیکن تم نے ان کو دروازہ سے نکلنے ہی کیوں دیا۔

حنظلہ۔ جس دروازہ پر میں اور میرے ساتھی کھڑے تھے اس دروازہ سے

کوئی بدبخت نہ بھاگا بلکہ دوسرے دروازہ سے بھاگے اور اس لئے ان کے بھاگنے کا علم بھی مجھے اس وقت ہوا جب کہ وہ دور نکل گئے۔

محمد قاسم۔ پھر تم نے کیا کیا۔

حنظلہ۔ میں اپنے ساتھیوں کو لیکر کیمپ میں واپس آگیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے تعاقب میں دوڑا۔

محمد قاسم۔ اس سے کیا فائدہ تھا وہ تو بہت دور جا چکے تھے

حنظلہ۔ فائدہ کچھ نہ تھا صرف اس خیال سے جو مجھے اندر غصہ آرہا تھا۔ کہ میں انھیں قتل کرنے کے انتظار میں دروازہ سے باہر کھڑا رہا۔ جہاد میں شریک ہوا اور وہ دوسرے دروازہ سے مجھے فریب دیکر بھاگ گئے۔

محمد قاسم۔ اور تمہاری کمی لاحاصل رہی۔

حنظلہ۔ جی نہیں ایک گروہ جو سب سے آخر میں نکلا تھا اور دوڑا جارہا تھا ہم اس تک پہونچ گئے اور جاتے ہی ان کو قتل کرنے لگے۔

محمد قاسم خوش ہوگیا اس نے کہا۔ جزاک اللہ کس قدر آدمی تھے وہ۔

حنظلہ نے جواب دیا تقریباً ڈیڑھ سو آدمی تھے جب ہم نے سو آدمیوں کو قتل کرڈالا تو باقیوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور ہم نے ان کو گرفتار کرلیا۔

محمد قاسم۔ خوب کام کیا تم نے۔

حنظلہ۔ ہم نے ان کو ان آدمیوں کے سپرد کردیا۔ جو آپ نے ہماری خبر لینے کیلئے بھیجے تھے۔

اس عرصہ میں قیدی بھی قریب آگئے حنظلہ نے کہا۔ ان میں سے ایک لشکر کا سپہ سالار تھا۔

محمد قاسم۔ اسے آگے بلاؤ۔

حنظلہ نے سپہ سالار کو پیش کیا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا تمہارا راجہ کہاں ہے؟ سپہ سالار کا چہرہ فق ہوگیا تھا وہ فرط خوف سے لرز رہا تھا اس نے کہا حضور وہ تو رات ہی بھاگ گیا تھا۔

محمد قاسم۔ کہاں بھاگ گیا وہ؟

سپہ سالار۔ بدیہہ کی طرف کاکا کے ملک میں۔

محمد قاسم۔ اور تم کہاں جا رہے تھے۔

سپہ سالار۔ میں بھی وہیں جا رہا تھا۔

محمد قاسم۔ اور وزیر اعظم کہاں گیا۔

سپہ سالار۔ وہ بھی بھاگ گیا۔

محمد قاسم۔ بزدل انسان تم بھاگے کیوں تھے۔

سپہ سالار۔ جان بچانے کیلئے

محمد قاسم۔ اگر تم ایسے شجاع تھے تو لڑے کیوں۔

سپہ سالار۔ وزیر اعظم میں اور تمام رعایا لڑائی کے سخت خلاف تھے لیکن بچھرا نہ مانا۔ وہ کمبخت خود تو بھاگ گیا اور رعایا کو مبتلائے مصیبت کر گیا۔

محمد قاسم۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھی اور قیدیوں کے ساتھ قید کردو

اب محمد قاسم نے تمام سامان اور نقدی جواہرات وغیرہ میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی تمام سواروں اور افسروں وغیرہ میں اعلیٰ قدر مراتب تقسیم کر دیا۔ اور اسی روز فتحنامہ لکھ کر معہ اسیروں وغیرہ کو اور مال غنیمت کے پانچواں حصہ دیکر حجاج کی خدمت میں بھیجدیا۔ صرف دو دن اس نے اور اسلامی لشکر نے وہاں قیام کیا تیسرے روز ایک مسلمان کو سو سواروں کے ہمراہ بہرنج میں چھوڑ کر خود سلیم کی طرف بچھرا کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

تیرھواں باب

"دو محمد بن نرغہ ستم میں"

طاہرہ نے جب سے لاڈلی کی زبانی محمد قاسم کا پیغام سنا تھا اسوقت سے اسے امید ہو گئی تھی کہ وہ ضرور آزاد کرائی جائے گی۔ جب سے وہ راجہ کے محل میں آئی تھی اس وقت سے خود کو غیر محفوظ۔ حریص اور سیاہ کاروں میں محصور سمجھ کر ہر وقت ہوشیار رہتی تھی۔ وہ مذہب کی دلدادہ تھی نماز پابندی کے ساتھ پڑھتی تھی اور ہر نماز کے بعد مسلمانوں کی کامیابی اور اپنی اور ان مسلمانوں کی جو اسکے ساتھ دیبل کے قلعہ میں لائے گئے تھے رہائی کی دعا مانگا کرتی تھی اسے نہ یہ معلوم تھا کہ محمد قاسم کون ہے اور کیسے اسنے لشکر کشی کی ہے نہ یہ خبر تھی کہ دیبل میں قید ہونے والے مسلمان رہا کرا لئے گئے ہیں اور صرف وہی باقی رہ گئی ہے۔

چونکہ رانی لاڈلی اسکی ہم عمر تھی اور اس سے محبت کرتی تھی اس لئے اسے بھی محبت ہو گئی تھی اور وہ اکثر اس سے باتیں کر کے اپنا دل بہلایا کرتی تھی جب سے لاڈلی دیبل سے واپس آئی تھی اسوقت سے وہ بھی طاہرہ سے بہت مانوس نظر آنے لگی تھی اور تقریب قریب تمام دن اس کے پاس اسی کے کمرہ میں رہتی تھی۔

وہ کھود کھود کر محمد قاسم کے متعلق طاہرہ سے دریافت کرتی تھی وہ کون ہے کس کا بیٹا ہے اور خلیفہ سے اس کا کیا تعلق ہے وغیرہ وغیرہ طاہرہ کو خود اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا اس لئے وہ کچھ بھی جواب نہ دے سکی تھی ایکدن رات کے وقت دونوں کھانے سے فارغ ہو کر کمرہ کے اندر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں لاڈلی کہہ رہی تھی کہ تم نے کبھی محمد قاسم کو نہیں دیکھا ہے طاہرہ نے کہا کبھی نہیں کیونکہ

میں بچپن ہی سے سرانڈیپ میں آ گئی تھی وہیں میں نے ہوش سنبھالا ہے وہیں جوان ہوئی اب وطن جا رہی تھی کہ تمہارے شوہر نے اسیر کر لیا۔

لاڈی۔ پھر وہ تم کو رہائی دلانے کیلئے کیوں آیا ہے؟

طاہرہ۔ اس لئے کہ میں بھی مسلمان ہوں اور وہ بھی مسلمان ہے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مصیبت زدہ مسلمان کی امداد کرے۔

لاڈی نے اسے بے اختیارانہ بداعتمادی کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا یہ بات نہیں ہے طاہرہ نے حیرت سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کیا بات ہے؟

لاڈی۔ برا نہ مانو تو کہوں

طاہرہ۔ میں کیوں برا مانوں گی۔

لاڈی۔ اسے شاید تم سے محبت ہو گئی ہے۔

طاہرہ کا چہرہ سرخ ہو کر تمتما اٹھا۔ لاڈی نے جلدی سے کہا۔ دیکھو برا مان گئیں نہ تم؟ طاہرہ نے کہا تم نے بات ہی ایسی کہی۔ لاڈی نے مسکرا کر کہا معاف کرنا مجھے شبہ ہوا تھا۔

طاہرہ۔ اور یہ شبہ کیوں ہوا تم کو؟

لاڈی۔ اس لئے کہ تم بھی حسین ہو اور محمد قاسم بھی۔

اب طاہرہ مسکرائی اس نے کہا۔ میں اب سمجھی لاڈی نے اسکی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا سمجھا تم نے؟

طاہرہ شاید تم کو محمد قاسم سے محبت ہو گئی ہے۔

لاڈی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ تم نے ٹھیک سمجھا۔ طاہرہ وہ ہے ہی اسی قابل لیکن یہ بتاؤ یہ مسلمان کہیں بے رحم اور سنگدل تو نہیں ہوتے؟

طاہرہ۔ مسلمانوں سے زیادہ نرم دل اور خدا ترس شاید ہی کوئی ہو

لادی۔ کاش میں اسے نہ دیکھتی

طاہرہ۔ پھر کیوں دیکھا تم نے

لادی۔ جب چندر مجھ پر سختی کر رہا تھا تو اتفاقیہ وہ آگیا۔ جوں ہی میری نظر اس پر پڑی محبت کا تیر میرے سینہ میں لگا اور میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

طاہرہ۔ اور وہ۔

لادی۔ اس بے مروتی نے مجھے اچھی طرح سے دیکھا بھی نہیں۔

اس وقت کچھ کھٹکا ہوا لیکن یہ دونوں کچھ ایسی باتوں میں مصروف تھیں کہ انھیں معلوم تک بھی نہ ہوا طاہرہ نے شوخی سے مسکرا کہ کہا اگر وہ دیکھ لیتا لادی نے بھولی صورت بنا کہ دیکھتے ہوئے کہا۔ تو کیا ہوتا۔

طاہرہ۔ وہ تم کو روک لیتا۔

لادی۔ کاش روک لیتا۔

طاہرہ۔ کیا تم رک جاتیں رانی۔

لادی۔ کیوں نہ رک جاتی۔

طاہرہ۔ تم سندھ کی رانی ہوتے ہوئے ایک معمولی مسلمان کے پاس رہ جانا پسند کر لیتیں

لادی۔ تو نہیں جانتی طاہرہ کہ میں رانی ہوتے ہوئے بھی کسقدر تکلیف میں ہوں

طاہرہ۔ کیا تکلیف ہے تم کو کیا دنیا کا عیش و آرام تمہارے لئے موجود نہیں ہے کیا اچھے کپڑے اچھے زیورات اور اچھی عزت تم کو حاصل نہیں ہے۔

لادی۔ اس سے کیا ہوتا ہے طاہرہ میرے پاس قیمتی کپڑے ہیں اعلیٰ قسم کے آبدار زیورات ہیں بہت زیادہ داسیاں ہیں کافی عزت ہے غرضکہ دنیا بھر کے آرام کی چیزیں ہیں مگر حقیقی مسرت حاصل نہیں ہے۔

طاہرہ۔ تعجب ہے کس بات کی کمی ہے۔؟

لادی۔ چونکہ تو ابھی ناکتخدا ہے اس لئے نہیں سمجھتی

طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے مسکراتے ہوئے کہا میں نہیں سمجھ سکتی تو تم سمجھا دو

لادی۔ عورتیں پتی کے پریم کی بھوکی ہیں۔

طاہرہ۔ کیا تمہارا راجہ تم سے محبت نہیں کرتے؟

لادی۔ کرتے ہیں مگر۔

طاہرہ۔ مگر کیا۔

لادی۔ میری محبت میں اوروں کو حقدار بنا لیا ہے۔

طاہرہ۔ اور کون بن گئی ہیں۔

لادی۔ ان کے کئی رانیاں ہیں پھر رانیوں کو چھوڑ کر داسیوں سے پریم کرتے ہیں عورت یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر دوسری عورتوں سے محبت کرے

طاہرہ۔ اگرچہ یہ سچ ہے لیکن . . . .

لادی۔ لیکن کیا؟

طاہرہ۔ ایک وفادار بیوی کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خوشی کو تمام خوشیوں پر مقدم سمجھے۔

لادی۔ تم اس لئے کہہ رہی ہو کہ ابھی تم کو ان باتوں سے سابقہ نہیں پڑا۔

طاہرہ۔ اگرچہ یہ ٹھیک ہے لیکن شوہر مجازی خدا ہوتا ہے اور اس لئے اس کی رضا جوئی ضروری ہے جب ہماری قوم میں کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو عزیز و اقربا نیز والدین اس سے کہہ دیتے ہیں کہ آج تیری آزاد زندگی کا خاتمہ ہو گیا اب تو اپنے شوہر کی کنیز بن گئی ہے اپنے آرام کو خاوند کے آرام پر اور اپنی خوشی کو خاوند کی خوشی پر قربان کرنا ہوگا چنانچہ مسلم لڑکیاں ایسا ہی کرتی ہیں۔

لادی۔ مگر جب شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کریں۔

طاہرہ - وہ صبر و شکر کرتی ہیں کیونکہ مسلمان تقدیر کے قائل ہیں ایسی لڑکیاں جن کے شوہر ان سے خوش نہیں ہوتے سمجھ لیتی ہیں کہ خدا ہی کو یہ منظور تھا۔

لادی - خیر ان باتوں کو چھوڑو آج میں تم سے ایک خاص بات کہنا چاہتی ہوں۔

طاہرہ فرمایئے۔

لادی - تم جانتی ہو کہ راجہ تم پر فریفتہ ہے۔

طاہرہ نے شرما کر کہا۔ ہاں جانتی ہوں

لادی - وہ تم کو اپنی رانی بنانا چاہتے ہیں۔

طاہرہ - اطمینان رکھو وہ میری منشا کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

لادی - وہ تم پر جبر کریں گے۔

طاہرہ نے جوش میں آ کر کہا میں اپنی اور انکی جان ایک کر دوں گی

لادی - مگر تم ایک نازک اندام لڑکی ہو۔

طاہر - مگر مسلمان ہوں مسلمان لڑکیاں غیر مسلم مردوں سے زیادہ بہادر ہوتی ہیں۔

لادی - یہ سچ سہی لیکن اگر جبر کرنے کی نوبت ہی نہ آنے دی جائے

طاہرہ - اس سے بہتر اور کیا ہے

لادی - اگر میں کسی طرح تم کو آزاد کرا دوں

طاہرہ - تو میں عمر بھر آپ کی مشکور ہوں گی۔

لادی - صرف مشکور ہی ہو گی۔

طاہرہ - جو آپ حکم دیں گی وہ کر دوں گی۔

لادی کچھ سوچنے لگی سوچتی رہی دیر تک سر جھکائے سوچتی رہی کچھ دیر تفہ

کے بعد بولی لیکن افسوس تو یہ ہے کہ تم بھی محمد قاسم سے واقف نہیں ہو۔

طاہرہ۔ کس بات سے واقف نہیں ہوں۔

لاڈی۔ اس کے مزاج سے عادات وخصائل سے

طاہرہ۔ میں اطمینان دلاتی ہوں کہ وہ نیک دل ہوگا خوش خصال اور اچھی عادت والا ہوگا

لاڈی۔ اگر میں اس کے پاس جنچی جاؤں۔

طاہرہ۔ تو وہ تمہیں اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھائے گا اور صرف وہی نہیں بلکہ ہر مسلمان تمہاری عزت کرے گا۔

لاڈی۔ کس وجہ سے؟

طاہرہ۔ اس لئے کہ تم نے ایک مسلم دوشیزہ پر مہربانیاں کی ہیں!

لاڈی۔ اچھا سنو طاہرہ میں نے بہت کچھ غور کے بعد یہ تجویز کیا ہے کہ تم کو رہا کرا دوں اور آج رات کو کسی وقت محل سے باہر نکال دوں اور جب تم محمد قاسم کے پاس پہنچو تو اس سے تمام حالات بیان کر کے اگر وہ پسند کرے۔۔۔۔ تو۔۔۔۔

طاہرہ لاڈی کی طرف دیکھ رہی تھی اسنے کہا وہ کیا پسند کرے؟ لاڈی نے شرماتے ہوئے کہا۔ مجھے اپنی خدمت میں رکھنا تو تم چلی آنا اور پھر میں تمہارے ہمراہ چلوں گی ایک غضب سے بھری ہوئی آواز آئی بے غیرت اور بدکار رانی!

دونوں اس آواز کو سن کر چونک پڑیں دونوں نے اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی اسطرف سے داہر آرہا تھا غیظ وغضب سے بھرا پھنکاریں مارتا ہوا اور اس کے پیچھے چار جسیم برہنہ سپاہی تھے جو ننگی تلواریں لئے آرہے تھے داہر کو دیکھتے ہی دونوں لڑکیاں سہم گئیں لاڈی کا رنگ فق ہوگیا اس کے چہرہ کی سرخی اور ہونٹوں کی لالی غائب ہو گئی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا وہ کانپنے لگی طاہرہ پر بھی ہراس طاری

ہو گیا لیکن اتنا نہیں جتنا لادی کا بد. وہ اطمینان اور استقلال سے داہر کو دیکھنے لگی داہر کو اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے غضبناک لہجہ میں کہا بدکار لادی تو یہ کیا سازش کر رہی تھی لادی بدکار نہ تھی اس کا خوف جاتا رہا اور جوش و غضب سے چہرہ سرخ ہو گیا اس نے کہا سوامی جب آپ نے سب کچھ سن لیا ہے تو اب مجھ سے دریافت کر رہے ہیں۔

داہر۔ کیا یہ بیوفائی نہیں ہے۔

لادی۔ ضرور ہے۔ مگر پہلے بیوفائی کس نے کی؟

داہر۔ کس نے کی۔

لادی۔ آپ نے۔ آپ کی محبت کی حقدار میں تھی نہ کہ اور بیوائیں۔

داہر۔ مگر تیرا فرض کیا تھا؟

لادی۔ میں نے اپنے فرض کو بہت کچھ نباہا لیکن جب آپ پاپ کے اتھاہ ساگر (ناپید کنار) بحر عصیاں میں ڈوبتے ہی چلے گئے تب میری خوددار کا جذبہ بیدار ہو گیا۔

داہر نے غصہ سے دانت پیستے ہوئے کہا اور یہ جذبہ اب تجھے موت کی آغوش میں پہونچا دیگا۔

لادی۔ میری موت ہی میرے دل کو سکون دے گی۔

داہر نے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اس بدکار کو گرفتار کر کے لے جاؤ۔ فوراً دو سپاہی بڑھے لادی نے کہا۔ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ چلو میں آپکے ہمراہ چلتی ہوں۔

وہ سپاہیوں کی حراست میں روانہ ہو گئی اب داہر نے طاہرہ سے مخاطب ہو کر کہا بیوفا لڑکی میں تجھے رانی بنانا چاہتا تھا لیکن تم نے منظور نہ کیا اب میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ جو کوئی تجھے دیکھیگا افسوس کرے گا۔ طاہرہ نے کوئی

جواب نہ دیا داہر نے بقیہ دو سپاہیوں سے کہا اس چالاک لڑکی کو بھی گرفتار کر لو۔ سپاہی طاہر کیطرف بڑھے طاہرہ نے ڈپٹ کر کہا۔ خبردار دور رہو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں داہر نے حقارت سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اس قدر جرأت خیر دیکھا جائے گا۔ اچھا لے لو۔ سپاہی طاہرہ کو لیکر چلے داہر ان کے پیچھے روانہ ہوا

چودھواں باب

"شیخی خور راجہ"

راجہ بجہرا جسے اپنی طاقت اور لشکر کی کثرت پر بڑا ناز تھا فصیل پر کھڑا ہوا لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا اسے کچھ بھی نظر نہ آرہا تھا پھر بھی کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا جب ہندو شکست کھا کر بھاگے تو وہ جلدی سے اترا اور محل میں پہونچ کر اپنے بیوی بچوں کو ہمراہ لیکر معہ ایک ہزار سواروں کے قلعہ سے باہر نکلا اور بدیہہ کی جانب چل پڑا تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔

جب اس نے غور سے سنا تو ایسا معلوم ہوا جیسے اس سے آگے کچھ سوار جا رہے ہوں چونکہ ابھی رات تھی اس لئے بغور دیکھنے پر بھی اسے یہ نظر نہ آیا کہ آگے کون لوگ جا رہے ہیں۔ اسے خوف ہوا کہ کہیں مسلمان نہ ہوں اس لئے وہ رک گیا اسکے رکتے ہی اس کا تمام لشکر بھی رک گیا جب صبح صادق کا وقت ہو گیا اور کسی قدر اجالا پھیل گیا تب وہ بڑھا تھوڑی دور چل کر اسے سوار نظر آئے جو کہ نیم برہنہ تھے وہ سمجھ گیا کہ اس سے پہلے بھی کوئی سردار بھاگ نکلا ہے اب اس نے اس سے ملنے کے لئے تیزی سے چلنا شروع کیا تھوڑی ہی دیر میں اس کے قریب ہی پہونچ گیا۔ یہ سوار اسی لشکر کے تھے اور انکے ساتھ اسکا وزیر اعظم تھا بجہرا نے وزیر اعظم سے دریافت کیا کیا تم مجھ سے بھی پہلے

چلے آئے؟ وزیر اعظم نے جواب دیا اور کیا کرتا حضور جب میں نے دیکھا کہ ہمارے بزدل سپاہی شکست کھا کر فصیل سے نیچے اتر رہے ہیں میں نے ایک منٹ بھی ضائع نہ کیا اور فوراً کچھ سواروں کو ہمراہ لے کر چلا آیا۔

بجھرا۔ مگر تم نے مجھے کیوں نہ ہمراہ لے لیا؟

وزیر۔ میرا خیال تھا کہ آپ بھرج کی تباہی کا آخری منظر دیکھے بغیر نہ چلیں گے

بجھرا۔ کتنا لشکر تمہارے ساتھ ہے۔

وزیر۔ پانصد سوار ہیں۔ حضور آپ کے ساتھ کسقدر سوار ہیں؟

بجھرا۔ ایک ہزار ہیں۔

وزیر۔ جب تو ہمارے ساتھ ڈیڑھ ہزار لشکر ہے۔

بجھرا۔ اور یہ بہت کافی ہے۔

وزیر۔ ہاں کافی ہے۔

بجھرا۔ تمہارا ارادہ کہاں جانے کا تھا۔

وزیر۔ امن اور اطمینان کی جگہ ریاست بدیہہ ہی ہے۔

بجھرا۔ خوش قسمتی سے میں نے بھی وہیں جانا مناسب سمجھا ہے۔

وزیر۔ یقین ہے کہ کاکا حضور کی خوب مدارات کرے گا۔

بجھرا۔ میں داہر کے پاس اس لئے نہیں گیا کہ وہ حریص حسن ہے کہیں مجھ سے میری استری (بیوی) نہ چھین لے۔

وزیر۔ آپ اس کے بھتیجے اور آپ کی استری بھتیجے بہو ہے وہ کبھی ایسی بیہودگی نہیں کرتے۔

بجھرا۔ جو شخص اپنی سگی ہمشیرہ سے شادی کر سکتا ہے وہ بھتیجے کی بیوی سے کیوں نہیں کر سکتا۔

وزیر۔ حضور نے درست فرمایا۔ کیا بھیرج پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

بچھرا۔ میرے سامنے تک تو نہ ہوا تھا۔ لیکن . . .

وزیر۔ اب ہو گیا ہو گا۔

بچھرا۔ یقیناً۔ میرے لشکر نے بڑی بزدلی کی۔

وزیر۔ میں نے حضور سے پہلے ہی عرض نہ کر دیا تھا۔

بچھرا۔ اگر سپاہی ذرا بھی ہمت سے کام لیتے تو مسلمانوں کا صفایا کر ڈالتے

وزیر۔ ناممکن تھا۔

بچھرا۔ کیوں۔

وزیر۔ اس لئے کہ باوجود لشکر کے گشت کرنے کے اور خبردار رہنے کے مسلمانوں کا اچانک فصیل پر آجانا حیرت انگیز بات تھی۔

بچھرا۔ حیرت کی بات ضرور تھی مگر اتنی سی بات سے شیروں کو ڈر کر بھیڑیا نہ بن جانا چاہئے تھا۔

وزیر۔ بھوتوں اور جنوں کے سامنے ڈرنا ہی پڑتا ہے۔ حضور مسلمان انسان نہیں ہیں۔ پھر انسان ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔

بچھرا نے غصے کے لہجہ میں کہا۔ وہ انسان ہی ہیں اور انسان ہی ان کا مقابلہ کرتے رہیں۔

وزیر۔ لیکن حضور نے سنا ہے کہ انہوں نے آج تک کبھی شکست کھائی ہے؟

بچھرا۔ ضرور کھائی ہو گی۔ پھر ان منحوسوں کا ذکر چھوڑیئے انہوں نے مجھے بے تاج و تخت کر دیا ہے۔ اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ داہر سے مدد لے کر پھر آؤں گا اور انہیں بھیرج سے بے دخل کر کے رہوں گا۔

وزیر۔ حضور ایسا ارادہ نہ کیجئے مسلمانوں پر فتح پانا غیر ممکن ہے۔

بجہرا جیب ہو گیا۔ اور یہ لوگ ذرا تیزی سے سفر کرتے رہے چونکہ انھیں اندیشہ
تھا کہ کہیں مسلمان ان کا تعاقب نہ کریں اس لئے شب و روز چلے جا رہے تھے
بہت تھوڑی دیر قیام کرتے تھے کئی روز کے بعد وہ بدیہہ کی سرحد میں داخل ہوئے کاکا
کو ان کے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔ وہ نیک اور بامروت انسان تھا اس نے اپنے چند
سردار اور کچھ لشکر اس کے استقبال کے لئے بھیج دیا تھا۔ بجہرا سیسم کی طرف
بڑھنے لگا۔ تو اسے بدیہہ کا لشکر ملا اور اس کا نہایت شاندار استقبال کر
کے لے چلا بجہرا اب تک معہ لشکر کے کھانے پینے کی تکلیف اٹھاتا چلا آرہا تھا کیونکہ
وہ بے سروسامانی کی حالت میں بھاگے تھے رسد کی قسم سے کچھ بھی ساتھ نہ لائے
تھے راستہ میں جسقدر آبادی تھی وہ غیر آباد تھی مسلمانوں کے خوف سے سب لوگ
گھربار کھیتی کیاری وغیرہ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس لئے راستہ میں کچھ نہ ملا تھا
لیکن بدیہہ کی سرحد میں داخل ہوتے ہی استقبال کرنے والے لشکر نے تمام
سامان مہیا کر دیا تھا۔ اور اب وہ اطمینان سے سیسم کی طرف بڑھنے لگے تھے
تقریباً دو میل چل کر وہ کمبہ ندی کے کنارے پہونچ گئے اس ندی کے ایک
کنارہ پر بدیہہ کا دارالخلافہ سیسم تھا سیسم کی عمارتیں دور سے نظر آرہی تھیں
جب یہ قلعہ کے نزدیک پہونچے تو کاکا خود ان کے استقبال کے لئے راجدھانی
سے نکل آیا۔

کاکا ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ باحوصلہ اور اقبال مند آدمی تھا۔ اس نے
نہایت شان کے ساتھ بجہرا کا استقبال کیا بجہرا کو یہ توقع نہ تھی کہ کاکا اسکی اسقدر
عزت کرے گا۔ جسقدر کاکا نے کی بلکہ وہ یہ سمجھا تھا کہ وہ اسے تکلیف نہ دیگا مگر جب
اس نے یہ رویہ دیکھا تو وہ اس کا بیحد مشکور ہوا۔ چنانچہ جس وقت یہ دونوں راجہ
ایک دوسرے سے ملے تو بجہرا نے کہا۔ میں آپ کی اس کرم گستری کا جو کہ آپ نے

میرے لئے ہر ممکن آسائش بہم پہونچانے کے لئے کی ہے۔ بیحد ممنون ہوں کاکانے کہا اس میں ممنونیت کی کیا بات ہے آپ بھی راجہ ہیں میں بھی راجہ ہوں آپ پر آپنی (مصیبت) آپڑی ہے میرا فرض ہے کہ میں آپ کی ہر ممکن امداد کر دوں۔

بجہرا۔ ہندوؤں میں یہی بات تو نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو کسی اعتبار میں امداد دیں اگر یہ بات ہو جائے تو پھر ایک ہندو بھی مبتلائے الم نہ ہو۔

کاکا۔ یہ ہماری خود غرضی ہندو کسی ایک مذہب کو نہیں مانتے کوئی سناتنی ہے کوئی جینی کوئی ناستک (خدا کو نہ ماننے والے ہیں) غرض کہ سیکڑوں مت (مذہب یا طریقے) ہیں پھر ہمدردی کیسے ہو۔

بجہرا۔ آپ ٹھیک فرمارہے ہیں چونکہ سیکڑوں مذہب ہونے کیوجہ سے ہندوؤں کے ٹکڑے ہو گئے ہیں اس لئے وہ کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

کاکا۔ یہی بات ہے۔ آپ نے مسلمانوں سے ناحق جنگ چھیڑی۔

بجہرا۔ میں نے خود جنگ نہیں کی بلکہ وہ کمبخت خود ہی میرے قلعہ پر چڑھ آئے۔

کاکا۔ آپ کو ان سے فوراً صلح کر لینی چاہیئے تھی۔

بجہرا۔ آپ مجھے جانتے ہیں کہ میدان جنگ سے ہٹنا یا کسی سے ڈرنا ہی نہیں جانتا۔ چنانچہ مسلمانوں سے بھی نہ ڈرا اور ان سے لڑا۔ اس وقت تک لڑا جب تک کہ ایک سپاہی بھی زندہ رہا۔

بجہرا۔ میں اور کوئی بات ہو نہ ہو لیکن خیخی ضرور تھی اس بیچارے نے نئے قریب سے مسلمانوں کی صورتیں بھی نہ دیکھی تھیں لڑنا تو کیا اپنے سپاہیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر خود بھی بھاگ آیا تھا مگر کاکا سے اپنی دلیری کی ڈینگیں مار رہا تھا

کاکا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو آپ کا تمام لشکر کام آگیا

بجہرا۔ جی ہاں۔ قریب قریب سارا ہی لشکر مارا گیا۔ صرف یہی لشکر باقی

بجا ہے جو میں ہمراہ لے آیا ہوں۔

کاکا۔ آپ کے پاس کس قدر لشکر تھا۔

بچھرا۔ بیس ہزار۔

کاکا۔ اور مسلمان کتنے تھے۔

بچھرا۔ میں نے شمار نہیں کیا شاید اتنے ہی وہ بھی ہوں

کاکا۔ مگر میں نے سنا ہے کہ محمد قاسم کے ہمراہ چھ ہزار لشکر آیا ہے۔

بچھرا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ میں نے شمار نہیں کیا ممکن ہے کہ اتنے ہی ہوں

اب یہ سلیم کے قلعہ میں داخل ہو گئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کاکا نے تمام قلعہ میں بچھرا کے آنے کی اطلاع کرا دی تھی کیونکہ جوں ہی یہ لوگ قلعہ میں داخل ہوئے ہر طرف سے لوگ ان کے استقبال کے لئے امنڈ آئے۔ مرد عورتیں لڑکے اور لڑکیاں گھٹنوں سے ذرا نیچے دھوتیاں کئے اور انگیاں پہنے تھیں اس مختصر لباس میں ستر پوشی کما حقہ طریقہ سے نہ ہو رہی تھی اور بچے بالکل ننگے تھے وہ لنگوٹ کسے ہوئے تھے جب ان لوگوں نے بچھرا کو دیکھا تو فوراً جھک گئے اور مہاراج بچھرا کی جے کے نعرے لگانے لگے تھے۔ بچھرا اور اسکی رانی اس شان سے اپنا استقبال کئے جانے سے بہت مسرور ہوئے کاکا انہیں ہمراہ لیکر اپنے محل میں پہونچا لشکر چھاؤنی میں ٹھہرایا گیا۔ اور راجہ رانی اور اس کے بچے وزیر سب محل میں ٹھہرائے گئے

اس طرح بچھرا اپنے عزیز و اقربا اور تخت و تاج کو کھو کر کاکا کا مہمان بن کر وہاں رہنے لگا۔ ایک دن کاکا دربار کر رہا تھا کہ اہالیان دربار بچھرا اور اسکا وزیر سب مقیم تھے کہ چند جاٹ آئے اور انہوں نے آتے ہی کہا۔

فریاد ہے فریاد ہے۔ تمام درباری بچھرا اور کاکا سب ان کی طرف دیکھنے لگے وہ کل پانچ آدمی تھے موٹے گاڑھے کو بل دیکر اس کی پگڑیاں باندھے تھے

دھوتر کی دھوتیاں کئے ہوئے تھے۔ باقی جسم ننگے تھے وہ کاکا کی طرف بڑھنے لگے اور تمام درباری ان کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

پندرھواں باب

"تائیدِ غیبی"

کاکا چاندی کے تخت پر بیٹھا تھا تخت تین گز اونچا چبوترے پر تھا اس کے پاس ہی بجھر ابیٹھا تھا۔ تخت کے قریب چند ایک کرسیاں پڑی تھیں ان کرسیوں میں سے ایک پر بجھر اکا وزیر دوسری پر کاکا کا سپہ سالار بھین بیٹھا تھا آج اسکا وزیر غیر حاضر تھا۔ باقی تمام درباری چبوترے سے نیچے کرسیوں پر بیٹھے تھے یہ کرسیاں کچھ عجیب اور بھدی قسم کی تھیں دربار کا کمرہ نہایت وسیع تھا مگر چھت نیچی تھی تمام درباری دونوں راجہ تمام افسر آبدار موتیوں کے ہار گلے میں ڈالے ہوئے تھے چونکہ وہ نیم برہنہ تھے اس لئے برہنگی کو ہاروں سے چھپایا گیا تھا ہندوؤں کی تہذیب و معاشرت کوئی نہ تھی معاشرت تو یہ تھی کہ وہ نیم برہنہ رہتے تھے معمولی دھات کی کٹوریوں میں کھاتے۔ عورتیں اور مرد سب ننگے رہتے تھے تہذیب یہ تھی کہ سگی بہنوں سے شادی کر لیتے تھے۔

جب جاٹ تخت کی طرف بڑھنے لگے تو تمام دربار میں سناٹا چھا گیا ہر شخص یہ معلوم کرنے کیلئے بیقرار نظر آنے لگا۔ کہ یہ کون لوگ ہیں کہاں سے آئے ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں جاٹ چبوترہ کے قریب پہونچ کر سلام کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔ کاکا نے سلام لے کر دریافت کیا۔ تم لوگ کون ہو۔

فوراً جاٹ اٹھے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک بڈھے

نے کہا۔ ان داتا ہم جاٹ ہیں۔

کاکا۔ کہاں سے آئے ہو تم

بڈھا۔ ہم نیلبان کے رہنے والے ہیں اور وہیں سے آئے ہیں۔

نیلبان دریائے کمبہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جو سیم سے چند میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ کاکا نے دریافت کیا۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

بڈھا۔ ان داتا نیلبان پر ملیکش مسلمان آگئے ہیں۔

اس بات کو سن کر تمام درباری حیرت سے بڈھے کو دیکھنے لگے کاکا اور بجھرا کو بھی تعجب ہوا۔ کاکا نے پوچھا مسلمان وہ کب آئے۔

بڈھا۔ آج صبح آئے ہیں حضور

کاکا۔ کس قدر لشکر ہے۔

بڈھا۔ کچھ زیادہ لشکر نہیں ہے پانچ یا چھ ہزار ہوگا۔

کاکا۔ کیا انہوں نے نیلبان کو لوٹ لیا۔

بڈھا۔ نہیں ان داتا وہ شہر سے باہر پڑے ہیں کچھ لوگ شہر کے اندر رسد لینے گئے تھے مگر دوکانداروں نے انہیں دیکھتے ہی دوکانیں بند کر دیں اور رسد نہ دی

کاکا۔ اور اس لیئے انہوں نے دوکانیں لوٹ لیں۔

بڈھا۔ نہیں مہاراج وہ واپس چلے گئے۔

کاکا۔ کس قدر شرافت کی ہے انہوں نے

بجھرا نے بگڑ کر کہا۔ اس میں شرافت کی کیا بات ہے۔

کاکا۔ دنیا بھر کی قوموں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب رسد قیمت سے نہیں ملتی تو وہ لوٹ لیا کرتے ہیں۔ اور خود ہندو ایسا ہی کرتے ہیں۔

بجھرا۔ وہ شاید ہندوؤں سے ڈر گئے ہوں گے۔

کاکا نے ہنس کر کہا اگر وہ ڈرتے تو ہمارے ملک پر چڑھ کیوں آتے دراصل

مہاراجہ داہر نے یہ اچھا نہ کیا کہ چند مسلمانوں کو قید کر کے ان کی قوم کے دلوں کو دکھایا۔ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ہندوؤں پر خواہ کوئی قوم کسی قدر مظالم کیوں نہ کرے ہندو اس کی خبر نہیں لیتے۔ اسی طرح سے مسلمانوں کو بھی کوئی نہ پوچھے گا۔ مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی سمجھتے ہیں اور وہ مسلم اسیروں کو رہائی کا مطالبہ کرنے آیا تھا۔ کاش وہ اسی وقت تمام قیدیوں کو چھوڑ دیتے۔

بجھرا نے جوش میں آ کر کہا۔ ملکہ قاصد کے سامنے قیدیوں کو قتل کر ڈالتے

کاکا نے سنجیدگی سے کہا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو مسلمانوں کے آنے کی شان ہی اور ہوتی

بجھرا۔ کیا شان ہوتی۔

کاکا۔ اب تو وہ محض ان لوگوں سے لڑتے ہیں جو ہتھیار بند ہوتے ہیں اور انہیں ہی قتل کرتے ہیں لیکن اس وقت وہ ہر اس ہندو کو مار ڈالتے جو ان کے سامنے آ جاتا تمام کھیتوں کو جلا دیتے آبادیوں کو پھونک دیتے جہاں سے جہاں تک بھی جاتے ویرانی اور بربادی پھیلاتے جاتے۔

بجھرا۔ اور وہ اس لئے اچھا ہوتا کہ بزدل ہندو بربادی اور قتل کے خوف سے جان توڑتے ہوئے مقابلہ کرتے۔

کاکا۔ ہندوؤں میں یہ حوصلہ ہی کب ہے یہ تو غل مچانا ہی جانتے ہیں لڑنے سے تو ان کی روح گھبراتی ہے۔

اب کاکا نے بڈھے کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اچھا پھر تم کس لئے آئے ہو۔

بڈھا۔ آپ سے امداد چاہتے ہیں۔

کاکا۔ کیسی امداد۔

بڈھا۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں وہ کسی بات سے ناراض ہو کر شہر کو نہ لوٹ لیں۔

کاکا۔ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو وہ کبھی نہ لوٹیں گے۔

اب بجھرا کا وزیر کھڑا ہوا اس نے کہا۔ مہاراج یہ تو پکا ہے کہ مسلمان شہر کو نہیں لوٹیں گے۔ مگر وہ وہاں سے بڑھ کر سیسم پر حملہ کر دیں گے بھن نے اٹھ کر کہا اور جب وہ قلعہ کے سامنے آ جائیں گے۔ تب بجز قلعہ میں چھپ کر بیٹھنے کے اور کچھ نہ ہو سکے گا۔

کاکا۔ پھر کیا منشا ہے تمہارا۔

بھن۔ مسلمانوں پر لشکر کشی کی جائے۔

کاکا۔ کیا فائدہ ہوگا۔ ہمارے جوتشیوں اور منجموں نے قدیم کتابوں میں پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ اس ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔

بھن۔ لکھا ہے مگر یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ ہم بغیر ہاتھ پیر ہلائے بغیر لڑے بھڑے بغیر دلوں کے حوصلے نکالے ملک ان کے حوالے کر دیں۔

کاکا۔ مگر جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ سوائے اس کے کہ جس طرح دیبل اور بھرج پر ہندو مارے گئے یہاں بھی مارے جائیں۔

بھن۔ ویر (بہادر) مارے جانے کیلئے ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو سمجھو کہ (مقدس زمین) مسلمانوں کے کس قدموں سے ناپاک نہیں ہونی چاہیئے۔

بجھرا نے کہا۔ مہاراج بالکل درست ہے اگر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیا گیا تو وہ تمام ملک فتح کر لیں گے۔

کاکا۔ اگر مقابلہ کیا گیا تو ہندو کبھی قتل ہوں گے غلام بھی بنیں گے اور ملک بھی کھو دیں گے۔

بجھرا۔ اگر دیبل اور بھرج پر ہمیں شکست ہوئی تو ناممکن ہے کہ ہم ان کو سیسم

پر ہزیمت دے دیویں۔

کاکا۔ ناممکن آج ان کا اقبال یاور ہے ان کا خدا انکی مدد کرتا ہے۔

بھن۔ تو پھر ان داتا کا کیا منشاء ہے۔

کاکا۔ جو کوئی مسلمانوں سے صلح کرتا ہے وہ اس کا ملک اس کے پاس باقی رہنے دیتے ہیں نیرون کے راجہ ساھنی نے صلح کرکے اپنا ملک بچا لیا میں بھی صلح کرکے اپنی رعایا اور اپنے ملک کو بچا لوں گا۔

بجہرا۔ مگر یہ تو بڑی ذلت کی بات ہوگی۔

کاکا۔ اور شکست کھانا ہی سے کون سی عزت ملے گی۔

بھن۔ اچھا حضور ایک کام کریں۔

کاکا۔ کیا۔

بھن۔ حضور مجھے اجازت دیں تاکہ میں کچھ لشکر لیکر مسلمانوں پر شبخون مار دوں

کاکا۔ کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔

بھن۔ اگر کوئی اچھا نتیجہ نہ نکلا تو پھر حضور صلح کر لیں۔

بجہرا۔ سپہ سالار کی رائے معقول ہے اسے آپ کو منظور کر لینا چاہیئے۔

کاکا۔ مجھے خوف ہے کہ مبادا محمد قاسم پھر صلح سے انکار کر دے۔

بجہرا۔ نہیں وہ صلح کا حریص ہے پھر بھی صلح کرے گا۔

بھن۔ مہاراج اگر ہماری تدبیر کارگر ہوگئی اور ہم نے مسلمانوں کو ہزیمت دیدی تو تمام دنیا میں ہماری دھوم مچ جائے گی۔ مرد ہماری تعریف کریں گے اور عورتیں مدتوں تک ہماری تعریف کے گیت گاتی رہیں گی۔

کاکا۔ میں دل سے اس بات کو نہیں چاہتا لیکن اگر تم شبخون مارنا بہتر سمجھتے ہو تو کرو۔ میں منع بھی نہیں کرتا۔

تمام درباری اس بات کو سن کر خوش ہو گئے بھن نے اسی وقت چند ایک بہادر سرداروں کو منتخب کر کے ایک ہزار بہادر سواروں کا دستہ علیحدہ کر دیا دربار برخاست ہو گیا۔ اور سب اٹھ کر چلے گئے بھن نے سرداروں اور سپاہیوں کو مسلح ہو کر دن چھپنے کے فوراً ہی بعد قلعہ کے باہر جمع ہونے کا حکم دیا تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں۔ جب آفتاب غروب ہو گیا۔ تب لوگ اکٹھے ہوئے بجہرا بھی آ گیا اور اس نے کہا۔ مسلمانوں نے میرے تاج و تخت ملک و مال وغیرہ تمام چھین لئے ہیں میں ان سے انتقام لینا چاہتا ہوں اس لئے تمہارے ساتھ چلوں گا بجہرا کی شرکت سے ان کی ہمتیں بڑھ گئیں اور وہ بیلمان کی طرف روانہ ہوئے رات اندھیری تھی چاند کی ابتدائی تاریخیں تھیں ابتدا ئے شب میں چاند نکل کر چھپ گیا تھا ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا ایسا اندھیرا کہ چند قدم کے فاصلہ کی چیزیں نظر نہ آتی تھیں یہ لشکر تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ہوا تیزی سے چلنے لگی گرمیوں کے دن تھے ہوا اور گرم تھی تھوڑی ہی دیر میں بادل اٹھ کر آسمان پر جمع ہو گئے۔ بجلی چمکنے اور بادل گرجنے لگا اب اور بھی اندھیرا پھیل گیا کہ آنکھوں کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا مگر دلیر سوار اب بھی چل رہے تھے۔ اگرچہ انہیں راستہ نظر نہ آ رہا تھا۔ مگر بغیر راستہ دیکھے ہی بڑھ رہے تھے خدا جانے کب تک چلتے رہے جب بادل چھٹا اور اجالا ہوا تو انہوں نے سامنے ایک قلعہ دیکھا۔ جب غور سے نظر کی تو معلوم ہوا کہ سیسم کا قلعہ ہے گویا تمام شب چلتے رہنے پر بھی صبح کو اسی قلعہ کے سامنے کھڑے تھے جس

لہ بھن ایکہزار جوانوں کو لیکر بجہرا کی معیت میں چلا تمام شب چلتا رہا جنگلوں میں سر ملاتا پھرا جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ سیسم کے سامنے کھڑا ہے گویا قدرت نے اس کے شبخون مارنے کی سعی بیکار کر دی (از تاریخ سندھ صفحہ ۱۲۰)

قلعہ سے رات کو نکل کر گئے تھے سب کو حد درجہ افسوس ہوا کہ رات کی تمام محنت بیکار
گئی مجبور ہو کر وہ قلعہ میں داخل ہونے کے لئے بڑھے ابھی وہ دروازہ کے قریب بھی
نہ پہونچے تھے کہ ایک آواز آئی ہندو ویر (بہادر) ٹھہرو سب ٹھہر گئے اور نگاہ اٹھا
کر دیکھنے لگے سامنے سے جوگن آرہی تھی اس کے غبار آلود پریشان بال اس
کے چہرہ اور کندھوں پر پڑے تھے وہ ہرنی کی کھال اپنے جسم سے لپیٹے بڑھی
چلی آرہی تھی۔ چنانچہ تمام اہل سندھ اسے بخوبی جانتے تھے۔ اس لئے
یہ لوگ بھی واقف تھے انھوں نے اسے پہچان لیا وہ تمام کھڑے ہو کر
اس کی طرف دیکھنے لگے۔

سولھواں باب

"نیک دل کاکا"

جوگن کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور اس کے سہارے سے چل رہی تھی جب وہ
ان کے قریب پہونچی تو سارے ہندو اس کے سلام کے لئے جھک گئے جوگن کو کوئی
بھی اس لئے سلام نہ کرتا تھا کہ وہ اسے قابل تعظیم سمجھتا تھا بلکہ اس سے ڈرنے کی وجہ
سے سلام کرتے تھے ڈر کی وجہ یہ تھی کہ ہندو اوہام پرست تھے وہ جوگن کو مافوق الفطرت
ہستی سمجھتے تھے یا ایسی جادوگرنی سمجھتے تھے جس کے قبضہ میں بھوت اور پریت ہوں
اور وہ ان سے جسے چاہے نقصان پہونچا دے حالانکہ اگر وہ ذرا غور کرتے تو
معلوم ہو جاتا کہ انسان پھر انسان ہی ہے انسانوں سے بالاتر نہیں ہو سکتا بھوت
پریت کوئی چیز نہیں ہیں نہ وہ نقصان پہونچانے پر قدرت رکھتے ہیں عام ہندوؤں
کا یہ خیال تھا اور ہے کہ بعض خبیث روحیں بھوت بن جاتی ہیں اور وہ انسانوں کو ستانے

لگ جاتی ہیں ہندو تناسخ یعنی آواگون کے قائل ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ انسان
مرنے کے بعد کسی نہ کسی جون میں منتقل ہو جاتا ہے اگر انسان نے اچھے کرم (عمل)
کئے ہیں تو اچھی جون میں جائیگا اور برے کئے ہیں تو بری جون میں جنم لیتا ہے مثلاً
انسان ہی مر کر گھوڑا ۔ گدھا، بیل، کتا، سور، بلی، بندر، ریچھ، ہاتھی، گائے، کیڑے
مکوڑے جانور اور سب کچھ بن جاتا ہے اور یہ چیزیں مر کر انسان بن جاتی ہیں گویا
جو انسان مر جاتا ہے وہ اپنے کرموں کے (اعمال کے) اعتبار (مطابق) اچھی یا بری جون
میں جاتا ہے ان کا یہ اعتقاد اس وجہ سے ہوا ہے کہ دنیا میں امیر، غریب، وزیر، بادشاہ
تندرست بیمار، لنگڑے لولے اور اندھے اچھے سب ہی قسم کے لوگ اسی لئے ہوتے ہیں
کہ انہوں نے اپنے پچھلے جنم میں بد اعمالیاں کی ہوتی ہیں اور ان کی سزائیں انہیں ملتی ہیں
مگر انہوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ دنیا جس وقت پیدا ہوئی تھی اس وقت
گھوڑے گدھے بیل اور خچر غرضیکہ تمام جانور چرند ۔ پرند بلکہ درندے گزندے، حشرات الارض
بندر انسان اور اچھے انسان امیر، غریب اور سب ہی قسم کے تھے نہ انسان گدھا
بن سکتا ہے اور نہ گدھا انسان بن سکتا ہے یہ قدرت کا کارخانہ ہے اسی طرح رہتا چلا
آیا ہے اور اسی طرح رہیگا ۔ یہاں تک ایک دن اسی حالت میں رہتے ہوئے فنا ہو جائیگا
خدا نے جیسے چاہا بنا دیا اگر سب اچھے ہوں اور برے اور معذور نہ ہوں یا بیمار نہ ہوں یا
نہ مریں تو خدا کو کون یاد کرے یا اگر سب امیر ہوں اور غریب نہ ہوں تو دنیا کے کام کیسے
چلیں یہ ضرورت ہے سوچنے اور سمجھنے کی جو غور کرتے ہیں سمجھ جاتے ہیں ہندوؤں کا یہ
عقیدہ کہ انسان کو برے اعمال کی سزا ضرور دیگی ایشور معاف نہیں کر سکتا اگر وہ
معاف کر دے تو ظالم ہے (نعوذ باللہ) اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ان کے ایشور
کو کوئی طاقت ہی نہیں ہے نہ وہ معاف کر سکتا ہے نہ وہ انکو کسی جون میں جانے
سے روک سکتا ہے کس قدر لغو خیال ہے پھر ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ جب سے انکا ایشور

ہے اسی وقت سے روح اور مادہ ہیں گویا خدا نے روح اور مادہ کو پیدا ہی نہیں کیا کیونکہ اگر ایشور جسے وہ خدا سے تعبیر کرتے ہیں روح اور مادہ کو پیدا کرتا تو وہ سب سے اول ہوتا اور روح اور مادہ اس کے پیدا کئے ہوئے ہوتے مگر وہ ایسا نہیں مانتے

جب سے خدا تب سے روح اور مادہ! جب خدا نے روح اور مادہ کو پیدا نہیں کیا تو اور کسی ہستی نے پیدا کیا۔ بغیر پیدا کئے ہوئے ان دونوں کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ تو جس نے پیدا کیا اصل خدا وہی ہے نہ کہ ہندوؤں کا ایشور وہ خدا ہے جس نے روح اور مادے کو پیدا ہی نہیں کیا۔ مسلمان خدا اسی کو مانتے ہیں جس نے روح اور مادے اور کائنات کی ہر ایک چیز پیدا کی اب خیال کرو کہ ہندوؤں کا ایشور وہ خدا ہے جس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا کیونکہ ہر ایک چیز روح اور مادے سے بنی ہے اور روح اور مادہ بھی ایشور نے پیدا نہیں کئے اسلئے کہ جب سے ایشور تب سے روح اور مادہ۔ مسلمانوں کا خدا وہ خدا ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا جو کہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا جو ہر چیز پر قادر ہے جو بد اعمالیوں کی سزا دیکر دوزخ میں ڈالے گا اور نیکوں کو جنت میں داخل کریگا جسے گناہوں کو معاف کرنے کی قدرت بھی ہے ہم اس موضوع پر ذرا وضاحت سے لکھنا چاہتے تھے لیکن ناول کے ضخیم ہو جانے کے خوف سے تھوڑے ہی پر اکتفا کرتے ہیں جب ہندو جوگنی کو سلام کر کے سیدھے کھڑے ہو گئے تب جوگن نے کہا تم مسلمانوں پر شبخون مارنے گئے تھے۔

پہمن نے کہا۔ جی ہاں۔

جوگنی۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ تم مسلمانوں کو شکست دیکر بھگا دو گے

پہمن۔ ہاں یہی خیال تھا۔

جوگنی۔ اپنے ملک و قوم اور اپنے مذہب کیساتھ دشمنی نہ کرو مجھے میرے جادو نے یہ بتایا ہے کہ مسلمان فتحیاب ہو کر رہیں گے اگر تم بھلائی چاہتے ہو تو ان سے صلح کر لو

پہمن۔ لیکن ماتا جی ہماری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی۔

جوگن نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ پھر تو تم لڑو اور ملک و قوم کا ناش کرا دو۔ یہ کہتے ہی جوگن پر غضب نگاہوں سے انکی طرف دیکھتی ہوئی چلی گئی۔ چونکہ اس سے سب ڈرتے تھے اسلئے کسی کو اسے روکنے یا اس سے باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوئی جب وہ دور نکل گئی تب یہ لوگ اپنے قلعہ میں داخل ہوئے لشکر بارکوں کی طرف چلا اور پہمن اور بجھرا دونوں کاکا کی خدمت میں حاضر ہوئے کاکا صبح ہی سے انکا انتظار کر رہا تھا جب یہ لوگ سلام کر کے بیٹھ گئے تب اس نے دریافت کیا کہیئے آپ کی مہم کامیاب ہوئی پہمن نے جواب دیا ان داتا نہیں !!

کاکا۔ کیوں ؟

پہمن۔ اس لئے کہ ہم مسلمانوں تک پہونچ ہی نہ سکے۔

کاکا نے حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کیا وجہ حائل ہوگئی۔

پہمن۔ ایک تو رات اندھیری تھی دوسرے گھٹا چھا گئی۔ اسقدر اندھیرا پھیل گیا کہ راستہ ہی نظر نہ آیا رات بھر بھٹکتے اور ٹکراتے پھرے پھر صبح کو جب سر اٹھا کر دیکھا تو سلیم کے قلعہ کے سامنے کھڑے تھے۔

کاکا۔ کیا اس سے بھی تم نے سمجھے کہ مسلمانوں کا نصیبہ یاور ہے۔

پہمن۔ ہماری ناکامی سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

بجھرا نے کہا۔ یہ بات نہیں ہے یہ ایک اتفاق تھا کہ رات گھٹا چھا جانیکی وجہ سے اندھیرا اس قدر پھیل گیا تھا کہ راستہ نظر نہ آیا اور ہم اسی قلعہ کے گرد چکر کاٹتے پھرے اگر آج کوشش کریں تو ضرور کامیاب ہو سکتے ہیں۔

کاکا۔ ناممکن ہے آپ کے ہمراہ ایک ہزار سوار تھے ایک ہزار سواروں کی دو ہزار آنکھیں ہوتی ہیں کیا اتنی آنکھوں کو بھی راستہ نظر نہ آیا ؟

پہمن۔ مہاراج جوگن بھی ملی تھی۔

کاکا نے چونک کر دریافت کیا۔ کب اور کہاں ؟

بہن۔ ابھی صبح ہوتے ہی قلعہ کے دروازے پر۔

کاکا۔ کیا کہتی تھی وہ؟

بہن۔ اس نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر تم ملک و قوم کی بھلائی چاہتے ہو۔ تو مسلمانوں سے صلح کر لو۔

کاکا۔ نیک مشورہ یہی ہے۔

بجہرا۔ مگر نہیں یہ بڑی بزدلی ہے

کاکا۔ کچھ ہو۔ میں صلح ہی میں عافیت سمجھتا ہوں۔

بجہرا۔ مگر ایک مرتبہ تو قسمت آزمائی کا اور موقعہ دیجئے۔

کاکا۔ اب موقعہ ہی کہاں رہا ہے آج دن چھپے سے پہلے ہی اسلامی لشکر قلعہ کے سامنے آجائے گا۔

بجہرا۔ آجانے دیجئے جب وہ رات کو آرام اور اطمینان سے سو جائیں ہم اس وقت شبخوں ماریں۔

کاکا۔ لاحاصل ہے ان کا خدا انکی حفاظت کر رہا ہے۔

بجہرا۔ اور ہمارے دیوی دیوتا۔

کاکا۔ ہم سے ناخوش ہو گئے ہیں۔

بجہرا۔ لیکن اگر آپ نے صلح کر لی تو مہاراجہ داہر کیا کریں گے۔

کاکا۔ وہ کچھ بھی کریں میں انکی وجہ سے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنی رعایا کو تباہ نہیں کرا سکتا۔

بجہرا۔ لیکن جو لوگ آپکے ملک پر حملہ کر رہے ہیں وہ کیوں آپ سے صلح کرینگے

کاکا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ محمد قاسم فضول خونریزی کو پسند نہیں کرتا صلح

کے خواہشمند ہوں سے فوراً صلح کر لیتا ہے۔

بجھرا۔ محمد قاسم ایک سترہ سالہ بچہ ہے کیا یہ بات شرم کے قابل نہ ہوگی کہ آپ ایک کمسن بچہ سے ڈر کر صلح کر رہے ہیں۔

کاکا۔ آج اس بچہ کا اقبال یاور ہے اس نے دیبل کو فتح کر لیا ہے آپ کا ملک فتح کر کے آپ کو بیدخل کر دیا ہے ایسے شیر دل فاتح سے صلح کرنے میں شرم ہو سکتی ہے۔

دراصل بجھرا نہ چاہتا تھا کہ کاکا محمد قاسم سے صلح کرے اسکی وجہ یہ تھی کہ اسکی حکومت چھن گئی تھی وہ چاہتا تھا کہ یا تو کاکا کی حکومت بھی چھن جائے یا وہ مسلمانوں کو شکست دیدے اور اسطرح اس کی سلطنت پھر اسے مل جائے اسلئے وہ اسے اشتعال دلا دلا کر لڑائی پر برانگیختہ کر رہا تھا۔ مگر کاکا کے دل میں صلح کی خواہش تھی اور اسلئے وہ صلح پر آمادہ تھا جب بجھرا کی تمام کوششیں بے سود اور اکارت گئیں تو وہ کچھ ناخوش ہو کر اٹھا اور چلا گیا اس کے جاتے ہی کاکا نے اپنے تمام معتمدوں کو طلب کر کے ان سے کہدیا کہ وہ مسلمانوں سے صلح کر لینا ہی مناسب سمجھتا ہے!!

کاکا کو سب صاحب الرائے اور فہم کار سمجھتے تھے کسی نے بھی اسکی رائے کی مخالفت نہ کی چنانچہ کاکا ان سب کو اپنے ہمراہ لیکر محل سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلا قلعہ سے باہر نکلتے ہی یہ لوگ نیلمان کی طرف چل کھڑے ہوئے چلتے رہے چند ہی میل چلا کہ انھیں سامنے سے غبار اٹھتا ہوا نظر آیا جو کہ ان کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا انہوں نے سمجھ لیا کہ اسلامی لشکر آرہا ہے ان کے ساتھ صرف اڑھائی سو سواروں کا دستہ تھا۔ کاکا کے ہمراہیوں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا مسلمان ان پر حملہ نہ کر دیں چنانچہ انھوں نے اپنا یہ اندیشہ کاکا پر ظاہر کیا کاکا نے کہا اطمینان رکھو مسلمان ایسے نہیں ہیں وہ کسی ملک یا کسی شہر پر بلاوجہ حملہ نہیں کرتے

پھن نے کہا لیکن ہمارے قلعہ پر تو بناذبہ بھی حملہ کر رہے ہیں۔

کاکا۔ بنادبہ نہیں بجہرا ان کے مقابلہ سے شکست کھا کر ہمارے قلعہ میں

پناہ گزیں ہو لیے اس وجہ سے وہ ہم پر حملہ کر رہے ہیں۔

پھن۔ اگر ہم بجہرا کو پناہ نہ دیتے؟

کاکا۔ تو وہ الور کو چھوڑ کر ہم پر حملہ آور نہ ہوتے۔

پھن۔ اگر ہم بجہرا کو ان کے سپرد کر دیں۔

کاکا۔ تو میرا خیال ہے کہ وہ فوراً واپس لوٹ جائیں گے

یہ لوگ بڑھے چلے جا رہے تھے اب گرد وغبار کا دامن چاک ہو گیا تھا شیران اسلام اپنی شہسواروں پر شاک میں نظر آنے لگے تھے انہوں نے بھی کاکا اور اس کے ہمراہیوں کو دیکھ لیا تھا مگر انہیں دیکھ کر بھی ان کی رفتار میں کمی نہ آئی تھی کاکا نے کہا تم نے دیکھا کہ مسلمان کیسی بے خوفی سے دشمن کے ملک میں گھسے چلے آ رہے ہیں

پھن نے کہا۔ حقیقت میں ان کی جرأت قابل رشک ہے چونکہ دونوں فریق بڑھ رہے تھے اس لیے ان کا ہر قدم انہیں ایک دوسرے کے قریب کرتا جا رہا تھا اور کاکا کے ہمراہی خوف بھری نظروں سے مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

ستر ھواں باب

"غیرت"

جب کاکا اور اس کے ہمراہی بہادر عرب مجاہدوں کے پاس پہنچے تو دونوں لشکر رک گئے اسلامی لشکر میں سے ایک شخص بڑھ کر کاکا کے پاس آیا یہ بنانہ تھا خطلم کا بیٹا اس نے آکر کاکا سے دریافت کیا غالباً آپ راجہ ہیں؟ کاکا نے پوچھا تم نے

کس طرح پہچانا؟ اس وقت کاکا تاج نہ رکھے تھا بنانہ نے کہا۔ ان ہیرے اور موتیوں کے ہاروں سے جو آپ پہنے ہوئے ہیں۔

کاکا۔ تمہارا خیال صحیح ہے میں کیبم کا تاجدار ہوں میرا نام کاکا ہے

بنانہ۔ بہت خوب کیا آپ بارادۂ جنگ آئے ہیں۔

کاکا۔ نہیں اگر میں جنگ کے ارادہ سے آتا تو کیا اتنا ہی ذرا سا لشکر ہمراہ لاتا

بنانہ۔ تو آپ صلح کرنے کے خیال سے آئے ہیں۔

کاکا۔ نہیں

بنانہ۔ کیا بھیرا کو آپ نے اپنی راجدھانی سے نکال دیا ہے۔

کاکا۔ نہیں۔ میں اسے نکال دوں گا تمہارا نام کیا ہے۔

بنانہ۔ میرا نام بنانہ ہے۔

کاکا۔ کیا تمہیں صلح کرنے کا اختیار ہے۔؟

بنانہ۔ نہیں بغیر ہمارے سپہ سالار محمد قاسم کے حکم کے نہ صلح ہو سکتی ہے نہ لڑائی

کاکا۔ اور محمد قاسم کس بچہ ہے۔

بنانہ۔ جی ہاں وہ سترہ سال کے نو عمر سپہ سالار ہیں۔

کاکا۔ تعجب ہے کہ تم لوگ ایک بچہ کی اطاعت کر رہے ہو۔

بنانہ۔ ہماری قوم کا یہ دستور ہے کہ ہمارے خلیفہ کا قائم مقام جس شخص کو سپہ سالار مقرار کر دیتا ہے تمام لشکر اس کی اطاعت کرتا ہے۔

کاکا۔ چاہے وہ ادنیٰ درجہ کا ہی کیوں نہ ہو

بنانہ۔ ہمارے یہاں قوم میں درجہ وغیرہ مقرر نہیں ہے جو شخص بھی اسلمان ہو جاتا ہے وہ ہمارا بھائی بن جاتا ہے اور بھائیوں میں ادنیٰ اور اعلیٰ کیا۔

کاکا۔ اچھا تمہارا سپہ سالار کہاں ہے۔

بنانہ - غالباً وہ بھی چل پڑے ہوں گے اور اب آنے والے ہی ہوں گے

کاکا - کیا تم مجھے بھی ان کے پاس لے چلو گے -

بنانہ - بڑی خوشی سے

بنانہ نے اپنے لشکر کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیدیا اور خود چار اور مسلمانوں کو لیکر کاکا اور اس کے ہمراہیوں کے ساتھ چل پڑا - جب یہ لوگ ذرا دور نکل گئے تب کاکا نے بنانہ سے کہا کہ تم پانچ آدمی ہمارے ہمراہ آگئے ہم تم پر حملہ کر دیں ؟

بنانہ نے ہنس کر کہا - آپ حملہ کر دیں گے تو ہم لڑنا شروع کر دیں گے -

کاکا - مگر تم صرف پانچ آدمی ہو اور ہم سیکڑوں ہیں -

بنانہ - پھر کیا ہم مسلمانوں کی آرزو شہادت ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ آپ ہمیں شہید کر ڈالیں گے مگر وہ بھی اس وقت جبکہ ہم آپ کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر ڈالیں گے پھر اگر ہم شہید ہو گئے تو نقصان کیا -

کاکا - چونکہ تم شہادت کے طلب گار ہو اسلئے مرنے سے نہیں ڈرتے -

بنانہ - یہی بات ہے لڑائی ہمارا کھیل اور مرنا ہمارا جینا ہے -

کاکا - عجیب قوم ہے -

یہ لوگ کچھ اور دور چلے تھے کہ پھر غبار اڑتا ہوا نظر آیا کاکا نے دریافت کیا غالباً یہ تمہارے سپہ سالار ہیں ؟ بنانہ نے جواب دیا جی نہیں یہ بھی ایک افسر ہیں محمد قاسم کی طرح نو عمر ہیں انکا نام اسلم ہے یہ لوگ چل کر آنے والے لشکر کے قریب پہونچ گئے - یہ اسلم کے تحت والا لشکر آ رہا تھا انہیں دیکھتے ہی اسلم آگے بڑھ آیا - بنانہ نے اسے تمام حال سنا دیا - اس نے کہا - تمہارے پاس جانے سے کیا فائدہ - یہیں ٹھہرو اور سپہ سالار کے آنے کا انتظار کرو -

بات معقول تھی - کاکا کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کمسن لڑکے بہادر بھی ہیں اور عقلمند

بھی وہ سب وہیں پر رک گئے اور سپہ سالار کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر کے بعد غبار اڑتا نظر آیا اور جب غبار کا دامن چاک ہوا تو عجل کا لشکر آکر رکا غرضیکہ اس طرح ایک کے بعد ایک سردار آ آکر رکتا رہا سب کے بعد محمد قاسم کا لشکر آیا اس کے لشکر کو دیکھتے ہی تمام مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔ اب اسلم اور بنانہ نے کاکا سے کہا۔ سپہ سالار تشریف لے آئے اب چلیے کاکا کو مسلمانوں کی ہر بات سے حیرت ہو رہی تھی اس نے دیکھا کہ اسلامی لشکر کا نظام بہت اچھا ہے گفتگو نہایت نرم اور شیریں ہے اخلاق بہت ہی اچھا ہے وہ مع اپنے ساتھیوں کے ان دونوں کے ساتھ چلا محمد قاسم کے لشکر کے قریب پہونچے تو انھوں نے دیکھا کہ کمسن لڑکا عربی لباس پہنے اسلامی جھنڈا ہاتھ میں لئے نہایت شان سے گھوڑے پر سوار کھڑا ہے۔

کاکا اور اس کے ساتھیوں نے سمجھ لیا کہ فاتح اعظم محمد قاسم ہے جس نے کہ سندھ میں داخل ہو کر کئی قلعہ فتح کر لئے ہیں اور جس کی بہادری کی ہر طرف دھاک بیٹھ گئی ہے اسے محمد قاسم پر رشک آیا چھوٹی سی عمر تھی وہ اپنے ملک سے دور غیروں کے ملک میں لڑنے کے لئے آیا تھا۔ محمد قاسم خوبصورت تندرست مضبوط اور قوی لڑکا تھا اس کے بشرہ سے شان اور رعب ظاہر ہوتا تھا۔

اسلم اور بنانہ دونوں نے اس کے قریب جا کر سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیکر مسکراتے ہوئے کہا کس بات نے تم کو رک جانے پر مجبور کیا ہے؟ اسلم نے کاکا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ سیسم کے راجہ ہیں اور اطاعت کے ارادہ سے آئے ہیں۔ فوراً محمد قاسم کاکا کی طرف بڑھے کاکا ان کی طرف بڑھا ہوا آ رہا تھا اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی فرشتہ مسکراتا ہوا اسکی طرف بڑھا ہوا آ رہا ہو اس کا دل کچھ مسرت کچھ حیرت اور کچھ رعب سے دھڑکنے لگا۔

جونہی محمد قاسم اس کے قریب آیا۔ بے اختیار کاکا نے اسے سلام کیا محمد قاسم

نے سلام کا جواب دیکر کہا۔ خوش آمدید سلیم کے راجہ کاکا اب تک اسکے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔

محمد قاسم۔ مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ہے معاف کیجئے میں سفر کر رہا ہوں اور اس لئے آپ کی مدارات آپ کی شان کے مطابق نہیں کر سکتا اچھا تھوڑی دیر ہم کو قیام کرنا چاہئے۔

یہ کہتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اس کے اترتے ہی تمام سردار اور سارے سوار گھوڑوں سے نیچے کھڑے ہو گئے اسلم نے جلدی سے دو تین زین پوش بچھا دیئے اس عرصہ میں کاکا اور اس کے ساتھ والے گھوڑوں سے نیچے اتر آئے۔

محمد قاسم نے کہا۔ اگرچہ یہ زین پوش آپ کے بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں آپ زر نگار ریشمی مسندوں پر بیٹھنے والے ہیں مگر ہم مسلمانوں کے پاس بجز ان زین پوشوں اور کمبلوں کے اور کوئی چیز بیٹھنے کیلئے نہیں ہوتی اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو تشریف رکھیں کاکا برابر اس کے چہرہ کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا تھا جب محمد قاسم باتیں کرتا تھا تو اس کے منہ سے پھول جھڑتے نظر آتے تھے اس نے کہا اے فاتح سندھ آپ جس جگہ بیٹھ جائیں میرے لئے وہی عزت ہے یہ کہہ کر وہ ایک زین پر بیٹھ گیا اس کے قریب ہی محمد قاسم بھی بیٹھ گیا۔ محمد قاسم نے کہا۔ آپ داہر کو پناہ دے رہے ہیں یہ اچھا نہیں میرا ارادہ اور پر لشکر کشی کرنے کا تھا لیکن اس خیال سے کہ پھر آپ کو ورغلا کر پھر فوج لیکر چڑھا لائے۔ اس لئے مجھے پہلے اسی طرف آنا پڑا۔

کاکا۔ میں متعجب ہوں کہ میں نے آپ کے دشمن کو پناہ دی لیکن جب کوئی شخص میرے پاس پناہ مانگنے آئے تو بتایئے میرا کیا فرض ہے؟

محمد قاسم یہی کہ آپ اسے پناہ دیں

کاکا۔ اور اسی لئے مجھے پناہ دینا پڑی۔

محمد قاسم - اچھا اب آپ کس ارادہ سے آئے ہیں۔

کاکا - صلح کرنے کے ارادہ سے۔

محمد قاسم - نہایت ہی مبارک ارادہ ہے میں بھی خونریزی کو پسند نہیں کرتا میں نے اسی لئے داہر کو سمجھانے کیلئے سفیر بھیجے مگر وہ صلح پر آمادہ نہ ہوا اگر وہ ان تمام مسلمانوں کو رہا کر دیتا جنہیں اس نے اسیر کر لیا تھا تو جنگ نہ ہوتی۔

کاکا - مگر وہ ایسا کرتے ہی کیوں جب کسی ملک یا کسی قوم کے برے دن آتے ہیں تو عقل ماری جاتی ہے ہماری پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ سندھ کو مسلمان فتح کریں گے ہم سب اس بات کو بخوبی جانتے ہیں مگر ہماری عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔ باوجود سب کچھ سمجھنے کے پھر صلح کی طرف نہیں جھکتے اور لڑ کر ملک کو ویران اور قوم کو قتل کرا رہے ہیں۔

محمد قاسم - کاش آپ کے سے ہی خیالات داہر کے ہوتے۔

کاکا - پھر مسلمانوں کا سندھ پر قبضہ کیسے ہوتا۔

محمد قاسم - ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا کن شرائط پر آپ صلح کرنا چاہتے ہیں۔

کاکا - جن شرائط پر آپ پسند فرمادیں۔

محمد قاسم - میں صرف اس شرط کے کہ آپ بجہرا کو اپنے ملک سے نکال دیں اور کوئی شرط اپنی طرف سے پیش کرنا نہیں چاہتا۔

کاکا - لیکن اگر اب بجہرا بھی آپ سے صلح کرے۔

محمد قاسم - تب کوئی شرط باقی نہ رہے گی۔

کاکا - گویا آپ اس سے بھی صلح کر لیں گے۔

محمد قاسم - ہاں کر لوں گا۔ اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ داہر کا بھتیجہ ہے جو خو بو داہر کی ہے وہی اس کی ہے لیکن اس پر بھی میں اس سے مصالحت کر لوں گا۔

کاکا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بہت زیادہ نیک طینت اور رحم دل ہیں۔

محمد قاسم۔ اگرچہ دربار خلافت سے ہدایات آرہی ہیں کہ میں صلح کی طرف نہ جھکوں لیکن میں یہی سمجھتا ہوں کہ صلح کو لڑائی سے اچھا سمجھتا ہوں۔

کاکا۔ تعجب ہے۔ کہ آپ اس تھوڑی سی عمر میں نہایت بہادر بےخوف مدبر خلیق اور صلح جو واقع ہوئے ہیں۔

محمد قاسم۔ یہ خدا کی عنایت ہے ورنہ میں ایک ادنیٰ اور کمزور بندہ ہوں

کاکا۔ اچھا تو مجھے کتنا تاوان جنگ ادا کرنا ہوگا

محمد قاسم۔ کسی قدر بھی نہیں جب میں آپ سے بلا کسی شرط کے صلح کر رہا ہوں تو پھر تاوان جنگ کیا۔

کاکا۔ اور اس کے ساتھ والے یہ بات سن کر کمال مسرور ہوئے۔ کاکا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا تو چلئے میں آپ کا سیسم پر قبضہ کرا دوں اور پھر اسوقت تک آپکے ساتھ رہوں کہ جب تک آپ الہور نہ فتح کر لیں محمد قاسم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ چلئے یہ سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تمام لشکر کے ساتھ سیسم کی طرف چل پڑے۔

چونکہ سیسم کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا اس لئے دوپہر کے وقت قلعہ کے سامنے پہونچ گئے کاکا محمد قاسم اور تمام اسلامی سرداروں کو ہمراہ لیکر قلعہ کی طرف بڑھا اس نے دیکھا کہ قلعہ کا دروازہ بند کر لیا گیا ہے اور سپاہی فصیل پر تیر کمانیں لئے تیروں کی بارش کرنے پر بالکل آمادہ ہیں۔ کاکا یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گیا اسے خیال ہوا کہ شاید لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ سلمانوں نے صلح سے انکار کر دیا ہو دروازہ بند کر لیا ہو اور سپاہی تیار ہو گئے ہوں یا پھر اپنے کہنے سے فصیل پر جا چڑھے ہیں وہ اپنے چند آدمیوں کے ہمراہ فصیل کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ اس نے بہن سے کہا۔ تم انہیں اطلاع دو کہ سلمانوں سے صلح ہو گئی

ہے اور یہ قلعہ کا دروازہ کھول دیں چنانچہ بھین نے یہ بلند آواز سے کہہ دیا ایک سپاہی نے کہا۔ اگر کاکا نے صلح کر لی ہے تو اس کے اپنے واسطے ہوگی ہم قلعہ کا دروازہ نہ کھولیں گے اور اس وقت تک مسلمانوں سے لڑیں گے جب تک کہ انھیں شکست دیکر بھگا نہ دیں گے۔

کاکا اور اس کے ساتھیوں کو بڑا تعجب ہوا بھین نے پھر کہا۔ تمہاری جنگ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تمہارے پاس نہ افسر ہیں نہ مہاراجہ ہیں۔ اسی سپاہی نے کہا۔ ہم نے بجھرا کو مہاراجہ تسلیم کر لیا ہے اور افسر بھی مقرر کر لئے ہیں اب کاکا کی سمجھ میں آیا کہ عیار بجھرا نے سیسم پر خود قبضہ کر لیا ہے اسے اس بات پر غصہ آیا اور وہ غضب آلود نگاہوں سے سپاہیوں کو دیکھتا رہ گیا۔

اٹھارواں باب

"احسان فراموش"

بجھرا اچھی طینت کا آدمی نہ تھا وہ نہایت عیار اور بیحد چالاک تھا اسکی حکومت چھن گئی تھی۔ بے خانماں ہوگیا تھا جس وقت وہ بھرزج سے بھاگا تھا اس وقت اس کا ارادہ بدھیم کے راجہ کاکا کے دامن میں پناہ لینے ہی کا تھا۔ اور کچھ قصد نہ تھا۔ چنانچہ وہ سیدھا سیسم گیا پہونچا۔ کاکا نے اسے پناہ دی اس کی مدارات کی اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی جب بجھرا وہاں چند روز ٹھہرا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یا تو کسی طرح کاکا کو مار کر اس کی حکومت چھین لے یا اسے مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ کر کے جنگ کرائے کیونکہ جنگ کی صورت میں بھی اس کا مقصد حاصل ہوتا تھا کیونکہ اگر کاکا فتحیاب ہوتا اور مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تب تو اسے اس کی سلطنت مل جاتی

اور اگر کاکا کو ہزیمت ہوتی تو وہ بھاگ کر سیسم کے قلعہ میں آجاتا اور سلطنت کو حاصل کرنے کی سعی کرتا غرضیکہ اسی عیارانہ خصلت نے اسے کاکا کے ساتھ دشمنی پر آمادہ کردیا حالانکہ اگر وہ انسان ہوتا تو سوچتا سمجھتا خیال کرتا کہ جس آدمی نے اسے اسوقت پناہ دی جبکہ زمین و آسمان اس کے دشمن ہو رہے تھے تو کبھی اس کے ساتھ احسان فراموشی نہ کرتا لیکن وہ خود غرض اور مکار آدمی تھا وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی احسان کو بھی نہیں مانتے اور اپنے محسنوں کے ساتھ ہر ممکن برائی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں اول اول تو اس نے بھی کوشش کی کہ کاکا مسلمانوں کے ساتھ لڑے لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی اور کاکا مسلمانوں سے صلح کرنے کے لئے چلا گیا۔ تو اسے موقع ہاتھ آگیا۔ کاکا کے جاتے ہی اس نے سیسم کے ان معزز لوگوں کو جمع کیا۔ جو وہاں باقی رہ گئے تھے یہ سب دربار عام میں بلائے گئے ان کا وزیر اس سے زیادہ مکار اور بدطن تھا اسی کے مشورہ سے سب کچھ ہو رہا تھا۔ چنانچہ جب سب لوگ جمع ہوئے تب وزیر نے بجہرا کو اطلاع دی اس نے وہی پوشاک جو وہ پہن کر بجز ج سے بھاگا تھا پہنی اور دربار میں چلنے کیلئے تیار ہوا۔ اتفاق سے اس کی رانی آگئی یہ رانی بھی لاڈی کی طرح کم عمر اور حسین تھی صرف تملوکہ اور ساڑی کئے ہوئے تھی البتہ جواہرات اور آبدار موتیوں کے زیورات کثرت سے پہن رکھے تھے۔ ان زیورات کی چمک دمک نے اس کی صورت کو جگمگا دیا تھا۔ اس نے آتے ہی ہو تر بانگاہیں اٹھا کر ناز بھری چتوں سے بجہرا کو دیکھ کر کہا۔ کہاں جا رہے ہو سوامی بجہرا کو اس سے بہت زیادہ انس تھا۔ اس نے مڑ کر اسے اپنے سینہ سے لگاتے ہوئے کہا میں اپنی بگڑی ہوئی قسمت بنانے جا رہا ہوں۔

رانی نے شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ بھلا قسمت بھی کبھی بنتی ہے۔

بجہرا۔ انسان میں اسقدر طاقت ہے کہ وہ سب کچھ بنا سکتا ہے۔

رانی۔ میں نے تو یہ سنا ہے کہ بھاگ کو دیوی اور دیوتا نہیں بنا سکتے

بجہرا۔ مگر منش (آدمی) بنا سکتا ہے۔

رانی۔ اچھا آپ کا بھاگ کون بنائے گا

یہ کہہ کر رانی نے راجہ کے موتیوں کے ہار سے کھیلتے ہوئے اسکی طرف دیکھا

بجہرا نے اس کے حسین سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ میں خود بناؤں گا۔

رانی۔ کس طرح۔

بجہرا۔ کاکا مسلمانوں سے صلح کرنے گیا ہے میں اس لئے اس قلعہ کا راجہ تیجا دھنگا

رانی اس سے فوراً الگ ہو گئی اور اس نے کہا۔ یہ تو بڑا پاپ (گناہ) ہے سوامی

بجہرا نے ہنس کر کہا۔ کچھ پاپ نہیں زندگی جد وجہد کا نام ہے جو لوگ کوشش کرتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں میں بھی کوشش کر کے کامیاب ہونا چاہتا ہوں

رانی نہیں ناتھ ایسا نہ کیجئے تمام دیوی دیوتا ناراض ہو جائیں گے

بجہرا۔ سندیہہ (فکر) نہ کرو میں انہیں راضی کر لوں گا ہماری حکومت چھن گئی ہے کاکا یہ حکومت مسلمانوں کو دینا چاہتے ہیں پھر کیوں نہ میں ہی حاصل کر لوں۔

رانی۔ اگر ہماری پرالبد (قسمت) میں حکومت ہوتی تو چھینی ہی کیوں جاتی۔

بجہرا۔ وہ راج ہمیں اپنے پتا (باپ) سے ملا تھا اور سلطنت قوت بازو سے ملتی ہے دنیا کا یہی قاعدہ ہے۔

رانی۔ مجھے ابھی بھے ہے (ڈر) کہ مبادا ہم پر کوئی اور مصیبت نہ آ ٹوٹے۔

بجہرا۔ پریہ (پیاری) تم اطمینان سے رنواس (محل) میں بیٹھی رہو اور کسی قسم کا بھے (ڈر) نہ کرو میں خود راجہ بن کر تم کو رانی بنانا چاہتا ہوں۔

رانی۔ اچھا جاؤ ناتھ۔

بجہرا۔ وزیر کے ہمراہ چل کر دربار میں پہونچا سیکڑوں آدمی اسوقت جمع تھے

جو دربار کی کرسیوں پر بیٹھے تھے بجھرا کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو ہو کر جھک گئے بجھرا تخت پر جا بیٹھا اس نے کہا معزز لوگوں بیٹھ جاؤ۔ جب سب بیٹھ چکے تب بجھرا نے کہا میں نے آپ تمام اصحاب کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ میں آپ سے چند ایک باتیں کہنا چاہتا ہوں سب نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے اور اس نے پھر کہا آپ مجھے خوب جانتے ہیں کہ میں مہاراجہ داہر کا بھتیجہ اور مہاراجا بجی چند کا بیٹا ہوں میرا نام بجھرا ہے میری ریاست آپ کے قریب ہی ہے جس کا نام سوستان ہے میں اس خاندان سے ہوں جو کبھی کسی دشمن سے نہیں دبا۔ وہ رک گیا ابھی تک سب اسے نظر اٹھائے ہوئے دیکھ رہے تھے اس نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا افسوس ہے کہ مسلمانوں نے میری حکومت دغا بازی سے چھین لی ہے اگر وہ مجھ سے میدان میں لڑتے تو میں انھیں بتا دیتا کہ میں کس قدر بہادر ہوں لیکن جو ہو گیا اس پر افسوس کبھی نہ کرنا چاہئے۔

مجھے یہ کہنا ہے کہ کاکا کو میں نے ہر چند سمجھایا کہ وہ مسلمانوں سے صلح نہ کریں لیکن انھوں نے نہ مانا اور صلح کرنے کیلئے چلے گئے۔ انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ مسلمان عورتوں کو اپنی خادمائیں اور بچوں کو غلام بنا لیتے ہیں۔ مردوں کو منڈیوں میں لے جا کر بیچ دیتے ہیں اور وہ بانگ (اذان) دیتے ہیں اس سے ہمارے دیوی دیوتا ناراض ہو کر بھاگ جاتے ہیں کیا ایک ہندو کیلئے یہ غیرت کی بات نہیں ہے کیا آپ اسے گوارا کرلیں گے کہ آپ کی عورتیں اور لڑکیاں مسلمان لے جائیں۔

ایک غیرت مند شخص کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب نے بلند آواز سے کہا بے شک یہ بات گوارا نہیں کی جا سکتی۔

کاکا نے طے کر لیا ہے کہ تم لوگوں کی عورتیں اور بچوں کو مسلمانوں کے حوالے کردے۔

تمام آدمیوں کو جوش آگیا۔ انھوں نے غصہ سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے کہا

ہم خون کی ندیاں بہا دیں گے اور ایسا نہ ہونے دیں گے۔

ججھرا۔ مجھے یہی توقع تھی لیکن جب کاکا صلح کر کے آئے گا تب تم کیا کرو گے

چند آدمیوں نے کہا ہم انھیں قلعہ میں کبھی نہ گھسنے دیں گے۔

ججھرا۔ بہادر اور غیرت مند آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اب وزیر نے کہا۔ میرے دوستوں یہ بات طے شدہ سمجھو کہ کاکا صلح کر کے آئے

گا اور تمہاری لڑکیوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیگا۔ اگر تم میری بات مانو تو کہوں؟

سب طرف سے آوازیں آئیں ہم ضرور مانیں گے۔

وزیر۔ تم کاکا کے آنے سے پہلے ہی کسی راجہ کو منتخب کر لو۔

سب نے کہا۔ نہایت اچھی تجویز ہے جو لوگ اسوقت جمع کر لئے گئے تھے ان

میں جوش تھا مگر عقل نہ تھی جو ان سے کہلایا جاتا تھا وہ کہدیتے تھے لیکن سوچتے

سمجھتے کچھ نہ تھے وزیر نے اس بات کو سمجھ لیا اس نے کہا اگر تم پسند کرو تو راجہ ججھرا

موجود ہیں انھیں مجبور کرو کہ یہ تاج اور تخت سنبھالیں اور تمہارے زن وفرزند

اور زر ومال کو مسلمانوں سے بچائیں۔

سب نے کہا۔ بیشک بیشک!! ججھرا جی سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔

ججھرا نے کہا۔ گو میں تمہاری اور خدمت کرنے کیلئے آمادہ ہوں لیکن تخت وتاج

سنبھالنے کیلئے تیار نہیں ہوں اب لوگ اس کی طرف اٹھ کر چلے اور چبوترہ کے نیچے

کھڑے ہو کر بولے نہیں مہاراجہ ہم پر اپنی مہربانی (توجہ) کر دیا (مہربانی) کر کے تخت

اور تاج سنبھالئے ججھرا نے اٹھ کر کہا۔ اگر تم سب مجبور ہی کرتے ہو تو میں اس کے

لئے بھی آمادہ ہوں اس نے خود ہی جال بچھایا تھا لیکن لوگوں سے کہلانا چاہتا

تھا۔ چنانچہ جب سب نے اس سے کہا تو وہ تیار ہو گیا فوراً تاج لایا گیا وسج

جو کاکا کا پہنا کرتا تھا۔ ایک برہمن نے آکر راج گدی کی تمام رسومات ادا کیں اور
اس طرح بچھرا بدیہہ کا راجہ بن گیا۔

جو معمولی افسر رہ گئے تھے انھیں بھی کسی نہ کسی طرح راضی کر لیا گیا اور
اسطرح تمام فوج پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی قلعہ کا دروازہ بند کرا
کر فصیل کے اوپر لشکر بھیجدیا اور پتھروں اور سنگریزوں کے انبار لگا دیئے۔

ابھی اس کام سے فراغت بھی نہ ہوئی تھی کہ کاکا اسلامی لشکر کے ساتھ آگیا
اور اس کی وہ گفتگو سپاہیوں سے ہوئی تھی جو اس باب سے پہلے باب میں بیان
کی گئی ہے اور جب سنگر کاکا غضبناک نگاہوں سے انھیں گھورنے لگا۔

انیسواں باب

"قیدی حوریں"

داہر ان سپاہیوں کے پیچھے روانہ ہوا تھا جو طاہرہ کو حراست میں لئے جا رہے
تھے جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو اس نے لادی اور اس کے محافظوں کو کھڑے ہوئے
دیکھا لادی بھولی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جب وہ اس کے قریب سے
گذرنے لگا تو لادی نے کہا۔ ناتھ معاف کر دو۔

داہر کو غصہ آرہا تھا اس نے کہا خبردار اگر معافی کا نام لیا تو سر اڑا دوں گا
لادی چپ ہو گئی اب طاہرہ نے کہا۔ مہاراجہ داہر غصّہ اس کی طرف مخاطب ہو کر
بولا۔ عربی حور کیا کہتی ہے؟ طاہرہ نے کہا۔ آپ کے لئے یہ غیر مناسب ہے کہ
آپ حسین و جمیل معصوم رانی کو قید و بند کی تکالیف دیں۔

داہر نے اس کے قریب آکر کہا۔ تم رانی کی سفارش نہ کرو۔ البتہ اپنے لئے

جو چاہو کرو

طاہرہ - مجھے اپنے لئے کچھ نہیں کہنا ہے۔

داہر- بس تو چلئے

داہر انہیں لیکر چلا رات کا وقت تھا اگرچہ چاند نکلا ہوا تھا مگر مطلع غبار آلود ہونیکی وجہ سے روشنی نہ تھی جب یہ محل کے اس کنارے پر پہونچے جسطرف ایک بڑا صحن تھا اور وہ مندر داہر کا بتایا جاتا تھا وہاں کچھ بہت سی کم حیثیت عمارتیں بنی ہوئی تھیں اور ان عمارتوں کے باہر سیاہ فام لمبے تڑنگے آدمی تلواریں ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے راجہ کو دیکھتے ہی تلواریں سامنے کیطرف پھیلا پھیلا کر جھک گئے

ایک کمرے کے قریب پہونچکر داہر نے قفل کھول دیا اور اندر داخل ہوا مگر اس کی نظریں اندھیرے میں داخل ہونے والے آدمیوں کو بھی اچھی طرح سے پہچان نہ سکی تھیں ایک دروازہ کا قفل خود کھولا اس کمرہ میں بھی بالکل اندھیرا پھیلا ہوا تھا کچھ نظر نہ آتا تھا کہ کمرہ کتنا بڑا ہے۔ اور اس میں کیا سامان ہے اب داہر واپس آیا اور جو سپاہی رانی لاڈی کو حراست میں لئے کھڑے تھے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ سپاہی لاڈی کو لیکر بڑھے اور راجہ کے پاس پہونچے۔ راجہ نے لاڈی سے کہا۔

بیوقوف عورت تمہارے رہنے کیلئے یہ کمرہ مناسب ہے اور تم یہاں رہو لاڈی اس کمرے کی تاریکی دیکھ کر ڈر گئی۔ اس نے کہا ناتھ مہربانی کرو۔ داہر نے غصہ سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ مہربانی ہی ہے کہ تم کو قتل نہیں کیا۔

لاڈی۔ اچھا میرے لئے کچھ روشنی منگا دیجئے اندھیرے میں مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے

داہر نے قہقہہ لگا کر کہا روشنی منگا دوں اگر تم اپنی پتی ورتا (شوہر پرست) عورت ہو تو یہ اندھیرا تمہارے لئے روشنی بن جائے گا لاڈی اسے بھولی صورت بنائے معصوم

نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کمرہ کی مدھم روشنی میں بھی اس کی صورت چمک رہی تھی اس نے پھر کہا۔ سوامی ایسے کٹھور نہ ہو۔ داہر نے بگڑ کر کہا۔

خاموش رہو!! اب اندر جاتی ہے یا ان سپاہیوں کو حکم دوں کہ یہ تجھے دھکیل دیں لاڈی کے بشرہ سے اطمینان کی علامتیں ظاہر ہوئیں اور اس نے کہا۔ نہیں مجھے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ مگر سنئے اگر میں پتی برتا (شوہر پرست) ہوں تو اس کمرہ میں قید نہ رہوں گی۔

داہر۔ ہاں تم کو کوئی دیوتا آ کر چھڑا لیں گے۔

لاڈی۔ ضرور لیکن

داہر۔ لیکن کیا۔

لاڈی۔ جس بات کو سنکر آپ خفا ہو گئے ہیں میں اسی کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں

داہر۔ کیا۔؟

لاڈی۔ میں محمد قاسم کے پاس جانا چاہتی تھی۔

داہر۔ کس لئے۔

لاڈی۔ اس سے آپ کے اور اپنے لئے امن کی درخواست کرنے۔

داہر۔ مگر اس کی ضرورت کیا تھی۔

لاڈی۔ مجھے یقین ہے کہ فتح اسی کی ہو گی۔

داہر نے حقارت سے قہقہہ لگا کر کہا اس کی فتح ہو گی۔

لاڈی۔ جی ہاں

داہر۔ بیوقوف رانی اس کا تو خاتمہ بھی ہو گیا۔ ہو گا۔

لاڈی۔ کس نے یہ جرأت کی ہو گی۔

داہر۔ ان لوگوں نے جن کے نام میں نے احکام جاری کئے تھے

لاڈی۔ مگر مجھے اس کا یقین نہیں ہے۔

داہر۔ تجھے نہ ہو مجھے ہے میں تریا چرتر خوب سمجھتا ہوں اب گفتگو بند کرو اور کمرہ کے اندر چلی جاؤ۔

لاڈی۔ داہر کے قدم چومنے کیلئے بڑھی داہر پیچھے ہٹ گیا اس نے گھبرا کر کہا بس بس میرے نہ چھو۔ لاڈی کو غصہ آگیا ہے تن کر کھڑی ہو گئی اور اس نے تیز تیز نظروں سے داہر کو دیکھا داہر کی آنکھیں جھک گئیں، لاڈی نے کچھ کہنا چاہا اس کے نازک عنابی لب کھلے۔ موتیوں جیسے آبدار دانتوں کی لڑی نظر آئی مگر فوراً ہی لب بند ہو گئے اور وہ تیزی سے اس کمرہ میں داخل ہو گئی جس میں اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا بیدرد داہر نے کیواڑ بند کر کے قفل لگا دیا دلو وہاں سے واپس لوٹا سپاہی بھی اس کے پیچھے ہی نکل آئے اس نے دو تین محافظوں کو اشارہ کیا انہیں سے ایک نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا داہر نے دوسرے کمرے کی چابی بھی اسے دیدی اب وہ طاہرہ کے قریب آیا اور اس کے محافظ کو اشارہ کر کے چلا وہ طاہرہ کو ساتھ لیکر اس کے پیچھے چلے۔ چند کمروں کے سامنے سے گذر کر وہ ایک کمرہ کے قریب رکا اس کے محافظ نے جلدی سے بڑھ کر تالا کھولا داہر کمرہ کے اندر آگیا یہ کمرہ بھی بالکل ویسا ہی تھا جیسا جس میں لاڈی کو قید کیا گیا تھا اس کمرہ میں بھی ایک ہی روشن تھی اور اس کی روشنی دھیمی دھیمی پھیل رہی تھی اس کے دوسری طرف بھی ایک کمرہ تھا داہر نے اس کمرہ کو کھولا اور باہر نکل کر طاہرہ کے محافظوں کو ہاتھ سے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑھے۔ داہر کمرہ میں داخل ہو گیا جب طاہرہ اس کے پاس پہونچی تو داہر نے ایک کمرہ کی طرف دیکھا اس میں اسقدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ غور سے دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ طاہرہ نے تحیر آمیز لہجہ میں کہا۔ دیکھ لیا!!

داہر اس کے اندھیرے پن پر نظر کر۔

طاہرہ۔ ہاں قبر سے زیادہ تاریک ہے۔

داہر۔ کیا تو اس اندھیری قبر میں رہنے سے خوش ہوگی۔

طاہرہ۔ خدا کی مرضی۔

داہر۔ بیوقوف خدا کچھ نہیں ہے۔

طاہرہ نے چونک کر جوش اور غصہ کی نگاہوں سے داہر کو دیکھا۔ طاہرہ مسلمان لڑکی تھی۔ مسلمان خدا کے وجود کے قائل ہیں۔ نہ صرف قائل بلکہ سب کچھ اسی کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں۔ خدا کے خلاف وہ ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے۔ اس لیے طاہرہ کو بھی جوش آگیا۔ داہر اسکی خشم آلود نگاہیں دیکھ کر اسکی طرف دیکھتا ہوا رہ گیا۔ دراصل جوش اور غصہ نے اسکے چہرے کو سرخ کرکے مزید دلفریب بنا دیا تھا۔

داہر نے کہا غصے میں تمھاری صورت کیسی پیاری ہو گئی ہے۔ طاہرہ نے جوش بھرے میں لہجہ میں کہا۔ خدا کچھ نہیں؟ داہر نے نرمی سے کہا۔ معاف کرو طاہرہ میں نے تمھارے دل کو ٹھیس لگائی ہے۔

طاہرہ۔ تم مسلمان سے واقف نہیں ہو۔ مسلمان ہر بات کو برداشت کر لیتے ہیں مگر خدا اور خدا کے پیارے رسول حضرت محمد صلعم اور خدا کے کلام کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتے۔

داہر۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ طاہرہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کرونگا۔

اب طاہرہ کا غصہ دھیما ہوا اور وہ چپ ہو گئی۔ داہر نے پھر کہا۔ طاہرہ ضد کو چھوڑ دو۔ میری بن جاؤ۔ دیکھو میں سندھ کا راجہ ہوں۔ تمام ہندوستان میں میری دھاک ہے۔ نصف سے زیادہ ہندوستان میرے قبضہ میں ہے میری

قوت بہت بڑی ہے دولت بہت زیادہ ہے. تم کو موتیوں اور جواہرات سے لدوا دوں گا اپنی رانی بنا لونگا. تمام رانیوں کو چھوڑ دونگا اس قدر خادمائیں مقرر کر دونگا کرانکے پرے ہر وقت تمھارے پاس آکر رہا کرینگے. بولو منظور ہے طاہرہ.

طاہرہ. نہیں ایک مسلمان لڑکی عصمت فروش نہیں بن سکتی!!

داہر. تمھیں یہ منظور ہے کہ تم اندھیری کوٹھڑی میں بند رہو. ؟

طاہرہ. میں جانتی اور سمجھتی ہوں کہ خدا میرا امتحان لے رہا ہے.

داہر نے کچھ غصے کی شان سے کہا پھر وہی بیوقوفی! مگر وہ اتنا کہہ کر چپ ہی ہو گیا. اس نے کہا اچھا جب تو نہیں مانتی تو کمرے کے اندر چلی جا طاہرہ بڑھ کر اندھیرے کمرے میں گئی. داہر کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا. آخر اس نے دروازہ بند کر کے قفل لگا دیا اور باہر نکلا سپاہی بھی نکل آئے اس کمرے کے محافظ نے ان کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا. داہر نے اس کمرے کی چابی بھی محافظ کے حوالے کر دی اور کچھ سوچتا ہوا جس طرف سے آیا تھا اسی طرف روانہ ہوا اور سپاہی بھی اسکے پیچھے ہی چلے گئے.

بیسواں باب (۲۰)

سزائے غرور

کاکا کھڑا ہوا غصہ بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا. دیر تک کھڑا دیکھتا رہا کچھ دیر کے بعد لوٹ کر وہ محمد قاسم کے پاس آیا محمد قاسم اسے برافروختہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا اور اس نے کہا. آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں. کاکا نے کہا.

قلعہ والوں نے قلعہ کا دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا.

محمد قاسم۔ انھیں ایسی جرأت کیسے ہوئی۔

کاکا۔ غدار اور محسن کش بجھرا کی وجہ سے۔؟

محمد قاسم۔ اس نے کیا کیا۔

کاکا۔ میری عدم موجودگی میں وہ خود راجہ بن گیا اور میری پرجا (رعایا)
اور سینا (لشکر) کو بھڑکا کر میرے خلاف کر دیا۔

محمد قاسم۔ پرواہ نہ کرو خدا مالک ہے!

کاکا۔ غالباً آپ سوچتے ہوں گے کہ میں نے آپ کو دھوکہ دیا۔

محمد قاسم۔ میں ایسا پست خیال نہیں ہوں لیکن ایک بات بتائیے

کاکا۔ کیا

محمد قاسم۔ کیا اس قلعہ میں داخل ہونے کا کوئی خفیہ راستہ بھی ہے۔

کاکا۔ بے شک

محمد قاسم۔ قلعہ میں کس قدر لشکر موجود ہے۔

کاکا۔ بارہ ہزار تو میرا ہے اور ڈیڑھ ہزار بجھرا کا ہے۔

محمد قاسم۔ بس اتنے ہی لشکر پر بجھرا پھولا ہوا ہے۔

کاکا۔ جی ہاں مگر یہ لشکر تھوڑا نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ بجھرا کے ساتھ اس سے دو گنا لشکر تھا اور پھر بھی وہ
شکست کھا کر بھاگ نکلا۔

کاکا۔ تعجب ہے۔

محمد قاسم۔ تعجب کس بات کا۔

کاکا۔ اتنے بڑے لشکر کو آپ نے اتنے تھوڑے لشکر سے شکست دی۔

محمد قاسم۔ ہم مسلمانوں کا خدا پر بھروسہ ہے۔

کاکا۔ یہی کہا جا سکتا ہے۔

محمد قاسم۔ میرے خیال میں آج حملہ کرنا مناسب نہیں ہے آج آرام کریں

انشاءاللہ کل حملہ کریں گے۔

کاکا۔ جیسے آپ کی مرضی۔

دوران گفتگو میں کاکا کی نگاہیں محمد قاسم کے چہرے پر لگی رہتی تھیں دراصل وہ اسے حیرت سے دیکھتا تھا کیونکہ محمد قاسم نوعمر بچہ تھا مگر باتیں آزمودہ کار مسن رسیدوں کی سی کرتا تھا۔ اب محمد قاسم نے لشکر کو مقیم ہونیکا حکم دیدیا فوراً سوار گھوڑوں سے اتر گئے اور بار برداریوں میں سے ڈیرے خیمے نکال نکال کر نصب کرنے لگے تھوڑی ہی دیر میں قلعہ کے سامنے خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا مسلمان خیموں میں جا جا کر ہتھیار کھول کھول کر رکھنے اور آرام کرنے لگے چند خیمے کاکا اور اس کے ساتھیوں کو دیدیے گئے۔ محمد قاسم بھی ایک خیمہ میں گھس گیا ان لوگوں نے جب مغرب کی نماز پڑھی تو کاکا اور اسکے ہمراہیوں نے حیرت سے دیکھا یہ پہلا موقع تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا نماز پڑھتے ہی انھوں نے کھانا پکانے کا انتظام شروع کر دیا۔ کاکا اور اسکے ہمراہیوں کو بھی رسد دیدی گئی۔ عشاء کی اذان ہوتے ہی تمام مسلمان میدان میں نکل کر نماز پڑھنے لگے۔ نماز سے فراغت کر کے آئے اور دس دس پندرہ پندرہ کی ٹولیوں میں بیٹھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی کوئی قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگا۔ کوئی نفلیں پڑھنے لگا اکثر تاریخی قصے بیان کرنے لگے۔ آدھی رات تک یہی ہوتا رہا۔ آدھی رات کے بعد لوگ سونے لگے۔ اسلامی لشکر کا یہ قاعدہ تھا کہ رات کو لشکر کی حفاظت کے لیے ایک دستہ مقرر کیا جا سکتا اور وہ تمام رات لشکر کے گرد چکر لگاتا رہتا تھا چنانچہ آج جو دستہ مقرر کیا گیا وہ اسلم کا تھا اس نے اپنے پانچ سواروں میں سے

اڑھائی سو کو آرام کرنے کا حکم دیا اور بقیہ اڑھائی سو کو اپنے ہمراہ لیکر قلعہ کی حفاظت کیلیے پھیل گیا تھا۔ رات اندھیری تھی ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا چونکہ یہ لشکر فصیل سے ذرا فاصلے پر مقیم تھا اس لیے اسوقت فصیل نظر نہ آتی تھی رات کے اندھیرے میں چھپی ہوئی تھی محمد اسلم اور اسکے سپاہی لشکر سے آگے بڑھے ہوئے پہرہ دے رہے تھے جب دو تہائی رات گذر گئی تو ہر طرف خموشی کا تسلط ہو گیا جس قدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا اس سے زیادہ سکوت چھایا تھا آسمان پر تارے نکلے ہوئے چمک رہے تھے اسوقت اسلم آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا دفعتہً وہ چونکا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا تم کچھ آواز بھی سن رہے ہو اسکے ساتھیوں نے کان لگا کر سنا۔ دیر تک خموش سنتے رہے کچھ دیر کے بعد انھوں نے کہا نہیں ہم کوئی آواز نہیں سن رہے ہیں۔

اسلم۔ میں سن رہا ہوں غالباً کچھ لوگ دبے قدموں آرہے ہیں۔

وہ فوراً زمین پر لیٹ گیا اور اس نے زمین سے اپنا کان لگا کر سنا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گھبرا کر اٹھا۔ اس نے کہا۔ خدا کی قسم قلعہ کی طرف سے ہزاروں بندے آرہے ہیں دیکھو تم بھی زمین پر کان لگا کر سنو۔ کئی آدمی اسی طرح زمین پر لیٹ گئے جس طرح اسلم لیٹا تھا اور کان لگا کر سننے لگے۔ قدموں کی آواز صاف آرہی تھی وہ بھی جلدی سے اٹھے انھوں نے کہا۔ آپ درست فرما رہے ہیں ہزاروں آدمی آرہے ہیں غالباً یہ بجہرا کا لشکر ہے اور وہ شبخون مارنے کے ارادے سے آرہا ہے۔

اسلم۔ یہی میرا بھی خیال ہے وہ رات بھی اسی غرض سے آیا تھا۔

ایک سپاہی نے کہا۔ پھر کیا کیا جائے۔ اسلم نے کہا پانچ آدمی لشکر میں دوڑ جائیں اور سپہ سالار اور دوسرے افسروں کو بیدار کر کے اطلاع کر دیں یا نہ پانچ آدمی اس دستہ کے اڑھائی سو سواروں کو اٹھا لائیں۔ جو سو رہے ہیں جگو

یہ تمام کارروائی خموشی کے ساتھ کی جائے تاکہ دشمن کو خبر نہ ہو کہ ہم اسکے آنے سے خبردار ہو گئے ہیں فوراً دس آدمی دوڑ گئے چونکہ یہ لوگ لشکر سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر قلعہ کی طرف بڑھے ہوئے کھڑے تھے اس لیے وہ دسوں آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے روانہ ہو گئے ان کے جانے کے بعد اسلم نے اپنے سپاہیوں کو ذرا اور پیچھے ہٹایا اور انھیں پڑ جانے کا حکم دیا۔

چنانچہ تمام سپاہی لیٹ گئے اب آنیوالوں کے قدموں کی آوازیں صاف طور پر آنے لگیں معلوم ہوتا کہ وہ نہایت قریب آ گئے ہیں مگر رات اندھیری تھی جس کی وجہ سے قریب آجانے پر بھی وہ نظر نہ آتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ اتنے پاس آ گئے کہ ان کی صورتیں مٹی مٹی سی نظر آنے لگیں۔

چنانچہ وہ نیم برہنہ تھے تلواریں سونتے ہوئے آ رہے تھے اس لیے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ غیر مہذب اور وحشی ہندو ہی ہیں جب وہ ان سے چند ہی قدم کے فاصلے پر آ گئے تب یہ سب ایک دم اٹھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہوتے ہی انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس ہیبتناک نعرے کی آواز سے تمام میدان لرز گیا فضا گونج گئی اور زمین ہچکولے کھانے لگی۔ آنیوالا لشکر جھراہی کا تھا وہ شبخون مارنے کے ارادے سے آیا تھا اس کا خیال تھا کہ مسلمان غفلت کی نیند پڑے سو رہے ہونگے اور وہ جاتے ہی ان کا قتل عام شروع کر دیگا۔ لیکن جب اس نے مسلمانوں کو اٹھتے اور کھڑے ہو کر نعرۂ تکبیر لگاتے دیکھا تو وہ اور اس کا لشکر خوف و دہشت سے کانپ گئے اور کھڑے ہو کر حیرت بھری نظروں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے مسلمانوں نے نعرہ لگاتے ہی تلواریں کھینچ لیں اور بڑھ کر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ جھرا دس ہزار سپاہیوں کو ہمراہ لایا تھا اگرچہ اندھیرے میں اسے ایک مسلمان کے دو نظر آئے مگر پھر بھی وہ یہی سمجھا کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو مسلمان ہیں۔ چنانچہ مانو وہ لڑنے

تھا یا اسکی ہمت بندھ گئی تھی۔ اور اس نے نہایت بلند آواز سے کہا۔ دلیر ہندو یہ بہت تھوڑے مسلمان ہیں انھیں جلد جلد قتل کر ڈالو۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی تعداد دیکھ لی تھی۔ انھیں تھوڑے دیکھکر ان کے دل بھی بڑھ گئے تھے۔ انھوں نے بھی جوش و غضب میں آکر حملہ کر دیا۔ اب تلواریں جلد جلد چلنے لگیں۔ تلواروں کی کھٹ کھٹ اور مجروحین کی چیخ و پکار سے میدان گونجنے لگا۔ اگرچہ بحیرا نہ چاہتا تھا کہ آواز بلند ہو لیکن ہندوؤں کی عادت ٹھہری تھی غل مچانے کی۔ چنانچہ وہ شور کرنے اور جیکارے لگانے لگا۔ مسلمانوں کو نہ ان کے شور کی پرواہ تھی نہ جیکاروں کی۔

انھوں نے جنگ شروع کر دی اور نہایت جوش اور دلیری سے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ چونکہ وہ اڑھائی سو ہی تھے اس لیے انھوں نے ایک لمبی صف قائم کر لی۔ اور یہ کوشش کرنے لگے کہ کوئی ہندوؤں کی صف توڑ کر لشکر کی طرف نہ جانے پائے۔ ہندو اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی صف توڑ کر سوتے ہوئے لشکر پر جا پڑیں۔

چونکہ ہر دو فریق پوری جد و جہد کر رہے تھے اس لیے نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ ہاتھ پیر سر اور دھڑ بڑی سرعت سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے اندھیرے میں تلواریں بجلی کی طرح کوندتے ہوئے اٹھ اٹھ کر انسانی سمندر میں ڈوب رہی تھیں۔ سرفروش نہایت جوش و غضب میں آآ کر لڑ رہے تھے اور قتل ہو ہو کر گر رہے تھے یوں تو مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے مگر بہت کم البتہ ہندو جس قدر زیادہ تھے اسی کثرت سے مر رہے تھے۔ ہر مسلمان شیر نر کی طرح جست لگا لگا کر حملے کر رہا تھا۔ اور ہر حملہ میں ایک دھوتی بند کو مار ڈالتا تھا اور جب کسی ایک کو مار ڈالتا تھا تو جلدی سے دوسرے پر جھپٹ کر اسے ختم کر دیتا تھا اس طرح ہندوؤں میں موت کی بیماری پھیل گئی تھی اور وہ بڑی سرگرمی سے قتل ہو رہے تھے۔ اور مجروح چلا رہے تھے۔

جو مجروح گر تا تھا پھر اٹھنے کی اسے نوبت ہی نہ آتی تھی انسان اسے اپنے پیروں سے روند ڈالتے تھے۔ اسلم تلوار لیے دائیں بائیں اور سامنے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے اسکی تلوار ہر اس ہندو کو ختم کر ڈالتی تھی جو اسکے سامنے آجاتا تھا۔ اس نے بہت سے ہندوؤں کو مار ڈالا تھا۔ مگر ابھی تک اس کا جوش اور جذبۂ جہاد سرد نہ ہوا تھا بلکہ اور بڑھ رہا تھا۔ جوں جوں اس کا جوش بڑھتا تھا وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرتا تھا اور ہر حملے میں ایک دو ہندوؤں کو مار ڈالتا تھا۔ اتفاقاً وہ لڑتا ہوا ابھر کے وزیر اعظم تک پہنچ گیا۔ وزیر نے فوراً اس پر حملہ کیا وہ ایک دوسرے ہندو کی طرف متوجہ تھا لیکن اس نے وزیر کی تلوار اپنے سر کی طرف آتے دیکھی اس نے نہایت پھرتی سے ڈھال پر وزیر کی تلوار روکی اور پھر اپنی تلوار مار کر ہندو کو ٹھنڈا کر دیا جس پر کہ اس نے حملہ کر دیا تھا اسے قتل کرتے ہی اس نے پینترا بدل کر وزیر اعظم پر حملہ کر دیا وزیر نے ڈھال سامنے کر دی چونکہ وہ سہم گیا تھا اس لیے اچھی طرح ڈھال کو آڑ نہ کر سکا اور اسلم کی تلوار اسکی گردن پر پڑی جس طرح دھاگہ صابن کو کاٹ ڈالتا ہے اسی طرح تلوار نے وزیر کا سر کاٹ ڈالا اور اسکی لاش کٹے ہوئے درخت کی طرح فضا میں ہاتھ مارتی ہوئی زمین پر گری۔ اسلم نے یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ تڑپا یا بغیر تڑپے ہی مر گیا اس نے فوراً دوسرے ہندو پر حملہ کر دیا اور اسے بھی ختم کر دیا۔ جس وقت مسلمان موت کی لڑائی لڑ کر ہندوؤں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ رہے تھے اسوقت اللہ اکبر کے نعرے کی پھر آواز آئی۔

مسلمان اور ہندو دونوں سمجھ گئے کہ اسلامی لشکر بیدار ہو کر لڑنے کے لیے آگیا ہے اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ہندوؤں کی ہمت پست ہو گئی اگرچہ صبح صادق کے آثار ظاہر ہو گئے تھے مگر ابھی اتنا اجالا نہ ہوا تھا جس سے دور کی چیزیں صاف نظر آنے لگیں ہندو یہ سمجھے کہ مسلمانوں کا تمام لشکر آگیا وہ دیکھ

چکے تھے کہ ڈھائی سو مسلمانوں نے جنہیں وہ پانچ سو سمجھ رہے تھے ان کے دس ہزار لشکر کو نہ صرف روک رکھا تھا بلکہ ان کے کثیر التعداد سپاہیوں کو قتل کر ڈالا تھا اور اب تمام لشکر حملہ آور ہو گیا تھا۔ حالانکہ ابھی تمام لشکر نہ آیا تھا یہ اسلام کے بقیہ اڑھائی سو سپاہی تھے اس لیے ان کے پیر اکھڑ گئے اور وہ قلعہ کی طرف بھاگے تھے مسلمان انکے پیچھے جھپٹے اور دوڑ دوڑ کر انھیں قتل کرتے ان کے پیچھے لگے چلے گئے تھے ہندوؤں کو اس میدان کی ہر ایک چیز نظر آ کر ان پر حملہ کرتی دکھائی دیتی تھی اور کچھ واقعہ ہی ایسا ہو گیا تھا کہ جب کوئی ہندو پیچھے پھر کر دیکھتا تھا اسے اپنے قریب ہی مسلمان اپنے پیچھے دوڑتا نظر آتا تھا اور وہ چند ہی قدم چلنے پاتا تھا کہ مسلمان کی تلوار اسے گرا دیتی تھی۔ انکا بہادر راجہ بھی اسپ سے آگے بے تحاشہ بھاگا چلا جا رہا تھا اسے ہر ہندو مسلمان نظر آ کر اس پر حملہ کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا اور اسلیے وہ پوری طاقت سے دوڑ رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلد قلعہ آ جائے اور وہ اس میں داخل ہو کر بچ جائے ہندو اب بھی شور مچاتے ہوئے بھاگ رہے تھے مسلمان خاموشی سے انھیں قتل کرتے ہوئے دوڑے ہوئے چلے تھے۔ آخر دوڑتے دوڑتے ہندو قلعہ میں داخل ہونے لگے لیکن ان کے ساتھ ہی مسلمان بھی داخل ہوئے اور انھیں قلعہ کے اندر گھس کر قتل کرنے لگے اگر ہندو بدحواس نہ ہو جاتے اور آنکھ کھول کر یہ دیکھ لیتے کہ کس قدر مسلمان انکا تعاقب کر رہے ہیں تو اطمینان سے وہ واپس لوٹتے اور انکی زیادہ تعداد قتل نہ ہوتی مگر غل مچانے والی قوم بہادر کیا ہوتی وہ بہادر ہوتے تو بھاگتے ہی کیوں اور نہ بھاگتے تو ہزاروں کیوں مارے جاتے۔ چونکہ پانچسو مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے تھے اس لیے وہ ہر طرف پھیل کر انھیں قتل کرنے لگے۔

اس وقت محمد قاسم اور دستہ لے کر آ گیا اور وہ قلعہ میں گھس کر جنگ کرنے لگا چونکہ اب صبح ہو گئی تھی اور آفتاب طلوع ہونے کے قریب تھا اس لیے خوب روشنی پھیل گئی تھی اور ہر چیز اچھی طرح نظر آنے لگی تھی۔

اتفاق سے محمد قاسم کی نظر بچھر پر پڑ گئی اس نے لپک کر اس پر حملہ کر دیا بہادر
بچھر نے تلوار دیکھتے ہی آنکھیں بند کر لیں یا شاید کچھ اشلوک یا وید کے منتر پڑھنے
لگا ابھی اسکے ہونٹ ہل ہی رہے تھے کہ محمد قاسم کی تلوار اسکے سر پر پڑی اور اس
کا وہ سر جس میں فخر و غرور بھرا ہوا تھا کٹ کر دور جا گرا۔

چونکہ مسلمان تمام قلعہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کو قتل کر رہے تھے اور
سارے قلعہ میں چیخ و پکار مچ رہی تھی اس لیے سونے والے بھی بیدار ہو گئے تھے مگر
جاگتے ہی خوف کی وجہ سے کوٹھڑیوں میں جا گھسے تھے۔

جب ہندوؤں نے دیکھا کہ اب جان بچنا بہت دشوار ہے تو انھوں نے
فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور امان امان!! چلانے لگے۔ محمد قاسم اور اسلم نے جنگ
بند کر دی اور انھیں اسیر کرنے کا حکم دیا۔

مسلمانوں کو بڑا ناگوار گذرا کہ ان کمبختوں نے امان امان! چلانا شروع کر دیا
جی تو ان کا نہ چاہتا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں لیکن امان
کہنے پر تلوار نہیں چلا سکتے تھے۔ چنانچہ مجبوراً انھوں نے تلواریں میانوں میں ڈال
لیں اور انھیں گرفتار کرنا شروع کیا۔

اکیسواں باب[۲۱]

"رہائی"

داہر نے رانی لاڈی اور طاہرہ دونوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ کر کے کمروں میں قید کر دیا

---

[۲۱] تاریخ کا ہند مسعود صفحہ ۱۲۱۔

دیا تھا۔ محل کے اس گوشہ میں قیدخانہ تھا اور اس قیدخانہ میں وہ عورتیں قید کی جایا کرتی ہیں۔ جن سے داہر ناخوش ہو جایا کرتا تھا جب کوئی بدبخت اس قیدخانہ میں قید کردی جاتی تھی تو پھر وہ اپنی زندگی میں باہر نکل سکتی تھی وہ نہیں گھٹ گھٹ کر بھوک اور پیاس سے سوکھ کر مرجاتی تھی۔ مائی لاڈی کو جب تیرہ و تار کمرہ میں قید کیا تو وہ اندھیرے اور تنہائی کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ ٹٹولتے ہوئے بڑھی اس خیال سے کہ شاید اسکے شوہر نے اور کچھ نہیں تو کم از کم فرش تو کرا دیا ہوگا۔ مگر اس نے تمام کمرہ چھان مارا لیکن نہ فرش ملا نہ کوئی اور چیز مجبور ہو کر بیچاری بیٹھ گئی۔ وہ راجپوتنی تھی داہر کی اس نازیبا حرکت سے اسکے دل کو سخت ٹھیس لگی۔ وہ پیچ و تاب کھانے لگی دیر تک غم و غصہ سے بیٹھی دانتوں سے ہونٹ چباتی رہی۔ آخر جب زیادہ دیر گذر گئی تب وہ پڑ گئی اور غم و غصہ سے پریشان خیالات میں غوطے کھاتے کھاتے سو گئی۔

جب بھی سونے پر ویسا ہی اندھیرا دیکھا جیسا کہ سوتے وقت تھا۔ حالانکہ اسوقت سورج نکل آیا تھا مگر قیدخانہ کے کمرے کچھ ایسے بنائے گئے تھے کہ رات ہوتا دن روشنی کا ان میں گذر نہ ہوتا تھا۔ ہر وقت اندھیرا پھیلا رہتا تھا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر غم و غصہ سے بل کھانے لگی۔ کچھ دیر کے بعد کسی نے تالا کھولا اور وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس خیال سے کہ داہر آگیا۔ مگر جب دروازہ کھلا تو داہر نہیں بلکہ ایک سیاہ رنگ کا وحشی حبشی نکلنے لگا۔ لاڈی سمجھ گئی کہ وہ قیدخانہ کے محافظوں میں سے ایک ہے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اسکی طرف چلی لیکن جب اسکے پاس پہونچی تو محافظ نے تلوار اسکی طرف اسے ڈرانے کے لیے بڑھائی اور کچھ کہا۔ لاڈی اسکی زبان نہ سمجھ سکی وہ ہندوستان کے کسی ایسے حصہ کا رہنے والا تھا جس کی زبان لاڈی نہ جانتی تھی۔ اسوقت بھی ہندوستان میں سیکڑوں زبانیں بولی جاتی تھیں تمام زبانیں کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ دوسری بات ہے کہ اردو عالمگیر زبان ہو گئی ہے

اور ہر صوبہ میں بدلی جاتی ہے لادی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئی
حبشی محافظ آگے بڑھ کر آیا اور کچھ کھانے کا سامان رکھ کر چلا گیا۔ آج پہلا موقعہ تھا
کہ لادی کو اس بے قدری کے ساتھ کھانا ملا اسے پھر غصہ آیا۔ لیکن وہ سمجھ گئی کہ غصہ
کرنا لاحاصل ہے۔ اگرچہ اسے بھوک تو معلوم ہو رہی تھی لیکن کھانا کھانے کو
جی نہ چاہتا تھا۔ وہ بیٹھی سوچتی رہی دیر کے بعد اس نے طے کیا کہ انسان اناج
کا کیڑا ہے بغیر کھائے کیسے رہ سکتا ہے اس نے جبراً کچھ کھانا کھایا اور خاموش
ہو کر بیٹھی رہ گئی قیدیوں کی رات دن کٹنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً تنہا
رہنے والوں کے چنانچہ لادی کا بھی ایک لمحہ دوبھر ہو رہا تھا۔ مگر کیا کرتی مجبور
تھی بیٹھی رہتی کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی اور کبھی لیٹ جاتی۔ وقت کا کچھ اسے پتہ ہی نہ
تھا۔ قیدیوں کو رات دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسے
بھی صرف ایک ہی وقت دیا گیا۔ دوسرے وقت اسے بھوک بھی نہ لگی جب وہ بیٹھے
بیٹھے تھک گئی تو لیٹ گئی لیٹے لیٹے جب زیادہ دیر گزر گئی تو اسے نیند آنے لگی۔
ابھی آنکھ جھپکی نہ تھی کہ کچھ کھٹکا ہوا وہ سہم گئی اور سمٹ کر پڑ گئی۔ چونکہ وہ پڑی ہوئی
تھی اسلئے اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کہ کوئی کمرہ میں دبے قدموں آ رہا ہے وہ ہندو
تھی اور ہندو بھوت پریت کے قائل تھے اس لیے وہ سمجھی کہ شاید کوئی بھوت آ گیا ہے
اور وہ پھر رہا ہے اس خیال نے اسے اور بھی سہما دیا اس نے دہشت سے آنکھیں
بند کر لیں دیر تک آنکھیں بند کئے پڑی رہی اور ان قدموں کی چاپ سن رہی تھی
ہر قدم اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔ فرط خوف سے اسکی جان نکلی جا رہی تھی۔ ڈرپوک آدمی
اکثر ڈر سے آنکھیں بند کر لیا کرتے ہیں نہ معلوم اس سے کیا فائدہ سمجھتے ہیں اگر آنکھیں
کھلی ہوئی ہوں تو کسی خطرہ کا مقابلہ با آسانی کیا جا سکتا ہے اور جب آنکھیں
ہی بند کر لی جائیں تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔ لادی آنکھیں بند کئے خاموش پڑی

تھی کہ کسی نے آہستہ سے پکارا۔ لادی کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بادل گرجا ہو
وہ اچھل پڑی اتفاق سے اسکی آنکھیں کھل گئیں اس نے مدھم روشنی سی دیکھی
وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر کسی نے آہستہ لہجہ میں کہا۔ لادی تم جاگ رہی ہو۔ اب
لادی کی نظر سامنے پڑی۔ سامنے طاہرہ ایک ہاتھ میں موم بتی لیے کھڑی تھی۔ لادی
کو سخت حیرت ہوئی وہ جلدی سے اٹھکر بیٹھ گئی اس نے کہا طاہرہ تم ہو۔ طاہرہ
نے ہاتھ اپنے منہ میں رکھتے ہوئے کہا آہستہ سے بولو۔ وہ بڑھ کر لادی کے پاس
پہونچ کر ٹھہر گئی۔ لادی نے آہستہ سے کہا داہر نے کیا تم کو رہا کر دیا۔

طاہرہ۔ نہیں!!

لادی۔ پھر تم یہاں کیسے آئی۔؟

طاہرہ نے اسکے پاس بیٹھتے ہوئے کہا بتاؤں گی۔

لادی ہاں بتاؤ مجھے معلوم ہے کہ اس قید خانہ سے کبھی کوئی زندہ باہر
نہیں نکلا ہے۔

طاہرہ۔ خدا میں سب کچھ قدرت ہے جب وہ مہربان ہوتا ہے تو
دشمن بھی مہربان ہو جاتا ہے۔

لادی۔ تم پر کون مہربان ہو گا۔

طاہرہ۔ خدا کا ایک نیک بندہ۔

لادی۔ اور وہ کون ہے۔

طاہرہ۔ ایک پنڈت یا جوتشی۔

لادی۔ کہاں ہے۔

طاہرہ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ سامنے کیا کھڑے ہیں لادی نے بجز
طاہرہ کے کسی اور کو نہ دیکھا تھا۔ اب طاہرہ کے اشارہ کرنے پر جب اسکی نظر

ابھی تو اس نے سامنے ایک بڈھے برہمن کو کھڑے ہوئے دیکھا جونہی لادی کی نظر برہمن پر پڑی تو وہ جھک گئی لادی نے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا کون ؟ سیاگر ؟ یہ سیاگر ہی تھا۔ بدھن من وزیر اعظم کے زمانے میں یہ نائب وزیر تھا اور اب وزیر اعظم ہو گیا تھا کیونکہ بدھن من مر گیا تھا۔

سیاگر نے کہا جی ہاں آپ کا خادم سیاگر ہی ہے۔

لادی تمہارے دل میں کیسے دیا (مہربانی) آگئی ؟

سیاگر۔ مجھے حضور کے قید کیے جانے کا حال معلوم نہ تھا صرف اس عرب دوشیزہ کے قید ہو جانے کا حال معلوم تھا چونکہ میں نجومی اور جوتشی ہوں میں نے علم نجوم سے معلوم کر لیا کہ محمد قاسم سندھ کو فتح کریگا اس لیے میں نے سوچا کہ اس لڑکی کو رہائی دلا کر مسلمانوں پر احسان کر دوں تاکہ کسی وقت اس احسان کے صلہ میں مسلمانوں کی عنایات حاصل کر سکوں چنانچہ میں نے اسے رہا کر دیا۔ مگر اس نے بتا دیا کہ آپ بھی قید ہیں۔ مجھے بڑا افسوس ہوا اور میں اسکے ساتھ آپ کو رہا کرانے چلا آیا۔

لادی۔ بڑی مہربانی کی آپ نے ؟۔

سیاگر۔ مگر زیادہ مہربانی تو طاہرہ نے کی ہے۔

لادی۔ تو کیا آپ طاہرہ کو الور سے باہر نکال سکیں گے۔

سیاگر۔ ہاں میں نے دن میں ہی انتظام کر لیا ہے۔

لادی۔ اور میرے لیے۔

سیاگر۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

لادی۔ کیا میں طاہرہ کے ساتھ چلی جاؤں ؟

سیاگر۔ کوئی ہرج نہیں ہے۔

لادی۔ لیکن کیا۔

سیاگر۔ یہ آپکے لیے غیر مناسب ہے آپ راجپوتنی ہیں ایک مہاراجہ کی رانی ہیں اسی طرح آپ کے چلے جانے سے قوم کی بدنامی ہے۔

لادی۔ پھر کیا کروں؟

سیاگر۔ تم راجہ سے اپنا قصور معاف کرالو!

لادی۔ ٹھیک ہے۔ میں نے قید کرتے وقت راجہ سے کہا تھا کہ اگر میں بے قصور ہوں تو دیوی دیوتا میری امداد کریں گے اور مجھے رہا کرادیں گے۔

سیاگر۔ اگر یہ دیوتاؤں ہی کی مہربانی ہے تو تم اسوقت رہا ہو رہی ہو۔

لادی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا تو چلو طاہرہ بھی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

سیاگر نے کہا۔ مگر مہاراجہ سے میرا یا اس عرب دوشیزہ کا کچھ ذکر نہ کرنا۔

لادی۔ اطمینان رکھو۔ میں کچھ نہ کہوں گی۔ لیکن محافظ؟

سیاگر۔ محافظوں کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے وہ اپنی جگہ پہرہ پر موجود ہیں۔

لادی۔ پھر آپ قید خانے میں کیسے داخل ہوئے۔

سیاگر۔ یہ تمام کمرہ ایک خفیہ راستہ سے ایک کر دیئے گئے ہیں اور وہ راستہ راجہ کی خوابگاہ میں ختم ہوتا ہے۔

لادی۔ گویا آپ راجہ کی خوابگاہ میں داخل ہو کر آئے ہیں۔

سیاگر۔ ہاں۔

لادی۔ کیا راجہ ابھی خوابگاہ میں داخل نہیں ہوئے۔

سیاگر۔ نہیں ابھی وہ ناچ دیکھ رہے ہیں اور گانا سن رہے ہیں۔

لادی۔ تو جلدی چلئے کہیں وہ خوابگاہ میں نہ آجائیں۔

سیاگر۔ ہاں جلدی چلئے۔

یہ تینوں چلے سیاگر نے بڑھکر دیوار میں کوئی چیز دبائی تو دروازہ نمودار ہوا اور یہ تینوں اسکے اندر داخل ہو گئے۔ دوسری طرف ایک تنگ برآمدہ تھا یہ اسے طے کر کے ایک زینہ پر چڑھے یہاں دیوار نے انکا راستہ روک دیا۔ سیاگر نے یہاں بھی کوئی چیز آہستہ سے دبائی دروازہ ظاہر ہوا اور اس نے جھانک کر دیکھا اس طرف ایک وسیع کمرہ تھا۔ جس میں سیکڑوں موم بتیاں جل رہی تھیں اور ان سے تمام کمرہ روشن تھا۔ یہ کمرہ داہر کی خوابگاہ تھی ابھی تک خالی پڑا تھا یہ تینوں آہستہ سے کمرہ میں داخل ہوئے۔ سیاگر نے دروازہ بند کر لیا۔ اور اس کمرہ سے نکل کر ایک اور کمرہ میں پہونچ گیا۔ لاڈی اور طاہرہ دونوں اسکے ہمراہ تھیں یہاں پہونچ کر اس نے کہا۔ مہارانی مناسب ہے کہ اب تم راجہ کے پاس جاؤ اور اسے حیران کر دو اسوقت وہ گانا سن رہے ہیں۔ گانے کی مدھم آواز آرہی تھی کوئی عورت کہیں دور بیٹھ گا رہی تھی لاڈی نے کہا بہت اچھا اور طاہرہ! سیاگر۔ میں اسے قلعہ کے باہر لے جاکر اپنے آدمیوں کے ساتھ نیرون بھیجدوں گا۔ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ محمد قاسم وہیں ہیں۔

لاڈی۔ بہت بہتر ہے طاہرہ آؤ مل تو لو۔

طاہرہ بڑھی لاڈی نے اسے سینے سے لگا لیا اس نے کہا طاہرہ بھول نہ جانا۔ طاہرہ نے کہا کبھی نہ بھولوں گی رانی۔ سیاگر نے کہا۔ وقت نازک ہے۔ زیادہ دیر نہ لگاؤ۔ لاڈی الگ ہو گئی۔ طاہرہ کو لیکر سیاگر کمرہ سے باہر چلا گیا لاڈی اسے دیکھتی رہی جب وہ دور نکل گئی تب اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور وہاں سے چلی۔

بائیسواں باب ۲۲

"داہر کا استعجاب"

راجہ داہر کے شب و روز بدکاریوں اور سیاکاریوں میں گزرتے تھے وہ ہند کی حسین لڑکیوں کو ہر ممکن کوشش کر کے حاصل کرتا تھا اگر جب اس نے کسی لڑکی کو کسی سے طلب کیا اور اس نے انکار کر دیا تو وہ اس انکار کرنے والے کو قتل کرا دیا کرتا تھا چنانچہ بہت سے لوگ کئی آدمی اس نے ذبح کرا دیئے تھے یہ لوگ نشانہ ستم بنائے گئے تھے ان کے رشتہ دار داہر سے سخت ناراض ہو گئے تھے لیکن داہر کی طاغوتی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کا مقابلہ کسی طرح سے بھی نہ کر سکتے تھے اس لیے وہ ڈرتے تھے اور ڈر کی وجہ سے مظالم برداشت کر رہے تھے جب سے داہر نے لاڈی کو قید کیا تھا اسوقت سے اسکے دل میں غم و فکر پیدا ہو گئے تھے اور غم و فکر دور کرنے کے لیے وہ رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا تھا آج بھی رات کے وقت ایک وسیع کمرہ میں بیٹھا تھا کمرے میں ریشم کے کپڑے کا فرش ہو رہا تھا اور ایک طرف نہایت خوبصورت مسند بچھی ہوئی تھی۔ جس پر کشیدہ کڑھا ہوا تھا۔ داہر مسند پر تکیہ کے سہارے سے بیٹھا ہوا تھا اسکے سامنے دس پری جمال لڑکیاں کھڑی تھیں وہ صرف انگیا پہنے اور اس پر ساڑی باندھے تھیں لیکن ساڑھی کے پلے اسطرح پہلو کے نیچے سے بل کھا کر سامنے کی طرف سے سینے پر ہوتے ہوئے کندھوں پر آکر ختم ہو گئے تھے۔ کہ ان کے سارے بدن کی اچھی طرح پردہ پوشی نہ ہو سکی تھی۔ بائیں طرف پیٹ اور کمر کے حصے سب نظر آ رہے تھے یہ تمام لڑکیاں حسین تھیں اچھی پوشاک پہنے اور آبدار موتیوں کے زیورات پہنے تھیں اسلیے اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھیں

کمرہ میں کافی روشنی ہو رہی تھی اور اس روشنی میں ہر ایک چیز جگمگا رہی تھی۔ لڑکیاں نہایت چنچل تھیں۔ بیٹھے بیٹھے بھی انکی بوٹی بوٹی تھرک رہی تھی داہر نہ صرف انھیں دیکھ رہا تھا بلکہ ان سے چھیڑ خانی بھی کر رہا تھا وہ بھی خوب کھل کھل کر ہنس رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد داہر نے ناچ دیکھنے اور گانا سننے کی فرمائش کی۔ فوراً لڑکیوں نے ساز اٹھا لیے اور ان میں سے ایک نے گھنگھرو باندھ لیے ساز بجنا شروع ہوا گھنگھرو باندھنے والی لڑکی ناچنے لگی۔ ناچنے والی نہایت ہوشیار تھی خوب ناچی اور خوب داہر سے داد لی۔ اس نے دوران رقص میں گانا بھی شروع کر دیا جیسا ناچ دلیا ہی گایا بھی۔ نہایت اچھا گلا تھا۔ شیریں آواز تھی داہر جھوم رہا تھا وہ محو اور بیخود سا ہو رہا تھا۔ ابتک کئی مالائیں اسے انعام میں دے چکا تھا جبکہ یہ بزم رقص و سرود گرم تھی اور راجہ داہر اندر بنا بیٹھا تھا اور گانا سن رہا تھا اسوقت ایک حسین لڑکی بغیر اطلاع کے کمرے میں گھس آئی داہر اور تمام لڑکیوں نے اسے دیکھا۔ دیکھتے ہی ساز بند کر دیے گئے۔ ناچنا موقوف ہو گیا اور سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ خصوصاً راجہ داہر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ نہایت غور اور بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دیر تک دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد حیرت انگیز لہجے میں بولا۔ کون رانی لادی۔؟

یہ پری پیکر لڑکی رانی لادی تھی وہ چپ تھی اور راجہ کو بغور دیکھ رہی تھی قدرت نے اسے حسین بنا دیا تھا۔ نہایت بھولا چہرہ اور معصوم نگاہیں عطا کی تھیں اسلئے نرم اور شیریں لہجہ میں کہا۔ جی ہاں آپ کی داسی لادی ہے۔

داہر۔ تعجب سے۔ کس نے تم کو رہا کیا؟

لادی۔ ان دیوتاؤں نے جو مجھ پر مہربان ہیں۔

داہر حیرت و استعجاب کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا اس نے تحیر خیز انداز میں کہا

دیوتاؤں نے؟۔

لاوی۔ جی ہاں۔

داہر نے خشونت بھرے لہجہ میں کہا غلط ہے فریب کار حسینہ تم نے محافظوں کو دھوکہ دیا ہے!

لاوی۔ بھیلے راجہ اگر میں محافظوں کو دھوکہ دیتی اور محمد قاسم کے پاس جانا چاہتی تو آپ کے پاس کیوں آتی!

لڑکیاں محمد قاسم کا نام سنکر حیران ہوئیں داہر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا سوچتا رہا۔ دیکھ دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔ دیوتاؤں نے تجھے کیسے رہائی دی۔؟

لاوی اتنک اسے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی دیکھ رہی تھی اس نے کہا میں سو رہی تھی کچھ کھٹکا ہوا۔ میں سمجھی کہ آپ کو مجھ پر رحم آگیا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو تمام کمرہ روشنی سے بھرا ہوا تھا مگر جب میں کھڑی ہوئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ حیران ہوئی کہ روشنی کیسی اور کہاں سے آرہی ہے ابھی میری حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ پھر کھٹکا ہوا۔ یہ کھٹکا چھت کی طرف سے ہوا تھا میں اوپر دیکھنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھت پھٹ گئی۔ سب فرط حیرت سے بت بنے کھڑے لاوی کی گفتگو سن رہے تھے۔ داہر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ چھت پھٹ گئی۔

لاوی۔ جی ہاں اور اس میں سے ایک نورانی شخص اترتا ہوا نیچے آیا اور میں اسکی تعظیم کے لیے جھک گئی۔

داہر۔ کس قدر تعجب کی بات سنا رہی ہو تم۔

لاوی۔ ابھی اور سنیئے مہاراج۔

داہر اسکی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہنا شروع کیا وہ میرے پاس آکھڑے ہوئے اور نہایت ہی خوشگوار لہجہ میں کہنے لگے۔ پتری تو بالکل بے چین کیوں ہے

بیساختہ میری زبان سے نکلا ناتھوں کے ناتھ آپ پر سب کچھ پرگھٹ (روشن) ہے انھوں نے کہا ابلاؤں (مصیبتوں) پر آپتیاں (مصیبتیں) آتی رہتی ہیں، میں نے کہا اسکے لیے مجھے کچھ شکوہ نہیں ہے وہ بولے اچھا تو چل میں نے خوش ہوکر دریافت کیا کیا آپ کے ہمراہ آکاش (آسمان) پر چلوں؟۔

وہ۔ نہیں اپنے سوامی کے پاس۔

میں نے آزردہ ہوکر کہا۔ مگر میرے سوامی تو مجھ سے خفا ہیں انھوں نے کہا اب وہ تجھ سے خوش ہوجائیں گے۔ میں نے کہا چلیے انھوں نے میری ساڑی کا آنچل پکڑ لیا۔ ناتھ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ان کے ساتھ اڑنے لگی۔ ہم دونوں اڑتے ہوئے چھت سے باہر نکل گئے۔ چھت پھر برابر ہوگئی انھوں نے مجھے اس کمرے کے باہر اتار دیا اور خود اڑتے چلے گئے۔ ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ لاڈی نے جو افسانہ بیان کیا وہ ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا مگر اس نے کچھ ایسے انداز سے بیان کیا کہ سب کو یقین آگیا البتہ داہر چونکہ اس سے مشکوک تھا لہٰذا اسے شبہہ ہی رہا۔ اس نے کہا۔ وہ کوئی دیوتا تھے۔

لاڈی۔ اور کون ہوسکتے سوامی؟

داہر۔ اچھا ٹھہر پہلے میں تصدیق کرتا ہوں۔

لاڈی۔ کس سے تصدیق کریں گے آپ!

داہر۔ محافظوں سے۔

لاڈی۔ محافظوں سے کچھ بھی نہ معلوم ہوسکے گا۔

داہر۔ مگر تو میرے ہمراہ چل۔

لاڈی۔ چلیے۔

دونوں وہاں سے چل کر محافظوں کے پاس پہنچے۔ داہر نے اس محافظ

سے جسکی حفاظت میں لادی کا کمرہ تھا کہا۔ تم کب سے پہرہ دے رہے ہو؟ محافظ نے جواب دیا شروع رات سے۔

داہر۔ رانی کہاں ہے۔

لادی نے ساڑی کے آنچل سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

محافظ قید خانہ میں۔

داہر۔ تم نے کسی کو چابی تو نہیں دی؟۔

محافظ۔ جی نہیں۔

داہر۔ اچھا چابی لاؤ۔

محافظ نے فوراً چابیاں داہر کے ہاتھ میں دیدیں داہر نے لیکر اس سے کہا کمرہ کھولو۔ اس نے پہلا کمرہ کھولا دونوں اندر گئے۔ پھر دوسرا کمرہ کھول کر داہر نے کہا روشنی لیجاؤ اور رانی کو بلا لاؤ۔ محافظ فوراً موم بتی اٹھا کر دوسرے کمرہ میں گیا وہ خالی تھا وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ اچھی طرح دیکھ بھال کر گھبرایا ہوا باہر نکلا۔ داہر نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا کہ وہ سخت پریشان اور بدحواس تھا وہ آتے ہی داہر کے قدموں پر گر کر کہنے لگا۔ حضور رانی صاحبہ کمرے کے اندر نہیں ہیں داہر نے ڈپٹ کر دریافت کیا بتاؤ وہ کہاں گئی۔ محافظ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ مہاراج اسے تو دیوتا ہی جان سکتے ہیں۔ داہر اسکی حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ اسے کچھ بھی معلوم نہیں ہے اب اسے یقین آگیا کہ کسی دیوتا ہی نے دہائی دلائی ہے۔ وہ جلدی سے کمرہ سے باہر آیا اور رانی کے پیروں کی طرف جھکتے ہوئے بولا پریہ (پیاری) مجھے معاف کر دو میں نے بڑی بھول کی تم پر دوش لگایا تم نردوش ہو (معصوم)

پریہ۔ رانی نے داہر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ سوامی میں آپکی داسی ہوں۔ میرے چرنوں پر (قدموں) میں جھک کر مجھے گنہگار نہ بنایئے۔ داہر نے اٹھکر کھڑے ہوتے ہوئے

کہا۔ اچھا تم نے میرا قصور معاف کر دیا۔ میری خوشی سے کہہ کر معاف کر دیا۔

لاڈی۔ کر دیا سوامی!

داہر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ آؤ میری رانی! لاڈی نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا اور دونوں داہر کی خوابگاہ کی طرف چلے۔

تیئیسواں باب ۲۳

اسلام کی صداقت

جب پھر اس کا وزیر اعظم اور بہت سے ٹھاکر (افسر) مارے گئے اور سیم میں لڑنے والوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو مسلمانوں نے ان کو اسیر کرنا شروع کر دیا دوپہر تک گرفتاریاں جاری رہیں اور پھر اس ہندو کو گرفتار کر لیا گیا جو مسلح تھے بہت سے ہندوؤں نے ہتھیار بھی اتار کر پھینک دیئے تھے لیکن انھیں انکے بھائیوں ہی نے بتا بتا کر گرفتار کرا دیا۔ جب تمام لوگ گرفتار کر لیے گئے تب مسلمانوں نے ان سے مردہ ہندوؤں کو اٹھوا کر جلوایا اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے جمع کرا کر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کرا دیا اس جنگ میں تین ہزار ہندو اور ہشتر مسلمان مارے گئے اس کام سے فراغت کر کے اس نے سپاہیوں کو کھانا پکانے کا حکم دیا۔ سب پھیل کر کھانا پکانے لگے جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ظہر کی اذان کا وقت ہو گیا چند ایک آدمیوں نے مل کر اذان دی سب نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے ہزاروں ہندو مرد اور عورتیں پاس آ آ کر حیرت سے دیکھنے لگے انھوں نے اس روز سے پہلے کبھی مسلمانوں کو نہ دیکھا تھا نہ کسی کو نماز پڑھتے دیکھا تھا انکے خیال میں خدا کی عبادت کا یہ طریقہ عجیب تھا۔ وہ تمام بت پرست تھے

اور بتوں کو پوجتے تھے جس وقت مسلمان نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے سامنے
کچھ بھی نہ تھا یعنی نہ بت تھے نہ پتھر اور نہ کوئی اور چیز یہ دیکھ کر اکثر ہندو عورتیں ان
کی طرف اشارہ بازیاں کر رہی تھیں کہ یہ کیسی نماز پڑھ رہے ہیں جبکہ ان کے
سامنے بت نہیں۔ جب مسلمان نماز سے فارغ ہوئے تب محمد قاسم نے اسی جگہ جس
جگہ نماز پڑھی تھی دربار منعقد کیا۔ تمام ہندوؤں کو بلایا۔ جب سب آ گئے تب
محمد قاسم کھڑا ہوا اور اس نے کاکا سے کہا کہ کسی مترجم کو بلا لو۔ جو کہ میری تقریر کا
ترجمہ اپنی زبان میں کر کے ان لوگوں کو سنائے۔ فوراً ایک مترجم بلایا گیا اب محمد قاسم
نے کہا ہندو دوستو! میں سب سے پہلے اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے زمین و
آسمان۔ دنیا اور دنیا کی تمام اشیاء پیدا کیں وہ اس وقت سے ہے جب کچھ نہ تھا اور اس
وقت بھی رہیگا جب یہ دنیا مٹ جائیگی آسمان روئی کی گالوں کی طرح اڑ کر غائب
ہو جائے گا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ وہ تنہا ہے اسکی خدائی میں کوئی شریک نہیں
ہے ہر کام کا حکم وہ خود دیتا ہے بغیر اسکے حکم کے ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا یہ
بت جن کو تم دیکھتے ہو نہ خدا ہیں نہ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں خدا سمجھ کر پوجتے
ہو اس خدا کو نہیں پوجتے جس نے تم کو بنایا اور تمہارے لیے دنیا کی ہر ایک چیز
بنائی یہ عقیدہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ انسان مرنے کے بعد گھوڑا۔ گدھا۔ کتا۔ بلی کیڑے
مکوڑے وغیرہ بن جاتا ہے۔ اور یہ کیڑے کتا بلی آدمی بن جاتے ہیں۔ اگر
یہ بات ہوتی تو تمہارے اعتقاد کے مطابق یہ دنیا ہمیشہ قائم اور باقی رہتی اور
انسان جون بدل کر گدھا اور گدھے سے انسان بنتا رہتا۔ قیامت کبھی نہ آتی نہ
قیامت کے آنے کی ضرورت تھی۔ اس لیے جب جون بدلنے سے اعمال کی سزا مل گئی
تو قیامت کی ضرورت ہی کیا رہی لیکن تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ جگ پرلو (قیامت)
بھی ہوگی۔ نرک (دوزخ) اور سورگ (بہشت) بھی ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ جب

انسان نے اپنے اعمال کی سزا جون بدل کر پالی پھر دوزخ اور بہشت کس کام کی۔
قیامت کیوں ہوگی؟ میرے بھولے دوستو یہ چکر تمھارے بزرگوں نے اپنی ناسمجھی سے
خود ہی قائم کردیا۔ انھوں نے یہی سمجھا کہ انسان مرکر جانور اور جانور مرکر انسان بن
جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اگر وہ ذرا بھی غور کرتے تو انکی سمجھ میں آجاتا کہ
برسات میں اس قدر کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں کہ ان کا
شمار ہی نہیں ہوتا کسی ایک ملک کے اگر تمام کیڑوں کو جمع کیا جائے تو وہ ساری دنیا
کے انسانوں سے بھی کروڑوں زیادہ ہو جاتے ہیں اگر وہ انسانوں کی جون چھوڑ کر کیڑوں
کی جون میں آجاتے تو انسانوں سے زیادہ نہ آتے اسکے علاوہ اگر جون ہی بدلنا ہوتا
تو مرنے کے بعد خود ہی جون بدل جاتی۔ برسات کا انتظار کیوں کیا جاتا یہ کچھ نہیں
محض ایک ڈھکوسلہ ہے عقلمند آدمی جون کے چکر میں نہیں پھنس سکتا، پھر اس جون
کے قائل صرف ہندو زیادہ لوگ ہیں جو ہندوستان سے شمال مشرق کی طرف چلے گئے
ہیں دنیا میں اور بھی بہت سے اقوام آباد ہیں لیکن کوئی بھی جون بدلنے کی قائل نہیں
بلکہ جو اس عقیدے کو سنتا ہے مضحکہ اڑاتا ہے۔ دوستو خدا نے سب کارخانہ قائم کیا ہے
وہی لائق پرستش ہے اس نے قیامت کا دن مقرر کرکے اپنے بندوں کو بتا دیا ہے
کہ اگر تم بھٹک گئے تم نے میرے سوا کسی اور کو پوجا یا کوئی اور گناہ کیا تو قیامت کے
دن تمھارے اعمال کا حساب لوں گا اور جس نے اچھے عمل کیے اسے جنت میں داخل
کرونگا۔ اور گنہگاروں کو دوزخ میں ڈھکیل دونگا۔ مسلمان خدا ہی کو پوجتے ہیں میں
اسلئے کہتا ہوں کہ تم سب خدا ہی کو پوجو۔ خدا کو پوجنے والے مسلمان کہلاتے ہیں تم بھی
مسلمان ہوجاؤ جو لوگ مسلمان ہوجائینگے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے
اور وہ خواہ کہیں بھی ہوں سارے مسلمان انھیں بھائی سمجھ کر انکی مدد کریں گے۔
اس لمبی چوڑی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سیکڑوں روشن خیال ہندو مسلمان ہوگئے

انھیں فوراً رہا کر دیا گیا۔ اب محمد قاسم نے کاکا کو چاندی کی کرسی پر بٹھا کر اس کے سر پر تاج رکھا جو ججہرا پہن کر مر گیا تھا۔ محمد قاسم نے کہا۔ کاکا ہمارا دوست ہو گیا ہے ہم پر اسکی مدد فرض ہو گئی ہے۔ ہم نے ججہرا کو مار کر کاکا کا راج اس سے چھین کر کاکا کے حوالے کر دیا ہے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ کاکا کی اطاعت کرے جو فرد اطاعت سے گریز کریگا اسکے سر پر مسلمانوں کی تلواریں پھر بلند ہو جائیں گی۔ اس تاجپوشی کی رسم کے بعد محمد قاسم معہ تمام مسلمانوں کے قلعہ کے باہر نکل آیا اور قلعہ کے سامنے والے میدان میں مقیم ہو گیا۔ کاکا کو اور کاکا کو ہی کیا تمام ہندوؤں کو خیال تھا کہ مسلمان سلیم پر خود قابض ہو کر وہاں خود حکومت قائم کر لیں گے لیکن جب محمد قاسم نے کاکا کو راج حوالے کر دیا تو تمام ہندوؤں کو تعجب بھی ہوا اور وہ مسلمانوں کے شکر گزار بھی ہوئے۔ بعض متعصب غیر مسلم مسلمانوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ تلوار کے زور سے کی اور ملک پر ملک چھین کر ان پر حکومت کی لیکن وہ ایک مثال بھی ایسی نہیں بتا سکتے کہ مسلمانوں نے فلاں ملک پر بلا وجہ حملہ کیا۔ یا کسی کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا ہے۔ ہندوستان ہی کو لے لیجیئے اس ملک پر سب سے پہلا حملہ حضرت عثمان غنی خلیفہ سوم کے زمانہ میں کیا گیا۔ یہ حملہ اس وجہ سے ہوا کہ جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کر لیا تو بہت سے ایرانی ہندوستان بھاگ آئے تھے اور یہاں کے سادہ لوح ہندوؤں کو برافروختہ کر کے مسلمانوں سے نبرد آزما کرانے کی تجویزیں کرنے لگے۔ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا حضرت عثمان رضی نے ہندوستان کے راجاؤں کو لکھا کہ وہ ایرانیوں کو اپنے ملک سے نکال دیں۔ مغرور راجاؤں نے اس کا جواب نہایت نامناسب الفاظ میں دیا۔ چنانچہ مجبور ہو کر انکا غرور دور کرنے کے لیے سب سے پہلے مسلمانوں نے ۳۵ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا چونکہ غرض صرف اتنی تھی کہ ہندو ایرانیوں کو ہندوستان سے نکال دیں اور مسلمانوں

کے حملہ کرتے ہی ہندوؤں کی شکست سے آنکھیں کھل گئیں اور انھوں نے ایرانیوں کو نکال دیا اس لیے مسلمان واپس لوٹ گئے۔ دوسرا حملہ ۹۳ھ میں ہوا جسکے متعلق ہم یہ ناول لکھ رہے ہیں اسکی بنائے فساد ناظرین نے بخوبی سمجھ لی ہوگی۔ اس طرح ہرقل اعظم جو عیسائیوں کا بادشاہ تھا اور ملک شام میں حکومت کرتا تھا۔ اس لیے حملہ کیا گیا کہ اس نے اس قاصد کو جو آنحضرت صلعم نے اسکے پاس بھیجا تھا۔ قتل کرا دیا۔ قاصد کے قتل کا انتقام لینے کیلئے حملہ کیا گیا اور اسکے بعد جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ غرضیکہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہی نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے کسی ملک پر بلا وجہ حملہ کیا۔ چونکہ دعویٰ بے دلیل غلط ہوتا ہے اسلیے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ انکے دعویٰ کو غلط سمجھا جائے۔ غرضیکہ اس دن محمد قاسم نے قیام کیا اور دوسرے دن اس کا ارادہ بھٹ نور کی طرف پیشقدمی کرنیکا ہوا۔ بھٹ نور ایک چھوٹی سی ریاست سلیم سے آگے بڑھ کر ساحور اور قندھابیل کے درمیان تھی لیکن ابھی اسلامی لشکر نے کوچ نہ کیا تھا کہ راجہ بھٹ نور کا قاصد صلح کرنے کی غرض سے آیا اس کو راجہ نے ایک ہزار درہم چاندی خراج دینے اور ہمیشہ سے اسلامی حکومت کا وفادار رہنے کے اقرار پر صلح کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ محمد قاسم نے منظور کر لیا اور صلحنامہ لکھکر اسکے حوالے کر دیا وہ چلا گیا۔ جب مسلمانوں نے عصر کی نماز پڑھی تو ایک قاصد حجاج کا فرمان لے کر حاضر ہوا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حجاج نے ڈاک بٹھا دی تھی اور دوسرے دن محمد قاسم حجاج کو اور حجاج محمد قاسم کو خط لکھ کر بھیجتے رہتے تھے چونکہ تمام خطوط کو لکھنا طوالت تھی اور اس سے ناول کی ضخامت بڑھ جاتی اس لیے ہم نے ضروری خط لکھدیا اور غیر ضروری کو چھوڑ دیا ہے۔ مگر ان دونوں کی خط و کتابت محفوظ ہے۔ محمد قاسم کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی قاصد آتا اور خط لاتا تو فوراً تمام مسلمانوں کے سامنے باآواز بلند پڑھ کر سنا دیا

جاتا۔ چونکہ اس وقت تمام مسلمان بیٹھے ہوئے تھے اس لیے اس نے پڑھ کر سنانا شروع کر دیا۔ لکھا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

میرے پیارے فرزند محمد قاسم مجھے تعجب ہے کہ تم نیرون سے الور جانیکے بجائے بدیہہ اور قندھابیل کی طرف چلے گئے ہو ان اطراف میں بہت ہی تھوڑے راجہ ہیں پھر انھوں نے کوئی قصور بھی نہیں کیا ہے ان پر بلا وجہ لشکر کشی کرنا میں غیر مناسب سمجھتا ہوں۔ تمھارا کام تو راجہ داہر کو سزا دینا تھا اور اس کا غرور توڑنا ہے تم فوراً الوٹ آؤ اور دریائے مہران (سندھ) کو عبور کر کے الور پر حملہ کر دو۔ داہر فتنہ جو اور دغا باز ہے۔ اسکی کسی بات پر اعتماد نہ کرنا۔ البتہ جو شخص بھی تم سے امان مانگے اسے امان دو جو مسلمان ہو جائے اس سے نیک سلوک کرو اور مال غنیمت سے اسے بھی حصہ دو۔ لڑنے والوں سے لڑو۔ اور انھیں قتل کرو مگر جو امن پسند شہری ہوں انھیں قتل مت کرو۔ نماز پڑھتے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ ہر وقت اسی سے مدد طلب کرو۔ وہی مدد دے گا۔ تم حق پر ہو انشاء اللہ تمھاری ہی فتح ہوگی۔ اور تمام مسلمانوں سے میرا اسلام کہہ دو۔

حجاج

اس خط کو سنکر تمام مسلمان خوش ہوئے محمد قاسم نے اسی وقت واپس لوٹ کر نیرون پہنچنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھ کر ہی لشکر نیرون کی طرف چل پڑا۔

چوبیسواں باب ۲۴

"الوداع"

جب سیاگر طاہرہ کو لے کر راج محل سے باہر آیا تو طاہرہ نے اس سے کہا میں کس زبان سے آپکا شکریہ ادا کروں سیاگر نے کہا بیٹی طاہرہ میں نے جب سے سنا تھا کہ تو نیک اور پاکدامن ہے اور راجہ کی مرضی پر چلنے کیلئے تیار نہیں ہے اسی وقت سے تیری رہائی کی فکر میں تھا لیکن موقع نہ ملتا تھا۔ دوسرے میں یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ تو کہاں تک پاکدامن رہتی ہے جب تجھے قید کر دیا گیا تب میں نے کوشش کی اور تجھے نکال لیا۔ قید خانہ داہر کے باپ چچ نے تعمیر کروایا تھا۔ خفیہ راستہ یا تو وہ جانتا تھا یا بدھی من وزیر۔ مجھے اس وزیر سے ہی اس راستہ کا علم ہوا تھا۔ داہر بھی اس راستہ کو جانتا تھا میں نے تیری روانگی کے لیے یہ انتظام کر دیا ہے کہ میرے دوست شہر سے باہر تیرے منتظر ہیں تم ان کے ہمراہ نیرون چلی جانا۔ طاہرہ نے کہا کہ اسی طرح چلی جاؤں؟

سیاگر اور کس طرح جانا چاہتی ہو۔

طاہرہ۔ آپ کا محل کس طرف ہے۔

سیاگر۔ اسی جانب ہے۔

طاہرہ۔ کتنی دور ہے۔؟

سیاگر قریب ہی ہے۔

طاہرہ۔ کیا آپ مجھے چند دن وہاں چھپا سکتے ہیں۔

سیاگر۔ چند روز کیا عمر بھر چھپا سکتا ہوں۔

طاہرہ۔ اچھا تو آپ اسوقت مجھے اپنے محل میں لے چلیں۔

سیاگر نے حیرت سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا کس لیے۔

طاہرہ۔ میں اس لباس میں جانا نہیں چاہتی!

سیاگر۔ کیا کسی ہندو کنیا (دوشیزہ) کی پوشاک لاؤں۔

طاہرہ۔ نہیں۔

سیاگر۔ اور۔

طاہرہ۔ میں مردانہ لباس میں جانا چاہتی ہوں۔

سیاگر۔ تو کسی راجکنور کا لباس لانا چاہئیے۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ راجکنور کا لباس۔ تمھارے راجکنور لباس ہی کیا پہنتے ہیں۔ محض ایک دھوتی۔

سیاگر۔ ہم ہندوستانیوں کا ایسا ہی لباس ہوتا ہے۔ مگر دھوتی سے اوپر گلے تک موتیوں کے کنٹھے اور مالاؤں سے تمام جسم ڈھکا رہتا ہے۔

طاہرہ نے شرماتے ہوئے کہا لیکن ایک عورت کنٹھوں اور مالاؤں سے کیسے اپنا جسم ڈھانپ سکتی ہے۔

سیاگر۔ ہاں نہیں چھپا سکتی پھر کیسا لباس چاہتی ہے تو۔

طاہرہ۔ عرب نوجوانوں کا۔

سیاگر۔ وہ تو یہاں نہیں مل سکتا نہ کوئی اس لباس کو تیار کرنا جانتا ہے۔

طاہرہ۔ تیار تو میں خود کر لوں گی۔ آپ کپڑا تو مہیا کر سکتے ہیں۔

سیاگر۔ جیسا کپڑا مسلمانوں کے لباس کا ہوتا ہے ایسا اس دیس میں تیار نہیں ہوتا۔

طاہرہ۔ مگر جس کپڑے کا لباس میں اس وقت پہنے ہوں مل سکتا ہے۔

سیاگر۔ ایسا بھی نہیں مل سکتا تھا۔ کیونکہ اس قسم کے کپڑے صرف راجاؤں کے لیے تیار ہوتے ہیں اور راجہ ہی انھیں خریدتے ہیں۔

طاہرہ۔ اس سے گھٹیا قسم کا تو مل جائے گا۔؟

سیاگر۔ اچھا تم میرے ہمراہ چلو۔ میں کوشش کروں گا کہ اچھے سے اچھا کپڑا مل جائے۔ لیکن ....

طاہرہ۔ لیکن کیا..........

سیاگر۔ تجھے اس کمرہ میں بند رہنا پڑیگا جس میں تجھے میں ٹھہراؤنگا۔

طاہرہ۔ مجھے یہ منظور ہے۔

سیاگر۔ غالباً بیٹی تو سمجھ گئی ہوگی کہ اگر کسی نے تجھے میرے محل میں دیکھ لیا اور راجہ کو خبر کردی۔ وہ فوراً مجھے قتل کرادیگا۔ اس لیے میں یہ نہیں چاہتا کہ تو کمرے سے باہر نکلے اور کوئی تجھے دیکھے۔

طاہرہ۔ اطمینان رکھئے کوئی مجھے نہ دیکھ سکے گا۔

سیاگر۔ اچھا آؤ۔

طاہرہ اسکے ساتھ چلی۔ چونکہ ابھی رات تھی۔ بازار اور گلیاں سونی پڑی تھیں اس لیے راستہ میں انھیں کوئی بھی نہ ملا اور وہ بخیریت سیاگر کے محل میں داخل ہوگئی۔ یہ محل بھی وسیع تھا مگر اتنا نہیں کہ جتنا راجہ داہر کا تھا سیاگر طاہرہ کو لیکر ایک طرف چلا اور ایک وسیع کمرہ میں داخل ہوکر بولا یہ کمرہ ایسا ہی ہے جہاں تو چھپی رہ سکتی ہے لیکن اگر تو کسی وقت باہر نکل گئی اور کسی نے تجھے دیکھ لیا تو اسوقت سے میرے لیے جملہ مصائب کا دروازہ کھل جائیگا۔

طاہرہ۔ آپ اطمینان رکھیے۔

سیاگر۔ اچھا تو بیٹھ جائیں کچھ روشنی لے آؤں۔

طاہرہ۔ روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔

سیاگر۔ نہیں روشنی ضرور چاہیئے۔ یہ کمرہ ایک عرصہ سے بند پڑا ہے کوئی کیڑہ کانٹا وغیرہ نہ ہو۔ کمرہ میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ کتنا لمبا چوڑا ہے۔ طاہرہ فرش پر بیٹھ گئی۔ سیاگر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک موم بتی لیے ہوئے آیا۔ اس روشنی میں طاہرہ نے کمرہ کو دیکھا۔ کمرہ اچھا خاصا وسیع تھا اس میں کپڑے کا فرش ہو رہا تھا فرش پر ایک طرف مسند بچھی تھی۔ مسند پر تکیے لگے ہوئے تھے طاہرہ کو تعجب ہوا کہ ایسا کمرہ جو ضروری سامان سے آراستہ ہے بند کیوں پڑا ہے چنانچہ اس نے سیاگر سے دریافت کیا۔ یہ کمرہ بند کیوں پڑا ہے۔ سیاگر کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ اس نے کہا پتری میری ایک ہی تھی۔ وہ اس کمرہ میں رہا کرتی تھی۔ اس کا انتقال ہو گیا اسوقت سے یہ کمرہ بند ہے مگر میں اسے خود ہر روز صاف کرتا ہوں۔ طاہرہ کو افسوس ہوا کہ اس نے ایسا ذکر چھیڑا جس سے سیاگر کے دل کو تکلیف پہنچی اس نے کہا۔ معاف کرنا میں نے آپ کے دل کو دکھانے والی بات پوچھی۔

سیاگر۔ میں جانتا تھا کہ تو یہ پوچھے گی اچھا اب میں جا رہا ہوں صبح آؤنگا۔

سیاگر کے بشرہ سے ظاہر تھا کہ اسے اپنی لڑکی یاد آگئی ہے اور وہ سخت غمزدہ ہو گیا ہے چنانچہ وہ جلدی سے چلا اور کمرہ سے باہر نکل گیا اسکے چلے جانے کے بعد دیر تک طاہرہ بیٹھی افسوس کرتی رہی جب وہ اٹھا تو آفتاب نکل آیا تھا اسے افسوس ہوا کہ صبح کی نماز قضا ہوگئی چونکہ یہاں پانی نہ تھا اور اسے وضو کرنا تھا۔ بغیر وضو کیئے نماز نہ پڑھ سکتی تھی اس لیے اٹھکر سوچنے لگی کہ پانی کیسے اور کہاں سے ملے۔ کچھ دیر بعد سیاگر آگیا۔ وہ کسی قسم کے کپڑے لایا تھا اس نے آتے ہی کہا۔ بیٹی میں تیرے واسطے کپڑے لایا ہوں۔ طاہرہ نے کہا۔ بڑی مہربانی

کی آپ نے۔ اس نے اس سے کپڑے لے کر دیکھے اور رکھ دیئے۔ سیاگر نے دریافت کیا۔ ٹھیک ہیں نہ یہ کپڑے۔

طاہرہ۔ جی ہاں ٹھیک ہیں۔

سیاگر۔ اور کس چیز کی ضرورت ہے۔

طاہرہ۔ سب سے پہلے تو پانی چاہیئے۔ مجھے وضو کر کے نماز پڑھنا ہے۔

سیاگر۔ اور پھر۔؟

طاہرہ۔ اور پھر سوئی دھاگے کی ضرورت ہوگی۔

سیاگر۔ اچھا میں ابھی لائے دیتا ہوں۔

وہ چلا گیا۔ طاہرہ نے اسکے جاتے ہی کپڑے ادھیڑنے شروع کر دیئے تھوڑی ہی دیر میں سیاگر پانی اور سوئی دھاگہ لے کر آگیا اور طاہرہ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھکر سینے لگی سیاگر چلا گیا اور دوپہر کو خود ہی کھانا لیکر آیا طاہرہ نے کھالیا وہ چلا گیا۔ چند ہی روز میں طاہرہ نے دو جوڑے تیار کر لیئے جو بالکل عرب مجاہدوں کے سے تھے جب کپڑے تیار ہو گئے تو اس نے سیاگر سے کہا۔ آپ مجھے ایک ڈھال ایک تلوار۔ ترکش اور تیر کمان جو میرے قابل ہو فراہم کر دیجیئے اور آج مجھے رخصت ہونے کی اجازت دیجیئے سیاگر کو طاہرہ اپنی بیٹی جیسی محبت ہو گئی تھی اور اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ طاہرہ اسکے پاس سے جائے چنانچہ اس نے کہا بیٹی ابتہ یہاں سے نہ جا۔ میرے ہی پاس رہ میں تیری ہر طرح سے حفاظت کروں گا۔

طاہرہ نے کہا۔ میرے محسن میرے یہاں آنے سے آپ کے لیئے خطرہ ہے دوسرے میں جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہوں اسلیئے مجھے جانے سے روکیئے۔

سیاگر نے افسردہ دلی سے کہا۔ اچھا میں سب کچھ فراہم کر دونگا۔ کاش

میں تم سے محبت نہ بڑھاتا۔

طاہرہ۔ میں چند روز کے لیے جا رہی ہوں اور پھر اگر زندگی ہے تو آپ کے ساتھ رہوں گی۔

سیاگر نے خوش ہوتے ہوئے کہا تیرا وعدہ ہے۔

طاہرہ۔ جی ہاں۔

سیاگر۔ اچھا میں آج ہی سب چیزیں مہیا کر دوں گا۔

طاہرہ۔ ایک رہبر کی بھی ضرورت ہوگی!

سیاگر۔ نہ صرف ایک بلکہ کئی محافظ ساتھ کر دوں گا۔

طاہرہ۔ نہیں صرف ایک شخص کو ساتھ کر دیجیے اور اس سے کہہ دیجیے کہ نو عمر عربی لڑکا نیرون سے آیا تھا وہ واپس جانا چاہتا ہے۔

سیاگر۔ اچھا۔

وہ چلا گیا۔ رات کے وقت واپس آیا۔ اس وقت طاہرہ نے اپنا لباس سی لیا تھا۔ ایک ڈھیلی آستینوں والا لمبا جبہ پہن کر اس کے نیچے ازار (شلوار) تھی۔ سر پر عمامہ تھا۔ عمامہ کے اوپر ایک رومال تھا جو سینے پر آ کر رک گیا تھا وہ اچھی خاصی ایک نو عمر لڑکا بن گئی تھی۔ سیاگر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا اس لباس میں وہ مطلق بھی نہ پہچان سکا۔ اس نے کہا طاہرہ خوب بھیس بدلا ہے تو نے۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا اب کوئی مجھے لڑکی تو نہ سمجھے گا۔

سیاگر۔ بالکل نہیں۔

اب طاہرہ نے ڈھال پشت پر لٹکائی۔ اس پر ترکش ڈالا۔ کمان شانے پر ڈالی اور تلوار کمر میں لگائی۔ اس طرح سے وہ پورا نو عمر مجاہد بن گئی تھی سیاگر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب رات زیادہ گذر گئی تو سیاگر۔

اسے اپنے ہمراہ لے کر چلا۔ طاہرہ نے وہ جوڑا جو وہ پہنے تھی اور ایک ایسا ہی مردانہ جوڑا جیسا کہ اس نے اب پہنا تھا دونوں باندھے اور کمر سے لگا لیے وہ سیاگر کے ہمراہ چلی محل سے باہر نکلی دونوں خاموشی سے چلکر قلعہ کے دروازہ پر آئے چونکہ سیاگر وزیر اعظم تھا۔ اس لیے پہرہ داروں نے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی اور وہ طاہرہ کو ہمراہ لیکر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ یہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے جب قلعہ سے زیادہ دور نکل گئے تب سیاگر رک گیا اور اس نے آواز دی۔ رنجیت۔

تھوڑی سی دیر میں ایک ادھیڑ عمر کا ہندو دو گھوڑوں کی باگیں پکڑے آیا اور اس نے کہا حاضر ہوں سیاگر نے کہا یہ ہے وہ لڑکا جو کہ بیرون جانا چاہتا ہے تم اسے پہونچا کر اور اسکی چھٹی لیکر آنا تجھے انعام دیکر مالا مال کر دونگا۔

رنجیت نے کہا بہت اچھا سیاگر نے طاہرہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اچھا رخصت الوداع! وہ گھوڑے پر سوار ہوئی دوسرے پر رنجیت سوار ہوا اور دونوں روانہ ہو گئے۔ دیر تک سیاگر وہاں کھڑا دیکھتا رہا جب وہ دور نکل گئے تب وہ ٹھنڈا سانس بھر کر واپس ہوا۔

پچیسواں باب ۲۵

"پیشین گوئی"

راجہ داہر عیش و عشرت میں مشغول تھا اسکے گرد ہر وقت سیم تن لڑکیوں کا مجمع رہتا تھا شب و روز ناچ اور گانا دیکھتا اور سنتا رہتا تھا۔ مورخ اسکی تعیشانہ زندگی پر پردہ ڈالنے کے لیے لکھتے ہیں کہ وہ اس لیے داد عیش دے رہا تھا تاکہ اسکی رعایا اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کی حملہ آوری سے وہ متفکر اور

پریشان نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی پرکاہ کے برابر بھی پرواہ نہیں کرتا حالانکہ یہ
بات نہ تھی دراصل وہ عیش پسند تھا حریص حسن تھا اور ہروقت حسین لڑکیوں سے
اختلاط کرتا تھا شاید وہ اسی لیے داد عیش دے رہا تھا کہ اسے اپنا تباہ خیز انجام
قریب نظر آرہا تھا۔ سمجھتا تھا کہ شاید تباہی سر پر آگئی ہے پھر کیوں نہ دل کے ارمان
پورے کرے ٹھیک اسی طرح جیسے کہ شرابی شراب کو قابل نفرت چیز سمجھتے ہوئے
بھی اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ شراب اسکی صحت کو تباہ کرکے رفتہ رفتہ اسے موت
کی آغوش میں کھینچے لیے جارہی ہے شراب پیتا ہے بلکہ اپنا خطرناک انجام قریب
دیکھکر اور بھی کثرت سے شراب پینا شروع کردیتا ہے اور آخر اسکی جان شراب
کی ہی نذر ہو جاتی ہے اسی طرح راہر سمجھ رہا تھا کہ مسلمان اس کا ملک چھینے
اور اسے قتل کرنے کے لیے حملہ آور ہوئے ہیں یہ سمجھتے ہوئے بھی وہ مشغول عشرت
تھا۔ اگر وہ عقلمند ہوتا تو ضد کرنے کے بجائے مسلمانوں کو جنہیں اسکے سپاہیوں نے [illegible]
حماقت سے قید کرلیا تھا چھوڑ دیتا اگر اسوقت غلطی کر گیا تھا تو جب سلطان حملہ آور ہوئے اسوقت
رہا کردیتا اور اگر اسکی راجپوتی شان اسکی اسے اجازت دیتی تو جنگ کی تیاری کرتا اور
بزم عیش چھوڑ کر میدان کارزار میں جا پہنچتا۔ لیکن ایک عشرت پسند انسان کی دلیری کو زنگ
لگ جاتا ہے اور وہ بزدل بنکر ڈرنے لگتا ہے راہر بھی بزدل ہوگیا تھا اور اس کا مشغلہ
بجز عیش و عشرت کے باقی نہ رہا تھا۔

ایک دن جبکہ محفل رقص و سرود گرم تھی اس میں سات حسینہ لڑکیاں نیم برہنہ لباس پہنے
گردش میں موجود تھیں اور ان کے تنویر حسن سے تمام کمرہ جگمگا رہا تھا راہر مسند پر بیٹھا ناچ اور گانا
سن رہا تھا سیاگر تین آدمیوں کو لیکر حاضر ہوا اور اس نے نہایت ادب سے جھک کر
اسے سلام کیا۔ ناچ و گانا بند ہوگیا۔ راہر نے کہا آئیے وزیر اعظم صاحب کہئے اسوقت کیسے آئے۔
سیاگر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس نے کہا حضور آج غالباً حضور نے سن لیا ہوگا۔ کہ

محمد قاسم نے دیبل ۔ نیرون ۔ سوستان ۔ بدیہہ اور قندھابیل فتح کر لیے ہیں!!

داہر ۔ ہاں ہم نے سن لیا ۔

سیاگر ۔ معلوم ہوا ہے کہ محمد قاسم قندھابیل اور بدیہہ سے واپس لوٹ کر نیرون میں آ گیا ہے ۔

داہر نے ہنستے ہوئے کہا ۔ اب وہ ملک عراق یا اور کہیں واپس جانا چاہتا ہے

سیاگر ۔ نہیں حضور!

داہر ۔ تو کیا نیرون میں ہی قیام کرنے کا ارادہ ہے ۔

سیاگر ۔ ان داتا نہیں ۔

داہر ۔ پھر اس کا کیا ارادہ ہے ۔

سیاگر ۔ وہ دریائے مہران کو عبور کر کے الور پر حملہ کرنے کی فکر میں ہے ۔

اب تک ، داہر تکیہ کا سہارا لیے بیٹھا ہوا تھا اب وہ چونک کر خوفزدہ لہجہ میں گویا ہوا الور پر حملہ کرنے کی فکر میں ہیں؟

سیاگر ۔ جی ہاں ۔

داہر ۔ جب تو اسکی گستاخی اور جرأت ، حد سے بڑھ گئی ہے ۔

سیاگر ۔ یہی بات ہے مہاراج اب اس بزم عشرت اور محفل رقص و نغمہ کو بند کیجئے ملک سخت خطرہ میں ، پھنس گیا ہے اسے بچائیے ۔

داہر نے جوش میں آ کر کہا ۔ بچاؤں گا اس نے پریجائی لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ چلی جاؤ ۔ تم سب چلی جاؤ ۔ انسان کو حیوان بنا دینے والی خوبصورت تصویرو چلی جاؤ ۔ تمام لڑکیاں ایک ایک کر کے چلی گئیں اب اس نے تمام ارکان اور منجموں کو بلایا سیاگر نے بہت اچھا کیا اور اٹھا ۔ داہر نے دریافت کیا کہ یہ آدمی کون ہے؟ سیاگر نے کہا ۔ یہ بیت کے دیکھنے والے ہیں ۔ محمد قاسم کے بڑھنے کی خبر لیکر آئے ہیں؟

داہر۔ بہت ہیں ہو کر راجہ ہے اسے بچائیے۔

سیاگر۔ وہ مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

داہر۔ مجھ سے تو وہی اچھا رہا بخیر یہ شاہ نہیں اب میں بھی اپنی آن کو قائم رکھنے کیلئے میدان کارزار میں جاؤنگا اب ارکان سلطنت اور خوشیوں کی بلائیں اٹھنے میں ایک مسلم دوشیزہ کو بلا کر قتل کرا دوں جس کی وجہ سے مسلمان حملہ کر کے آئے ہیں سیاگر خوب جانتا تھا کہ وہ لڑکی روانہ بھی ہو چکی ہے مگر اس نے اس کا ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا ضرور قتل کرا دیجئے اسے سیاگر چلا گیا۔ داہر اٹھ کر قید خانہ پر پہنچا اور اس کمرہ کو کھلوا کر جس میں اس نے طاہرہ کو قید کیا تھا اندر گیا دوسرا کمرہ کھلنے پر اس نے کہا۔ طاہرہ آؤ۔ اسے یقین تھا کہ طاہرہ وہاں ہو گی۔ مگر جب جواب نہ آیا تو وہ حیران ہو کر کمرہ کے اندر گیا۔ وہ اندھیرا تھا اس نے محافظ کو روشنی لانیکا حکم دیا۔ محافظ موم بتی روشن کر لایا۔ اس نے روشنی میں دیکھا کمرہ خالی پڑا تھا وہاں طاہرہ نہ تھی اسے بڑا تعجب ہوا اس نے محافظ سے دریافت کیا۔ کہاں گئی۔ طاہرہ محافظ کا بھی دم خشک ہو رہا تھا اس نے کہا میں کیا بتاؤں حضور!

داہر۔ کیا تم نے اسے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

محافظ۔ نہیں حضور۔

داہر۔ تعجب ہے اس میں مجھے تیری شرارت معلوم ہوتی ہے۔

محافظ نے پاؤں پر گرتے ہوئے کہا۔ حضور میں بالکل بے قصور ہوں داہر کچھ سوچنے لگا۔ سوچ کر واپس لوٹا جب اس کمرہ کے قریب پہنچا جس میں سے اٹھ کر آیا تھا تو سیاگر ملا۔ داہر نے کہا۔ وزیر اعظم طاہرہ غائب ہو گئی۔ سیاگر نے کہا حضور وہ مسلمان تھی اور مسلمان جادوگر ہوتے ہیں یقیناً وہ بھاگ گئی ہو گی فکر نہ کیجئے۔

داہر سیاگر کے ہمراہ کمرہ میں آیا اسوقت تمام ارکان سلطنت اس کا بیٹا جے سیاہ

اور کئی پنڈت بیٹھے تھے۔ داہر کو دیکھتے ہی وہ تمام اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی تعظیم کے لیے جھک گئے داہر مسند پر جا بیٹھا اسکے قریب ہی سیا کر بیٹھ گیا ان دونوں کے بیٹھ جانے پر تمام درباری اور پنڈت بھی بیٹھ گئے۔ داہر نے جوتشیوں سے پوچھا اور کہا تم اپنے علم سے دیکھو اور بتاؤ کہ اگر مسلمانوں سے جنگ ہو تو فتح کس کی ہوگی پنڈتوں نے پوتھیاں سنبھالیں اکثر نے زائچہ پر لپٹا ہوا کپڑا کھولنا شروع کیا وہ کھولتے جاتے تھے اور حساب لگاتے جاتے تھے۔ دیر کے بعد انہوں نے آپس میں مشورہ کیا مشورہ کر کے پھر حساب لگایا۔ دو تین مرتبہ اسی طرح کرنے کے بعد ایک بڈھے منجم نے کہا۔ ان داتا بہتر ہے کہ حضور اس بات کو دریافت ہی نہ کریں داہر نے کہا نہیں میں پوچھوں گا اور تمہیں بتانا ہوگا۔

منجم۔ مہاراج علم تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

داہر اور تمام ارکان سلطنت چونک پڑے داہر نے غضبناک ہوتے ہوئے کہا تم نے کیسی بدشگونی کی بات کہی تم نے؟ منجم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ حضور اس بات کو دریافت ہی نہ کریں۔

داہر۔ نہیں تم پھر حساب لگاؤ اور پھر دیکھو۔

منجموں نے پھر حساب لگانا شروع کیا۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔ حضور ہمارا حساب بالکل درست ہے۔

داہر گویا فتح مسلمانوں کی ہوگی؟

منجم۔۔ جی ہاں۔

ایک آواز آئی اور یہ بالکل ٹھیک ہے سب نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو سامنے جوگنی کھڑی تھی۔ سب نے اسکے سامنے سر جھکا دیئے۔

چھبیسواں باب ۲۶

"راج ہٹ"

جوگنی سے سب ڈرتے تھے اور اسی لیے اسکی تعظیم کرتے تھے اسکی بابت مشہور تھا کہ وہ دم کے دم میں سراندیپ ہو آتی ہے روزانہ گنگا جی میں اشنان کرنے جاتی ہے اور سندھ میں بھی ہر وقت موجود رہتی ہے اسوقت بھی جوگنی کے الجھے ہوئے غبار آلود بال اسکے کندھوں اور کمر پر بکھرے ہوئے تھے مگر اسوقت خلاف معمول اسکے چہرہ سے حزن و ملال کے آثار ظاہر ہو رہے تھے سیساگر نے اس سے کہا ماتا جی کیا مسلمانوں کی ہی فتح ہوگی۔ جوگنی نے کہا ہاں بالکل اسی طرح جس طرح رامچندر جی[ل] نے راون پر فتح پائی۔

ل رامچندر جی راجہ دسرتھ کے بڑے بیٹے تھے دسرتھ اجودھیا میں حکمران تھا اس کے کئی رانیاں تھیں اور کئی رانیوں سے کئی اولادیں تھیں رانی کیکئی سب سے چھوٹی اور حسین رانی تھی وہ اسے سب سے زیادہ چاہتے تھے اس نے رامچندر جی کو چودہ برس کا بن باس دلایا تھا کہ اسکے بعد رانی کا بیٹا بھرت تخت حاصل کرے رامچندر جی اپنے بھائی لچھمن اور سیتا کو لیکر چلے گئے اور جنگل میں رہنے لگے اس زمانہ میں راون لنکا کا راجہ تھا وہ سیتا جی کی خوبصورتی کی تعریف سنکر آیا اور دھوکہ دیکر انھیں اٹھا لے گئے۔ رام چندر کو بیحد رنج ہوا اور وہ ان کے فراق میں گھومتے پھرے آخر انھیں معلوم ہو گیا کہ راون لے گیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے بندروں ریچھوں کی فوج لے جاکر حملہ کیا اور اسے مارکر اپنی بیوی سیتا کو چھڑا لائے مگر جب وہ اجودھیا واپس آئے تو لوگوں نے سیتا جی کی پاکدامنی پر شبہ کیا۔ چنانچہ سیتا جی کو آگ میں بیٹھ کر اپنی (بقیہ صفحہ ۳۲۸ پر دیکھو)

سیتا گر۔ مگر راون تو سیتا جی کو لے گیا تھا۔

جوگنی۔ راجہ داہر مسلمانوں کو اسیر کر لائے ہیں۔

داہر نے جوگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو کیا ہمیں جنگ نہ کرنا چاہیئے

جوگنی۔ جس جنگ کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہو اس سے کیا فائدہ ہے۔

داہر۔ کچھ ہو مگر میں ضرور لڑوں گا۔

جوگنی۔ افسوس تم اب بھی ضد نہیں چھوڑتے تم اپنی (جاتی (قوم) تباہ کرانے پر تلے ہوئے ہو۔ چاہتے ہو کہ بھارت درش کا ناش ہو جائے۔

داہر۔ اطمینان رکھو بھارت درش کا ناش نہ ہوگا۔ جاتی تباہ نہ ہوگی بلکہ مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

جوگنی۔ کاش ایسا ہوتا۔

داہر نے جوش میں آکر کہا ایسا ہی ہوگا۔

جوگنی۔ جو مجھے معلوم ہے اور یا جو کچھ ان منجموں کو اپنے علم سے معلوم ہو گیا ہے اگر تم کو بھی یہ معلوم ہو جاتا تو لڑائی کا نام نہ لیتے۔

داہر۔ میں راجپوت ہوں اور راجپوت لڑنے سے نہیں گھبرایا کرتے۔

جوگنی۔ افسوس تم اپنی قوم اور ملک کی پرواہ نہیں کرتے اور اگر سچ پوچھو تو اپنی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

(بقیہ ۳۲۷ کا) عصمت کا بھی امتحان دینا پڑا۔ اور وہ رنواس میں رکھ لی گئی مگر فوراً ملک میں چرچا پڑ گیا اس سے رامچندر جی کے دل میں سیتا جی کی پاکدامنی میں پھر شبہہ ہوا اور انھوں نے انھیں نکال دیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد رامچندر کے دل میں سیتا جی کی محبت نے پھر شعلہ مارا اور انھوں نے دریا میں غرق ہو کر جان دیدی (صادق صدیقی)

داہر۔ بیشک اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

جوگنی۔ کیا تم اپنا اپنے ملک کا اور اپنی قوم کا انجام دیکھنا چاہتے ہو۔

داہر۔ میں جادوگروں کی کوئی بات دیکھنا نہیں چاہتا۔

جوگنی کو اسکی بات سخت ناگوار گذری۔ اس نے کہا دیکھو لیکن جب دریا کے اندر ہاتھی گھس جائے اور موت تم کو آگھیرے اس وقت مجھے یاد کرنا شاید میں تم کو بچا سکوں۔ یہ کہتے ہی جوگنی چلی گئی۔ اس کی یہ باتیں سنکر تمام لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد داہر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ اور اس نے ہنستے ہوئے کہا مجھے ڈرانا چاہتی ہے لیکن نہیں جانتی کہ میں ڈرنیوالوں میں سے نہیں ہوں۔

سیاگر نے کہا لیکن مہاراج جب جوتشی بھی وہی کہہ رہے ہیں جو ماتا جوگنی کہہ رہی ہیں تو جنگ ملتوی کر دینا چاہیئے۔

داہر نے غصہ بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کبھی نہیں ایک راجپوت اپنی آن قائم رکھنے کے لیے اپنا سب بلیدان دیدیتا ہے داہر اپنے آپ کو راجپوت کہا کرتا تھا۔ حالانکہ وہ آدھا راجپوت اور آدھا برہمن تھا۔ راجپوت تو اس لیے کہ اسکی ماں راجپوتنی تھیں اور برہمن اس لیے کہ اس کا باپ برہمن تھا۔ سیاگر نے کہا جب یہ خیال ہے تو دیر نہ کیجیئے۔ فوراً لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے چلیئے۔

داہر۔ یہ ہے بہادری کی بات (اراکین سلطنت سے خطاب کر کے) کہو تمہاری کیا رائے ہے۔

ایک آدمی نے کہا۔ اب اتار ائے دریافت کرنیکی ضرورت نہیں ہے جب آپ جنگ کا فیصلہ کر چکے ہیں تو چلیئے ہم سب ساتھ ہیں۔

داہر۔ مگر دل سے تم بھی لڑائی کو اچھا نہیں سمجھتے

وہی شخص۔ صحیح بات یہ ہے کہ مقابلہ ہے مسلمانوں سے اور مسلمان وہ قوم ہے

جس کی بہادری کا ڈنکا تمام دنیا میں بج رہا ہے۔ ایران جیسی زبردست سلطنت کو انھوں نے فتح کر لیا ہے۔ شام اور عراق کی حکومتوں کا انھوں نے تختہ الٹ دیا ہے ان سے جنگ کرنا ہنسی کھیل نہیں ہے اسکے علاوہ جوتشیوں کو انکا علم بھی یہی بتا رہا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی لیکن ان باتوں کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی اگر آپ لڑنے کے لیے تیار ہیں تو ہم بھی آمادہ ہیں۔

داہر۔ ٹھیک ہے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے راجہ کی آن کو برقرار رکھنے کے لیے سینہ سپر ہونا چاہیئے اب یہ بتاؤ کہ محمد قاسم کو مہران سے اس طرف اترنے دیا جائے یا ہم دریا کے پار پہونچیں؟

سپہ سالار۔ ہمیں خود ہی دریا کے پار اترنا چاہیئے اس لیے کہ اگر محمد قاسم دریا پار آگیا تو رعایا پر برا اثر پڑیگا۔

ایک راجپوت۔ مناسب یہی ہے۔

داہر۔ یہ کیسے مناسب ہو سکتا ہے اگر محمد قاسم دریائے مہران پار کر کے اس طرف آجائے تو اسکے سامنے ہمارا لشکر اور پشت پر عظیم الشان دریا ہوگا اس سے وہ گھبرا جائے گا اور پھر فتح تمھاری ہوگی۔

سپہ سالار۔ جو ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ ہم کہہ دیتے ہیں۔ اگر یہی مناسب ہے کہ محمد قاسم دریا کو پار کر کے آجائے تو ایسا ہی کیجیئے۔

داہر۔ ہاں میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں اچھا لشکر تیار کرو۔ لیکن جے سیاہ تم کچھ لشکر لے کر کل ہی روانہ ہو جاؤ۔

جے سیاہ نے جھک کر کہا۔ بہت اچھا۔

داہر۔ اپنے ہمراہ کافی ہاتھی لے جانا۔

جے سیاہ۔ بہتر ہے۔

ایک بڈھے جوتشی نے کہا۔ ان داتا جب آپ لڑائی کے لیے جاتے ہیں تو دانیوں کو بھی ہمراہ لے جائیے۔

داہر۔ میرا خود بھی یہی خیال تھا کہ کچھ کنیزوں کو بھی لے جاؤں گا۔

جوتشی۔ خیر کنیزوں کو آپ لے جائیں یا نہ لے جائیں مگر رانیوں کو میدان جنگ میں لے جائیے۔

داہر۔ اچھا اے ملک و قوم کے بہی خواہو اب تیاریاں شروع کر دو اور ایک ہفتہ کے اندر اندر روانہ ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

بہت بہتر ہے سب نے کہا۔ اور راجہ کو سلام کر کے اٹھ اٹھ کر چلے گئے انکے رنواس (شاہی محل) سے باہر جاتے ہی لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ راجہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے مع اپنی رانیوں کے جانیوالے ہیں۔ لوگوں کی بڑا فکر ہے دراصل مسلمانوں سے لڑنا کوئی بھی پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن راجہ بڑے مشہور تھے۔ داہر کی ضد کے سامنے کسی کی بھی پیش نہ جاتی تھی لاچار لوگ مارے باندھے تیاریاں کر رہے تھے۔ دوسرے دن علی الصباح داہر کا بیٹا جے سیاہ پندرہ ہزار لشکر جرار اور تقریباً سو ہاتھی لے کر نہایت شان سے الور سے نکلا اور دریائے مہران کی طرف روانہ ہوا راجہ اسے دور تک پہنچانے آیا جب وہ کئی میل نکل آیا تب راجہ لوٹ کر الور چلا گیا۔

ستائیسواں باب

مصالحت

محمد قاسم مع مجاہدین اسلام کے سیسم سے روانہ ہو کر نیرون آ گیا تھا

نے اسکی بڑی آؤ بھگت کی یہاں بہت سے ہندو مسلمانوں کے اخلاق و عادات طریقۂ عبادت دیکھکر خود بخود مسلمان ہو گئے چنانچہ ان کے لیے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی اور ہندوستان میں یہ سب سے پہلی مسجد بنائی گئی تھی ابھی مسجد کی تعمیر جاری تھی کہ لشکر اسلام نے دریائے سندھ کی طرف کوچ کر دیا چونکہ ابتک ہر جگہ مسلمانوں کی فتح ہوتی رہی تھی اسلیئے ہندوؤں پر انکی ہیبت چھا گئی اور وہ مسلمانوں کی صورتیں دیکھنا تو کجا انکے آنے کی خبر سنتے ہی اپنا سب کچھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ پڑتے تھے۔

چنانچہ جس طرف اسلامی لشکر گذرا آبادیاں غیر آباد ملتی چلی گئیں۔ مسلمان بھی نہایت اطمینان کے ساتھ کوچ و قیام کرتے دریائے سندھ کی طرف بڑھتے رہے آخر ماہ محرم ۹۳ھ کو وہ قلعہ اشتہار کے سامنے پہونچے یہ قلعہ نہایت مضبوط تھا اور وسیع تھا ہندوؤں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور فصیل پر فوج تعینات کر دی۔ محمد قاسم نے قلعہ کے سامنے لشکر کو ٹھہرا کر دوسرے ہی دن سے اپنے کیمپ کے گرد خندق کھدوانا شروع کر دیا۔ ہندو قلعہ کے اوپر سے مسلمانوں کو خندقیں کھودتے ہوئے دیکھکر حیران ہو رہے تھے کہ مسلمان خندقیں کیا کھود رہے تھے قلعہ اشتہار کے سامنے ایک کچا قلعہ بنا رہے تھے ہندوؤں نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کا ارادہ یہاں چھاؤنی ڈالکر رہنے کا ہے اس خیال سے انھیں بڑی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ مسلمان دو چار یا دس بیس دن محاصرہ کر کے یا تو آگے بڑھ جائیں گے یا کسی اور طرف چلے جائیں گے مگر جب انھوں نے مسلمانوں کو خندق کھود کر قلعہ بناتے دیکھا تو بہت گھبرائے اور انھوں نے فوراً صلح کی درخواست کی۔ محمد قاسم لڑائی پر صلح کو ترجیح دیتا تھا اور وہ جب بھی کہیں لڑا مجبور ہو کر لڑا۔ چنانچہ اس نے فوراً درخواست منظور کر لی۔ صلح ادائے مال گذاری اور خلیفہ کے تابع رہنے پر ہوئی۔ صلحنامہ مرتب ہوتے ہی قلعہ اشتہار کی کنجیاں محمد قاسم کے حوالے کر دی گئیں اور شیر اسلام فاتحانہ

قلعہ میں داخل ہوا۔ ہندوؤں نے خلوص دل سے اس کا استقبال کیا۔ محمد قاسم نے مسلمانوں کو قلعہ کے اندر رہنے اور زیادہ تعداد میں آنے کی اجازت نہ دی اسکی وجہ یہ بھی کہ ہندو عورتیں بے پردہ نیم برہنہ حالت میں مسلمانوں کے پاس خرید و فروخت کے لیے آتی جاتیں تھیں اس نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ چند دن وہاں قیام کر کے اسلامی لشکر کے آگے بڑھا۔ جوں جوں اسلامی لشکر آگے بڑھتا تھا ہندوؤں پر رعب قائم ہوتا جاتا تھا۔

سندھ کے اس پار والے ہندو یہ سمجھ گئے تھے کہ مسلمانوں کے سیلاب کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ حقیقت بھی یہی تھی جوان بخت و جوان سال محمد قاسم بڑے عزم صمیم کے ساتھ ہندوستان میں آیا تھا اور اب تک اس نے جس طرف کا رخ کیا تھا مظفر و منصور ہوتا چلا گیا تھا۔ شہروں پر شہر اور قلعوں پہ قلعے فتح کر لیے تھے۔ در اصل محمد قاسم کی فتوحات میں خدا پرستی کا راز مضمر تھا۔ اگرچہ محمد قاسم سترہ سال ہی کا تھا کچھ بھی عمر نہ تھی اس عمر کے بچوں میں سمجھ بوجھ کا مادہ بھی نہیں ہوتا مگر محمد قاسم کو خدا نے عجیب دل و دماغ عطا کیے تھے وہ ہر بات کو سوچ کر کرتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ روزہ نماز کا پابند تھا اور یہی کا خیال رکھتا تھا۔ ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ ہونے دیتا تھا۔ رات رات بھر قرآن شریف کی تلاوت کرتا تھا اسکی پرہیزگاری کا تمام لشکر پر اثر پڑتا تھا۔ اور ہر شخص نمازی اور پرہیزگار تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے اور اسکی عبادت کرتے تھے اس سے دعائیں مانگتے تھے خدا ان کی مدد کر رہا تھا اور وہ کامیاب اور فتحمند ہو رہے تھے جو شخص بھی خدا کو یاد کرتا ہے خدا اسے یاد کرتا ہے اور جو خدا کو بھول جاتا ہے خدا اسے بھول جاتا ہے۔ خدا کی یاد کا ذریعہ نماز ہی ہے محمد قاسم قلعہ اشتہا سے روانہ ہو کر منزل بمنزل کوچ و قیام کرتے دریائے سندھ کے قریب جا پہونچا۔ یہاں اس نے ایک تیسی

میدان میں ہندوؤں کے کثیر التعداد لشکر کو خیمہ زن دیکھا اس نے اس لشکر سے کچھ
فاصلے پر اپنے لشکر کو ٹھہرایا۔ ہندوؤں کا یہ لشکر موکہ راجہ کا تھا۔ موکہ نہایت بہادر اور ہوشمند
تھا یہ راجہ داہر کا قریبی رشتہ دار تھا۔ موکہ کو معلوم ہو گیا کہ بے سپاہ محمد قاسم کو روکنے
کے لیے اور اس سے لڑنے کے لیے چل پڑا ہے۔ اور عنقریب ہی اسکے پاس پہنچنے والا
ہے چنانچہ اس نے قصد کر لیا تھا کہ دریائے سندھ کے اس پار ہی محمد قاسم کا مقابلہ کرے
اور اگر ممکن ہو تو اسے شکست دیکر بھگا دے۔ محمد قاسم کو ہزیمت دینے کی تمنا ہر
ہندو راجہ کے دل میں پیدا ہوتی تھی اور اس وجہ سے اور تقویت ہوتی تھی کہ
انھوں نے سن لیا تھا کہ وہ کمسن ابھی بچہ ہے جب اس بچہ سے اس کا مقابلہ پڑتا تھا
اور اسے میدان جنگ میں لڑتا دیکھتے تھے تو ساری تمنائیں اور حوصلے پست
ہو جاتے تھے اور پھر یا تو اس سے مصالحت کر لیتے تھے یا میدان جنگ میں مارے جاتے
تھے اور یا بھاگ جاتے تھے۔ چنانچہ موکہ کے دل میں بھی محمد قاسم کو شکست دینے کی
تمنا پیدا ہوئی اور وہ اسکے مقابلہ کے لیے اپنی پوری طاقت و عظمت سے آ ڈٹے
اسکے ہمراہ تقریباً بارہ ہزار لشکر تھا۔ محمد قاسم کے ہمراہ چھ ہزار ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ
ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو ہندو تھے مگر مسلمانوں کو کچھ خوف نہ تھا انھوں نے
خیمے نصب کر کے سب سے پہلے عصر کی نماز پڑھی پھر کچھ آدمی رات کو جلانے
کے لیے لکڑیاں کاٹنے لگے کچھ قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگے اور کچھ میدان
میں نکل کر جگہ جگہ دس دس پندرہ پندرہ کی ٹولیوں میں بیٹھ کر ہتھیاروں کو صاف
کرنے لگے جب دن چھپا تو مغرب کی اذان ہوئی تمام مسلمانوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور
نماز سے فارغ ہو کر کھانا تیار کرنے میں مشغول ہو گئے تمام کیمپ میں ہر خیمہ کے
سامنے آگ روشن ہو گئی۔ عشاء کے وقت تک کھانا تیار ہوا سب نے پہلے عشاء کی
نماز پڑھی اور پھر کھانا کھایا پانصد آدمی لشکر کی حفاظت کرنے لگے اور باقی تمام

اطمینان سے سو گئے۔ صبح اٹھتے ہی انھوں نے نماز پڑھی اور محمد قاسم نے انھیں مسلح ہو کر میدان کارزار میں پہنچنے کا حکم دیا۔ اذان سنتے ہی مجاہدین اسلام بڑے ذوق سے صف بستہ ہونے لگے۔ ہر سردار اپنا علم لے کر اپنے اپنے دستہ میں جا کھڑا ہوا۔ محمد قاسم بھی علم لے کر سب سے آگے جا پہنچا تمام علموں کے پھریرے ہوا میں لہرا رہے تھے اور لہرا لہرا کر عجب سماں پیدا کر رہے تھے۔ ان تمام علموں پر آیات لکھی ہوئی تھیں مسلمان جب ان کی طرف دیکھتے تھے تو جوش اور ولولہ ان کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا مسلمان منتظر تھے کہ ہندو بھی مسلح ہو ہو کر اپنی صفیں مرتب کریں گے مگر وہ میدان میں نہ نکلے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اسلم محمد قاسم کے پاس آیا اس نے کہا سیدی آج ہندوؤں کا ارادہ لڑنے کا نہیں معلوم ہوتا۔ محمد قاسم نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے؟

اسلم۔ شاید وہ کسی اور لشکر کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

محمد قاسم۔ ممکن ہے۔

اسلم۔ پھر کیوں نہ ہم ہی بڑھ کر حملہ کر دیں۔

محمد قاسم۔ نہیں ابھی انتظار کرو۔

اس وقت ہندوؤں کے لشکر میں سے چند سوار نکل کر ان کی طرف آتے ہوئے نظر آئے وہ ایک سفید جھنڈا لیے آ رہے تھے تمام مسلمان انکی طرف دیکھنے لگے۔ وہ مسلمان کے لشکر کی پہلی صف کے سامنے آ کر رک گئے ان میں سے ایک شخص نے عربی زبان میں کہا۔ ہم تمھارے سپہ سالار محمد قاسم سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اسلم نے کہا آگے بڑھ آؤ۔ وہ آگے بڑھ کر محمد قاسم کے پاس گئے۔ اسلم نے محمد قاسم کی طرف اشارہ کر کے کہا ہمارے سپہ سالار یہ ہیں۔ ہندو نے کہا ہمارا راجہ مو کر آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہے محمد قاسم نے کہا میں تیار ہوں۔

ہندو کیا آپ ان کے یہاں آنے اور گفتگو کر کے واپس جانے تک امان دیتے ہیں

محمد قاسم۔ ہاں میں امان دیتا ہوں۔

ہندو چلے گئے محمد قاسم نے لشکر کو واپس لوٹنے کا حکم دیا مسلمانوں کو بڑا افسوس ہوا کہ آج لڑائی ملتوی ہو گئی وہ واپس لوٹ کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ محمد قاسم اپنے خیمہ کے سامنے کمبل کے فرش پر جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر میں موکہ مع تین سو سواروں کے آگیا۔ سب سے پہلے اسلم نے اس کا استقبال کیا پھر عبدالرحمٰن اور عجلی نے سب کے بعد نباتہ اور عبدالقیس نے موکہ اس طرح سے استقبال کیے جانے سے بڑا خوش ہوا۔ جب وہ محمد قاسم کے پاس پہنچا تو خود وہ اور اسکے ہمراہی گھوڑوں سے نیچے اتر پڑے۔ محمد قاسم بھی چند قدم آگے بڑھا۔ اور بڑے احترام سے اسے لا کر اپنے برابر بٹھایا اسکے اور آدمی اور مسلمان افسران دونوں کے سامنے بیٹھ گئے موکہ بار بار حیرت سے محمد قاسم کی صورت دیکھتا تھا آخر محمد قاسم سے نہ رہا گیا اور اس نے مسکرا کر کہا آپ کیا دیکھ رہے ہیں موکہ نے جواب دیا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی کتنی تھوڑی عمر ہے اور آپ نے سندھ میں آکر بہت سے قلعہ فتح کر لیے ہیں۔

محمد قاسم۔ اس خدا کا انعام ہے جس کی عبادت کرتے ہیں۔

موکہ۔ جو کچھ بھی لیکن ہے تعجب کی بات۔

محمد قاسم۔ تم شاید اس لیئے تعجب کرتے ہو کہ تمہاری قوم کے اس عمر کے بچے لڑنا نہیں جانتے

موکہ۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ مگر ہماری قوم کے مجھ سے چھوٹے بچے بھی لڑتے ہیں ہم جب ماؤں اور اناؤں کی گود میں ہوتے ہیں تو ہمیں لڑائی کے قصے سناتی ہیں اسی وقت سے ہمارے دلوں میں لڑائی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا

رہتا ہے اور جب ہوش سنبھالتے ہیں تو جنگ کے ہنر سکھائے جاتے ہیں۔

موکہ۔ ٹھیک ہے میں مصالحت کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔

محمد قاسم۔ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

موکہ۔ میں نے اپنے نجومیوں سے دریافت کیا تھا کہ فتح کس کی ہو گی انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی میں نے اسی وقت سے طے کر لیا تھا کہ آپ سے صلح کر لوں۔

محمد قاسم۔ جزاک اللہ اگر آپ کہیں میں صلح کرنے کو تیار ہوں۔

موکہ۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بیت کی حکومت کا نسلاً بعد نسلاً میں مالک رہوں۔ اس کے صلہ میں خراج ادا کروں گا۔ اور سندھ پار اترنے کیلئے کشتیاں مہیا کر دوں گا۔

محمد قاسم۔ مجھے منظور ہے۔

چنانچہ اسی وقت صلحنامہ لکھا گیا اور اس پر فریقین کے دستخط ہو گئے موکہ صلحنامہ لیکر چلا گیا۔ اور دوسرے دن محمد قاسم کے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوا۔

اٹھائیسواں باب

"کسی کی یاد"

اسلامی لشکر نہایت جوش و خروش سے نا واقف ملک میں گھسا جا رہا تھا اگرچہ مسلمان سمجھ رہے تھے کہ ان کا ہر قدم خطرہ کی طرف بڑھ رہا ہے اس لئے انھوں نے سن لیا تھا کہ داہر کا بیٹا جے سیاہ زیادہ لشکر کے ساتھ ہاتھیوں کی فوج لئے بڑھا چلا آرہا ہے اور اس کے پیچھے خود داہر بھی آنے والا ہے اور پوری جماعت کیسا تھ آئیگا

لیکن باوجود ان متوحش خبروں کے مسلمانوں کو کوئی خوف نہ تھا نہایت بے فکری اور اطمینان کے ساتھ بڑھے چلے جا رہے تھے موکہ کا لشکر بھی اس کے ہمراہ تھا اور اسکی تعداد دس ہزار تھی مگر اس کی شرکت برائے نام تھی اس سے یہ معاہدہ نہ ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا اس سے صرف یہ طے ہوا تھا کہ وہ دریائے سندھ پر پہنچکر کشتیاں مہیا کریگا۔ اور ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا اسلئے یہ توقع ہی نہ تھی کہ وہ انکی طرف سے لڑیگا بنا بریں اسکی شرکت کوئی معنی نہ رکھتی تھی اسکا لشکر مسلمانوں سے آگے چلتا تھا اور آگے ہی قیام کرتا تھا یہ تجویز محمد قاسم کی تھی۔ موکہ پر اسے پورا بھروسہ نہ تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ مبادا کسی وقت مسلمانوں کو غافل پاکر وہ شبخون نہ مارے اسکا یہ اندیشہ حق بجانب تھا اسلئے کہ موکہ سندھی تھا مسلمانوں سے ڈر کر انکے ساتھ ہو گیا تھا ایسا دشمن جس نے ڈر کر صلح کی ہو اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتا تھا لیکن محمد قاسم نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ موکہ سے کہدیتا کہ وہ تمام اپنا لشکر واپس کر دے اور صرف ہزار یا دو ہزار سوار ہمراہ رکھ لے کیونکہ یہ بھی معاہدہ میں داخل نہ تھا اور وہ کوئی بات معاہدہ کے خلاف نہ کرنا چاہتا تھا ایک دن جمعہ کی وجہ سے محمد قاسم نے لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جب جمعہ کی نماز پڑھ لی گئی تو وہ میدان میں کیمپ سے باہر کمبل بچھا کر بیٹھ گیا جس جگہ وہ بیٹھا تھا اس کے سامنے دور تک خیموں کے جھنڈ پھیلتے چلے گئے تھے لیکن شرقی جانب کھلا ہوا میدان تھا جو کہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا اس تمام میدان میں چھوٹی چھوٹی گھاس زمین سے ملی ہوئی کھڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے قدرت نے زمردی فرش بچھا دیا ہو سورج نکلا ہوا چمک رہا تھا سفید سفید دھوپ پھیلی ہوئی تھی خفیف خفیف جھونکے چل رہے تھے نہایت فرحت بخش منظر تھا۔

محمد قاسم اسی کیف آگیں نظارہ میں ڈوبا ہوا تھا کہ موکہ آگیا اور اسکے

قریب کھڑا ہو کر اسکی حالت دیکھنے لگا دیکھتا رہا دیر تک خاموش کھڑا ہوا محمد قاسم کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد اتفاقیہ اسکی نظر اٹھ گئی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اچھا آپ تشریف لائے مجھے خبر بھی نہ ہوئی اطلاع کیوں نہ کرادی میں آپ کا استقبال کرتا آیئے تشریف رکھیئے!! موکہ بڑھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے کہا جب آپ کو دیکھتا ہوں حیران رہ جاتا ہوں۔

محمد قاسم نے ہنستے ہوئے کہا۔ شاید اس لئے کہ میں ابھی بچہ ہوں۔

موکہ۔ ہاں اس لئے۔

محمد قاسم۔ مگر میں عرض کر چکا کہ میری قوم کے مجھ سے چھوٹے بچے بھی لڑائی کے اس قدر شائق ہوتے ہیں۔ جس قدر کہ بڑے

موکہ۔ یہ زندہ اور بہادر قوم کی نشانی ہے۔

محمد قاسم۔ آپ نے دریائے سندھ دیکھا ہے۔

موکہ۔ سیکڑوں مرتبہ۔

محمد قاسم۔ سنا ہے کہ وہ بہت گہرا اور چوڑا ہے۔

موکہ۔ بالکل ٹھیک سنا ہے آپ نے

محمد قاسم۔ اگر پل تیار کیا جائے تو کتنی کشتیاں تیار ہوں گی۔

موکہ۔ سیکڑوں چاہیئے۔

محمد قاسم۔ آپ کشتیاں کہاں سے فراہم کریں گے۔

موکہ۔ دریا میں جس قدر کشتیاں ملاحوں کی ہوں گی تمام پکڑوا لوں گا۔

محمد قاسم۔ لیکن اگر پھر بھی کمی رہی۔

موکہ۔ اور بنوادی جائیں گی۔

محمد قاسم۔ داہر کے کتنے راجہ ہیں؟

موکہ۔ مجھے ٹھیک معلوم نہیں لیکن شاید چار یا پانچ ہیں اور سیکڑوں خوبصورت اور کمسن کنیزیں ہیں۔

محمد قاسم۔ ہاں میں نے اسے دیکھا ہے۔

موکہ نے مسکراتے ہوئے کہا کیا خواب میں؟

محمد قاسم۔ نہیں بیداری میں۔

موکہ۔ کہاں دیکھا تھا۔

محمد قاسم۔ دیبل کے قریب

موکہ۔ وہ وہاں کہاں پہونچ گئی تھیں۔

محمد قاسم۔ کسی مندر میں اپنی نصرت کیلئے دعا مانگنے کیلئے آئی تھیں

موکہ ٹھیک ہے میں نے بھی سنا تھا کہ رانی لاڈی تمام رانیوں سے زیادہ حسین ہے وہ گلاب کا پھول ہے جو اسے ایک مرتبہ دیکھ لیتا ہے دوبارہ دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے۔

محمد قاسم۔ آپنے سچ کہا ہے میں نے اسے رات کے وقت دیکھا تھا اگرچہ اس بات کو عرصہ ہوا لیکن اب بھی کبھی کبھی ان کی صورت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے

موکہ۔ انھوں نے شاید تم کو نہیں دیکھا

محمد قاسم۔ اچھی طرح دیکھا ہے۔

موکہ تعجب ہے کیا ان کے ساتھ اس وقت لشکر نہ تھا

محمد قاسم۔ تھا مگر کوئی شخص چندر نامی اسے پھسلا کر لایا تھا اور تنہا جنگل میں لے گیا تھا وہ ان پر دست درازی کرنا چاہتا تھا کہ اتفاق سے میں وہاں جا پہونچا میں نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔

موکہ۔ خوب اور رانی لاڈی کو کیوں نہ گرفتار کیا۔

محمد قاسم۔ انکی بھولی صورت اور معصوم نگاہیں دیکھکر مجھے انکی جرأت ہی نہ ہوئی

محمد قاسم دوم

موکہ۔ اگر تم انہیں گرفتار کر لیتے تو راجہ داہر سے صلح کر لیتا۔

محمد قاسم۔ گرفتار نہ کرنے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔

موکہ۔ کیا؟

محمد قاسم۔ ایک لڑکی طاہر داہر کے محل میں ہے اور وہ اسکی محافظ ہے۔

موکہ۔ بات یہ ہے کہ رانی جس قدر خوبصورت ہے اسی قدر نیک ہے وہ اپنی کوشش میں مصروف رہتی ہے کہ داہر سیاہ کاریاں چھوڑ دے۔

محمد قاسم۔ تعجب ہے کہ ایسی حسین رانی کے ہوتے وہ دوسری رانیوں سے ارتباط محبت بڑھاتا پھرے۔

موکہ۔ اس سے لوگ اسی وجہ سے ناراض ہیں۔

محمد قاسم۔ ہونے ہی چاہئیں۔

موکہ۔ میں نے سنا ہے کہ راجہ داہر تمام رانیوں کو ہمراہ لیکر لڑائی کیلئے آئیگا

محمد قاسم۔ خیر وہ جیسے بھی آئے مگر یہ اس نے اچھا نہ کیا کہ مسلمانوں کو بلاوجہ چھیڑا

موکہ۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تم کیوں آتے۔

محمد قاسم۔ پھر کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی۔

موکہ۔ مگر ہماری پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسلمان اس ملک پر حملہ کرینگے یہ بات بھی ہونی ضرور ہے آخر مسلمانوں کیلئے حملے کیلئے کوئی نہ کوئی سبب تو ہونا چاہیئے۔

محمد قاسم۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ چھا دریائے سندھ کے اسطرف سب سے پہلا قلعہ کونسا ہے

موکہ۔ بیجے دار (بجے پور) لیکن آپ کا وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔

محمد قاسم۔ کیوں؟

موکہ۔ اس لئے کہ جے سیاہ دریائے سندھ پر آگیا ہے۔

محمد قاسم۔ تو شاید وہ ہمارے دریا کو عبور کرنے میں مزاحمت کرے۔

موکہ۔ یقیناً کرے گا۔

محمد قاسم۔ وہ خدا مدد گار رہے۔

موکہ۔ کیا آپ ایک بات بتا دیں گے۔

محمد قاسم۔ کیوں نہ بتاؤں گا۔

موکہ۔ اگر رانی لاڈی آپ کو مل جائیں تو آپ کیا کریں گے۔

محمد قاسم۔ اگر میدان کارزار میں گرفتار ہوئیں تو لونڈی شمار کی جائیں گی اور پھر ان کا تصفیہ دارالسرائے (حجاج) کر سکیں۔

موکہ۔ لیکن اگر وہ خود ہی آپ کے پاس چلی آئیں۔

محمد قاسم۔ تب وہ آزاد ہوں گی مگر یہ کیسے ممکن ہے۔

موکہ۔ میرا خیال ہے کہ جب آپ انہیں یاد کرتے رہتے ہیں تو وہ بھی آپکو یاد کرتی ہونگی

محمد قاسم۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ جاتی ہی کیوں۔

موکہ۔ اگر تم نہ جانے دیتے تو کیسے جاتی۔

اب عصر کی اذان ہوئی اور محمد قاسم نے کہا معاف کیجیے کہ اذان ہو رہی ہے کیونکہ اب مجھے نماز پڑھنے کے لئے جانا ہے۔

موکہ۔ کیا فوراً ہی۔

محمد قاسم۔ جی ہاں ہمارے لئے حکم ہے کہ اذان کی آواز سنتے ہی تمام کام چھوڑ دو اور نماز کیلئے روانہ ہو جاؤ۔

موکہ۔ جائیے میں بھی اجازت چاہتا ہوں۔

موکہ اٹھ کر چلا گیا۔ محمد قاسم نے لشکر کے ساتھ نماز پڑھی اور وہ رات اسی میدان میں بسر کی دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی لشکر نے کوچ کیا دوپہر قریب وہ دریائے سندھ کے کنارے پر جا پہنچے مسلمانوں نے اس عظیم الشان

دریا کو دیکھا وہ نہایت چوڑا تھا۔ جہانتک نظر جاتی تھی پانی ہی پانی موجیں مارتا نظر آرہا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر راجپوتوں کا لشکر خیمہ زن تھا مسلمانو نے قیاس سے سمجھ لیا کہ وہ لشکر داہر کے بیٹے جے سیاہ کا ہے مسلمانوں نے بھی اپنے کنارے پر خیمہ نصب کر دیئے اس سے اسے کچھ دور ہٹ کر موکہ کا لشکر خیمہ زن ہوا

انتیسواں باب

"عجیب پل"

ہم بیان کر چکے ہیں کہ دریائے سندھ ایسا عظیم الشان دریا ہے کہ اہل ہند اسے اباسن (دریاؤں کا باپ) کہتے ہیں دنیا میں بہت کم ایسے دریا ہیں جو اس کا مقابلہ کرتے ہیں اسلامی لشکر جہیم کے میدان میں ٹھہرا نہ تھا روزآنہ مسلمان صبح کی نماز پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے اور دریا کے کنارے پر پہونچ گئے اور اسے عبور کرنے کی تدابیر سوچتے اگر کوئی معمولی دریا ہوتا تو شاید عرب اس میں گھوڑے ڈال دیتے اور اسے عبور کر لیتے مگر سندھ جیسے ذخار دریا کو اس طرح پار کرنا غیر ممکن تھا اور اس لئے وہ کشتیوں کا انتظار کر رہے تھے موکہ ساگر چلا گیا تھا اور وہاں کشتیاں فراہم کرنے لگا تھا چند دن میں اس نے بہت سی کشتیاں فراہم کر لیں ادھر مسلمانوں نے بھی درختوں کو کاٹ کاٹ کر کشتیاں بنائیں۔

جب دو سو کشتیوں کے قریب تیار ہو گئیں تب اسلامی لشکر نے ان کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنے کا ارادہ کیا لیکن جے سیاہ اپنا زبردست لشکر لئے دوسرے کنارے پر پڑا ہوا تھا وہ روزآنہ صبح ہوتے ہی چار پانچ ہزار سپاہیوں کو کنارہ پر کھڑا کر دیتا تھا اور وہ تیر کمان لیکر اس انتظار میں رہتے تھے کہ جونہی مسلمان

کشتیوں پر بیٹھ کر دوسرے کنارے کی طرف چلیں اور وہ تیر کمان کا مینھہ برسا کر انھیں ختم کر ڈالیں۔

کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مسلمان چند کشتیوں میں بیٹھ کر چلے اور جب دریا کے بیچ میں پہونچے تو ہندؤں نے اس کثرت سے تیر برسائے کہ انہیں مجبور ہو کر واپس لوٹنا پڑا محمد قاسم نے اسطرح پار ہونے کی کوشش بند کر دی ایک دن اس نے تمام کشتیوں میں جو دوسو کے قریب تھیں پچاس پچاس غازیان اسلام کو سوار کرا کر کشتیوں کو چھوڑ دیا اور انھیں ہدایت کر دی کہ وہ بھی تیر اندازی کرتے ہوئے بڑھے چلے جائیں آج جے سیا بھی اپنے تمام لشکر کے کنارہ پر آگیا تھا اور اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب اسلامی کشتیاں دریا کے بیچ میں آجائیں اس وقت ان پر تیر افگنی کی جائے ایک کنارے پر مسلمان کھڑے ہوگئے اور دوسرے پر ہندو کشتیاں چلیں اور پانی کو چیرتے ہوئے بڑھیں۔ آج ہوا کسی قدر تیز تھی اسلئے عظیم الشان دریا میں اونچی اونچی موجیں اٹھ رہی تھیں ان موجوں سے کشتیاں تھپیڑے کھاتی ان کے اوپر سے گزرتی چلی جارہی تھیں جب وہ منجدھار میں پہنچیں تو ہندؤں نے ایکدم شور کر کے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی مسلمانوں نے بھی تیر برسا برسا کر انکا جواب دینا شروع کیا مگر ہندؤں کے تیر اس کثرت سے آنے لگے کہ ان سے بچنا دشوار ہو گیا اور مسلمان زخمی ہو ہو کر کشتیوں میں بیٹھنے لگے محمد قاسم اور تمام مسلمان یہ کیفیت دیکھ دیکھ کر بہت غضبناک ہو رہے تھے انکے چہرے جوش سے سرخ ہو رہے تھے آنکھیں ابل آئی تھیں اکثر پرجوش مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے مگر فوراً ہی محمد قاسم نے انکو روکا اور واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ مجبوراً وہ لوگ جنہوں نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے تھے واپس لوٹ آئے مسلمانوں کو جوش اور غصہ تو بہت آرہا تھا دریائے ذخار پر کچھ بس نہ

چلتا تھا اسے عبور کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی اور کوئی قوم ہوتی تو ہمت ہار دیتی مگر مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری وہ برابر دریا کو عبور کرنے کی فکر میں رہے بغیر قربانی کے کسی قوم نے کسی زمانہ میں ابتک کچھ حاصل نہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور ان قربانیوں کی بدولت ہی سب کچھ حاصل کیا ابھی کشتیاں منجدھار میں نہ پہونچنے پائی تھیں کہ ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی گئی پھر اس کثرت سے کہ جب آتے تھے تو آفتاب انکے پیچھے چھپ جاتا تھا۔ چونکہ مسلمان مجروح ہو ہو کر کشتیوں میں بیٹھنے لگے تھے اس لئے محمد قاسم کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں تمام کشتیوں والے مسلمان زخمی ہو ہو کر ناکارہ نہ ہو جائیں چنانچہ اس نے فوراً جھنڈے سے اشارہ کیا اور انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ کشتیوں والے مسلمان نہ چاہتے تھے کہ واپس لوٹیں۔ اگرچہ وہ مجروح ہو رہے تھے اور خوب جانتے تھے کہ دوسرے کنارے پر صحیح و سالم پہنچنا غیر ممکن ہے لیکن پھر بھی چاہتے تھے کہ واپس نہ لوٹیں اور آگے ہی بڑھتے رہیں مگر ان کے سپہ سالار نے انہیں واپس لوٹنے کا اشارہ کیا تھا اور اس لئے اب وہ آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔

چنانچہ تمام کشتیاں واپس لوٹا دی گئیں ہندوؤں نے جب انہیں دیکھا تو فرط مسرت سے اچھل اچھل کر جیکارے لگانے لگے۔ اور شور مچانے لگے ان کے شور سے تمام وادی اور سارا دریا گونج اٹھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام کشتیاں کنارہ سے آلگیں مسلمان اتر اتر کر خشکی پر آ گئے اور جو لوگ مجروح ہو گئے تھے ان کی مرہم پٹی کی جانے لگی آج بقیہ دن مسلمانوں نے کچھ نہ کیا واپس لوٹ کر اپنے کیمپ میں پہونچ گئے اور آرام کرنے لگے لیکن محمد قاسم کو بڑا فکر تھا اسے آرام کہاں تھا وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور دریا کے کنارے شمال مشرق کی طرف بڑھا کئی میل چلا لیکن کہیں بھی دریا کچھ تھوڑا سا تنگ نظر نہ آیا وہ واپس لوٹ آیا اور تمام تسبیاسی

فکر میں غلطاں و پیچاں رہا صبح اس نے نماز پڑھتے ہی پھر لشکر کو کنارہ پر صف بستہ ہونے کا حکم دیا تمام لشکر مسلح ہو کر کنارہ پر جا پہونچا۔ سب کے بعد محمد قاسم آیا اور اس نے کہا۔ مسلمانوں! آج میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے اگر خدا نے چاہا تو ہم دریا پر پل بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تمام افسران اس کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے وہ حیرت سے محمد قاسم کو دیکھ رہے تھے ایک افسر کا نام ذکوان تھا اس نے کہا یا سید بھلا پل اس وقت تک نہیں بنایا جا سکتا جبتک کہ کشتیاں دوسرے کنارے پر نہ پہونچ جائیں اور دشمن کشتیوں کو دوسرے کنارے پر نہیں پہونچنے دیتے پھر پل کیسے بن سکتا۔

محمد قاسم۔ اگر عقل و تدبر سے کام لیا جائے تو پل بن سکتا ہے۔

عجلی۔ ہم نے بہت کچھ فہم و ادراک سے کام لیا مگر ہماری سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آئی۔

عبدالرحمن۔ میری بھی کئی راتیں سوچتے ہوئے گذری ہیں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا

محمد قاسم۔ اچھا یہ اندازہ لگاؤ کہ دریا کتنا چوڑا ہے۔

عبدالرحمن۔ میرے خیال میں کم از کم نو سو گز چوڑا ہے

بنانہ۔ اس جگہ دریا کا عرض ذرا کم ہے اس لئے میرا خیال بھی یہی ہے کہ نو سو گز چوڑا ہوگا۔

محمد قاسم۔ اور ہماری کشتیاں اوسطاً کتنی لمبی ہیں۔

اسلم۔ زیادہ سے زیادہ آٹھ آٹھ گز لمبی ہیں۔

عجلی۔ بالکل ٹھیک ہے چھوٹی بڑی کشتیاں سب ملا کر آٹھ گز اوسطاً ہونگی

محمد قاسم اس حساب سے ایک سو تیرہ کشتیوں سے پل تیار ہو سکتا ہے

اسلم۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ اور ہمارے پاس ایک سو اسی کشتیاں ہیں۔

اسلم۔ یہ میں نے شمار نہیں کیا۔

محمد قاسم۔ میں نے گن لیا ہے۔

اسلم۔ بس تو ٹھیک ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا تم دریا کے چڑھاؤ یعنی شمال کی طرف کشتیاں جوڑتے چلے جاؤ اور ایسی مضبوط جوڑو کہ ان سے پل تیار ہو جائے۔

ذکوان۔ مگر اس سے کیا فائدہ ہوگا ہمیں پل بنانا چاہیئے مغرب سے مشرق کی طرف اس وقت تم ہم دریا سے پار ہو سکتے اگر ہم نے جنوب سے شمال کی طرف پل باندھا تو......

محمد قاسم۔ شاید کوئی نتیجہ نکل آئے تم دریا کی چڑھائی کی طرف پل بنانا شروع کردو۔

اگرچہ محمد قاسم کی تدبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی نہ محمد قاسم نے سمجھانے کی کوشش کی مگر فوراً کشتیوں کو جوڑ جوڑ کر دریا کے چڑھاؤ کی طرف پل بنانا شروع کر دیا گیا۔ تمام کشتیوں سے بڑی بڑی کشتیاں چھانٹ چھانٹ کر اس پل میں لگا دی گئیں، عام طور پر کشتیاں آٹھ گز لمبی اور پانچ گز چوڑی تھیں۔ اکثر کشتیاں چھ چھ گز اور چار چار گز لمبی تھیں۔ مگر چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھیں اور بڑی زیادہ تھیں مسلمانوں نے ہر کشتی کو دوسری سے ملا کر موٹے موٹے رسوں سے خوب مضبوط کس کس کے پل تیار کر دیا۔ جب پل تیار ہو گیا تو محمد قاسم کشتیوں میں گیا۔ اور اس نے جانچ کیا کہ پل ایسا مضبوط بنا دیا ہے جو آسانی سے نہیں ٹوٹ سکتا اب اس نے ان پر تختے بچھوانا شروع کر دیئے چنانچہ تمام کشتیوں پر تختے بچھا بچھا کر جوڑ دیئے گئے تاکہ وہ کسی وقت بھی جنبش نہ کھا سکیں جب اس طرح پل تیار ہو گیا تو دن

چھپنے کے قریب پہونچ گیا تھا محمد قاسم نے آج مسلمانوں کو پل کے اوپر ہی آرام کرنے کا یا ٹھہرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمان پل کے تختوں پر اور دریا کے کنارے پر کھڑے دیکھتے رہے انکی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ مسلمان کیا کیا کر رہے ہیں ہندو تو کیا خود مسلمان بھی نہ سمجھتے تھے لیکن ہندوؤں کو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمان رات کے وقت کوئی کارروائی کریں گے اسلئے وہ سامنے والے کنارہ پر آگئے تھے اور مسلمان کے بالمقابل ٹھہر گئے تھے ساری رات مسلمان اور ہندو آگ روشن کئے باری باری جاگتے سوتے رہے جب صبح صادق ہوئی تو مسلمانوں نے نماز پڑھی نماز پڑھ کر محمد قاسم نے دعا مانگی خدایا مسلمان کی امداد کر اور جو تجویز میں نے سوچی ہے اسمیں کامیابی عطا فرما دعا مانگ کر وہ اٹھا اور مسلمانوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا فوراً تمام مسلمان مسلح ہو کر کھڑے ہو گئے ادھر ہندو بھی مسلح ہو گئے اور دو دھر موکہ اور اس کا لشکر بھی حیرت سے مجاہدین اسلام کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہ محمد قاسم کیا کرنے والا ہے۔

موکہ رہ رہ کر حیران ہو رہا تھا کہ پل تو بنا یا گیا ہے دریا کے چڑھاؤ کی طرف اور مسلمانوں کو اترنا ہے مغرب سے مشرق کی طرف پھر یہ پل کیا کام دیگا اب محمد قاسم نے سب سے آخری کشتی جو چڑھاؤ کی طرف تھی اس میں سو بہادر مسلمان بٹھا کر ہدایت کی کہ وہ قطاروں میں اس طرح بیٹھ جائیں جس طرح نماز پڑھتے وقت دو زانو بیٹھا کرتے ہیں چنانچہ اسی طرح مسلمان بیٹھ گئے اب اس نے کہا کہ ڈھالیں کھڑی کر لو اور اپنی حفاظت کیلئے ان کا قلعہ بنا لو اس کے حکم کے بموجب ڈھالیں کھڑی کر کے قلعہ بھی بنا لیا گیا۔ اب محمد قاسم نے بہت سے موٹے موٹے رسے کشتی کے کنڈوں میں باندھ کر ان ڈھالیوں کو کشتی میں ڈلوا دیا اور ان میں میخیں باندھ دیں چند کشتیاں جنوب کی طرف لگا کر پل سے باندھ دی گئیں اور ان میں بھی مجاہدین کو بٹھا دیا گیا اس کے علاوہ آگے پیچھے تمام کشتیوں پر مسلمان کھڑے کر دیئے گئے اور

انکو زیادہ تعداد میں تیر دیدیئے گئے اب محمد قاسم نے ان رسیوں کو کھلوایا جو کنارہ میں
میخوں سے بندھے تھے اور جن کے سہارے سے پل ٹھہرا ہوا تھا ملاحوں کو حکم دیا کہ وہ
شمال سے مشرق کی طرف پل کو تیرائیں چنانچہ ملاحوں نے پتوار اور ڈنڈا لیکر شمالی جانب
کی آخری کشتی کو مشرق کی طرف پھیلایا جوں جوں وہ بڑھتی جاتی تھی پل مشرق کی طرف
پھیلتا جاتا تھا اب ہر ایک کی سمجھ میں آ گیا کہ محمد قاسم کیا چاہتا ہے اس کا مطلب یہ
تھا کہ اس طرح شمال کی طرف کشتیاں ڈھکیل کر مشرق کیطرف بڑھتی جائیں گی اور
پل مغرب سے مشرق کی طرف پھیلتا جائیگا چونکہ پل بنانے کی یہ عجیب اور نرالی تدبیر
تھی اس لئے سب نوجوان مجاہد محمد قاسم کی عقل و دانش پر آفریں پکار اٹھے چونکہ
کشتیاں ایک دوسری سے بندھی ہوئی تھیں اس لئے دوسرے والی کشتی کے ساتھ
مشرق کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ یہ عجیب تدبیر پل بنانے کی دیکھ کر ہندو
حیرت زدہ ہو گئے دیر تک دیکھتے رہے مگر جب پل بہہ کر ان کے زیادہ قریب پہونچ
گیا تو وہ حیرت سے چونکے اور شور کر کر کے تیر برسانے لگے محمد قاسم نے تیروں سے بچنے
کیلئے تدبیر پہلے ہی کر رکھی تھی اس نے ڈھالوں کا قلعہ بنا دیا تھا۔ ہندوؤں
کے تیر ڈھالوں پر آ آ کر رک رہے تھے ادھر وہ کشتیاں جو پل کے ادھر ادھر
لگائی گئی تھیں ان میں جو مسلمان سوار تھے انھوں نے ہندوؤں پر تیر برسانے
شروع کئے ملاحوں نے اپنی پوری طاقت سے کشتیوں کو کھینا شروع کیا وہ کبھی
ڈھالوں کی آڑ میں بیٹھے پتوار چلا رہے تھے کشتیاں نہایت تیزی سے کھِسکتی جا رہی تھیں
اور جوں جوں کھسکتی جاتی تھیں پل بڑھتا چلا جا رہا تھا مسلمان نہایت خوش
ہو رہے تھے ان کے ادھر ادھر پانی کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور وہ نہایت اطمینان سے
بیٹھے اور کھڑے تھے جو مسلمان پچھلی کشتیوں میں کھڑے تھے اور وہ کبھی ہندوؤں
پر تیر پھینک رہے تھے آج ہندو بھی مسلمانوں کے تیروں سے مجروح ہو کر

تھے، محمد قاسم، اسلم، ذکوان اور عجل سب سے اگلی کشتی میں ڈھالوں کے پیچھے بیٹھے تھے وہ اس بات کا خیال کر رہے تھے کہ کہیں پل چھوٹا نہ رہے بلکہ جب کشتی مشرقی کنارہ پر پہونچی تو ساحل سے ٹکرا کر رک گئی ہندوؤں نے شور مچانا شروع کیا چونکہ اب ان کے تیر بیکار ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے شمشیریں سونت لیں اور کشتی کی طرف بڑھے ایک موٹا تازہ ہندو جھپٹا ابھی وہ کشتی کے قریب پہونچا بھی نہ تھا کہ دریا کے شمال کی طرف سے ایک تیر آ کر اس کے سینے میں لگا اور وہ چیخ مار کر اوندھے منہ گرا مسلمانوں کو حیرت ہوئی کہ اس طرف سے کس نے تیر چلایا اسلم کی نظر جب سامنے گئی تو اس نے اس طرف ایک نوعمر لڑکے کو تیر کمان لئے ہوئے کھڑا دیکھا وہ ریشمیں عربی لباس پہنے تھا دھوپ میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ دور سے بالکل فرشتہ معلوم ہو رہا تھا۔ اسلم نے محمد قاسم کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ نے دیکھا اس عربی لڑکے کو؟ محمد قاسم بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ہاں دیکھا تعجب ہے کہ یہ کون لڑکا ہے اور کیسے ہم سے پہلے اس طرف پہونچ گیا اب مسلمان کشتیوں سے کود کود کر کنارہ پر پہونچے اور ہندوؤں سے لڑنے لگے ہندو بھی پیدل تھے لیکن وہ بیشمار تھے مسلمان کود کود کر فرداً فرداً پہونچ رہے تھے۔ محمد قاسم، اسلم، ذکوان اور عجل بھی کود کود کر خشکی پر جا پہونچے اور انہوں نے سب سے پہلے رسے کھینچ کر میخیں گاڑ دیں اور اس طرح مغرب سے مشرق تک پل قائم ہو گیا اب مسلمان دوڑ دوڑ کر پل عبور کر کے مشرقی کنارے پر جا پہونچے اور پہونچتے ہی لڑنے لگے۔

تیسواں باب

"شکست فاش"

محمد قاسم کے ذہن میں جو پل بنانے کی تدبیر آئی وہ نہایت ہی عجیب و غریب تھی
اس سے پہلے کسی نے اس طرح کوئی پل کسی دریا پر نہ بنایا تھا تمام ہندو سارے مسلمان
مو کہ اور اس کے ساتھی کمال متحیر ہوئے اور وہ محمد قاسم کی دانشمندی کی تعریف کئے بغیر
نہ رہ سکے جے سیاہ نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر حملہ کرنے پر برانگیختہ کیا ہندو ان مسلمانوں
پر جو کشتیوں کے نیچے اتر آئے تھے ٹوٹ پڑے اور نہایت زور سے جنگ شروع کر دی
مسلمان جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے ہندوؤں کو
دریا کے کنارے سے پیچھے ڈھکیلنے لگے جنگ شروع ہو گئی تلواریں جلد جلد اٹھ اٹھ
کر سر و تن کے فیصلے کرنے لگی سر فرش کٹ کٹ کر گرنے لگے لاشیں لڑھک لڑھک
کر دریا میں گرنے لگیں - خون دریا کے پانی میں مل مل کر پانی کو سرخ رنگ میں رنگنے لگا
مشرقی کنارے پر ہندوؤں کا تمام لشکر تھا اور لشکر بھی بہت زیادہ تھا - اگر چہ
مسلمان بھاگ بھاگ کر آ رہے تھے مگر ابھی تک گنتی کے چند مسلمان ہی آ سکے تھے
مگر جو آگئے تھے وہ موت کی لڑائی لڑ رہے تھے ہر مسلمان حقیقت میں شیر بن گیا تھا اور شیر
کی طرح حملے کر کر کے ہندوؤں کو چیر پھاڑ رہا تھا ہندو بھی بڑے جوش و غضب سے حملے کر
رہے تھے مسلمان ہندوؤں کو دریا کے کنارے سے پیچھے ہٹانا چاہتے تھے تاکہ آنے والے
مسلمانوں کیلئے کنارہ پر اترنے کی جگہ نکل آئے اور ہندو بھی ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کو تیار
نہ تھے وہ جہاں تھے وہیں کھڑے لڑ رہے تھے آتش جنگ مشتعل ہوتی جا رہی تھی اور دمبدم
پھیلتی جاتی تھی مسلمان دوڑ دوڑ کر آ رہے تھے لیکن کنارہ پر ہندوؤں کی اس قدر

کثرت تھی کہ وہ کشتیوں سے نیچے نہ اتر سکتے تھے چونکہ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ کنارہ پر
پانی کم ہوتا ہے اس لئے اب مسلمانوں نے دریا میں کود کود کر کنارہ پر پہنچا اور پہنچتے ہی
لڑائی شروع کر دی اس طرح سے مسلمان دور تک پھیل گئے اور جہاں تک وہ پھیلتے تھا ذ
جنگ بھی پھیلتا چلا گیا تھا آج مطلع صاف تھا آفتاب پوری آب و تاب سے نکلا ہوا
تھا دھوپ اچھی طرح پھیلی ہوئی تھی ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے دونوں فریق
جوش و غضب سے بھرے ہوئے ایک دوسرے کو فنا کر ڈالنے کیلئے پوری طاقت سے حملے کر
رہے تھے ہندو دیکھ چکے تھے کہ اول تو مسلمانوں کا تمام لشکر ان سے بہت ہی کم ہے دوسرے
جسقدر مسلمان اب کشتیوں کے پاس سے کود کود کر ان کے مقابلہ میں آئے تھے وہ آٹے
میں نمک کی مثال تھے اس لئے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور وہ اپنی پوری طاقت
سے مسلمانوں کو قتل کر کر کے دریا میں ڈھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر مسلمان
ایسے جوش سے لڑ رہے تھے کہ ہر اس ہندو کو مار ڈالتے تھے جو ان پر حملہ کرتا اور اگر ان پر
کوئی حملہ نہ کرتا تھا تو وہ خود جھپٹ جھپٹ کر حملہ کرتے تھے محمد قاسم تلوار لئے ادھر ادھر
لپک لپک کر حملے کرتا اور دشمنوں کو قتل کر کر کے گراتا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے
اسلم بھی اسی تیزی سے لڑتا دشمنوں کو مار مار کر گراتا اس کے پیچھے لگا چلا آ رہا تھا
ذکوان اور عمل جنوب کی طرف راستہ صاف کرتے دشمنوں کو ہٹاتے اور مارتے بڑھ
رہے تھے غرضکہ آسیائے جنگ نہایت تیزی سے چل رہی تھی اور ہندو اور مسلمان آپس
میں پس رہے تھے البتہ یہ بات ضرور تھی کہ مسلمان کم مر رہے تھے اور دشمن زیادہ
ہندوؤں کو خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر ڈالیں گے لیکن جب مسلمانوں نے
خود ہی ان کو قتل کرنا شروع کیا تو وہ ذرا احتیاط سے لڑنے لگے ادھر مسلمانوں کے
جب وہ دستے جو محمد قاسم نے کشتیوں میں بٹھا دیئے تھے کسی نہ کسی طرح کنارہ پر پہنچ
کر لڑائی میں مشغول ہو گئے تو اب سواروں کے رسالے بڑھنے لگے یہ لوگ بھی سرعت سے گھوڑ دوڑا

کو دوڑاتے دوسرے کنارے پر پہونچے اور عبور کرکے گھوڑوں کو گدگدا کر ساحل پر جا اترے ان سواروں نے خشکی پر پہونچتے ہی ایسے جوش و خروش سے حملے کئے کہ ہندؤں کی تعداد کثیر نذر اجل ہو گئی جہاں تہاں مردوں کے ڈھیر لگ گئے اور ان کی صفوں کی صفیں الٹ گئیں

یہ کیفیت دیکھ کر جے سیاہ نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ہندو پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے اور اس طرح کنارہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اب اسلامی لشکر کے سواروں کو جگہ ملی اور وہ جلدی جلدی پل کو عبور کرکے کنارے پر اترنے اور میدان میں پھیلنے لگے۔ ہر مسلمان یہ چاہتا تھا کہ اسے جلدی سے ذرا سی جگہ خشکی پر مل جائے اور وہ وہاں پہونچکر جنگ شروع کر دے مگر وہ ایسی سرعت اور گڑبڑ بھی نہیں کر رہے تھے جس سے بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے پل ہی دریا میں بیٹھ جائے یا ایک سوار دوسرے پر چڑھ جائے اگرچہ ان میں سے ہر ایک جلد سے جلد میدان کارزار میں پہونچ کر لڑنا چاہتا تھا مگر پل کو نہایت اطمینان کیساتھ عبور کیا جا رہا تھا۔

اب جے سیاہ ہاتھیوں پر سوار ہو گیا۔ اس نے تمام ہاتھیوں کو اپنے ہاتھی کے ادھر ادھر پھیلا دیا اور وہ مسلمانوں کی طرف ان کالی پہاڑیوں کو لیکر چلا۔ خوش قسمتی سے ان ہاتھیوں کا رخ اس طرف ہو گیا جس طرف پیدل مسلمان تھے اور نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ اگر یہ عظیم الجثہ جانور کالی رات کی طرح گھوڑوں کی طرف بڑھتے تو چونکہ عربی گھوڑے ایسی کالی بلاؤں سے ناواقف تھے اس لئے وہ ضرور بھڑک اٹھتے اور انکے بھڑکنے سے شاید لڑائی کا پانسہ بدل جاتا لیکن جے سیاہ سے یہ حماقت ہوئی کہ وہ ہاتھیوں کی فوج بجائے سواروں کے پیدلوں کی طرف لے گیا شاید اسے یہ خیال ہوا کہ ان ہاتھیوں سے وہ پیدل مسلمانوں کو پامال کر دے چنانچہ وہ اس جگہ پہونچا جہاں محمد قاسم، اسلم اور ساٹھ ہزار مسلمان مصروف پیکار تھے۔ مسلمانوں نے ہاتھیوں

کو آتے ہوئے دیکھا وہ گھبرا گئے اور ان بلاؤں سے چھٹکارہ پانے کے لئے کوئی تجویز سوچنے لگے لیکن اتنا موقع نہ تھا کہ وہ اطمینان سے کھڑے ہو کر سوچتے کیونکہ ہندو ان کے گرد تھے۔ ان کی تلواریں ان پر برس رہی تھیں وہ بھی لڑ رہے تھے۔ مگر یہ دیکھ رہے تھے کہ انکے اور ہاتھیوں کے درمیان جو ہندو تھے وہ ادھر ادھر کٹتے چلے جا رہے تھے وہ بھی ترچھی نظروں سے ہاتھیوں کو دیکھ دیکھ کر ان ہندوؤں سے لڑ رہے تھے جو ان کے ادھر ادھر پھیلے ہوئے تھے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہندوؤں نے انھیں محاصرہ میں لیکر ہاتھیوں کے سامنے سے جا ڈالنے کی کوشش کی ہے ظاہر ہے کہ انسانوں کا ہاتھیوں سے کیا مقابلہ مسلمانوں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ ان کی شہادت کا وقت قریب آگیا ہے مگر باوجود اس کے ان پر خوف کا غلبہ نہ ہوا اور وہ جس جوش اور جس شان سے لڑ رہے تھے برابر لڑتے رہے۔ ابھی ہاتھی ان سے کچھ فاصلہ پر تھے۔ مگر قدم قدم بڑھے چلے آ رہے تھے۔ اسلم نے محمد قاسم سے کہا ان کالی پہاڑیوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ محمد قاسم نے کہا۔ خدا پر اعتماد رکھو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (یعنی کوئی خوف اور طاقت سوائے اللہ کے نہیں ہے) کا ورد کرتے رہو۔ جب ہاتھی انکے قریب آ گئے تب محمد قاسم نے بلند آواز سے کہا۔ ان کی سونڈ پر ضربیں لگاؤ۔ مسلمان تیار ہو گئے لیکن سب سے پہلے انہوں نے ادھر ادھر حملہ کر کے ہندوؤں کو دبانا اور پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ جنگ کچھ ایسی شدومد کے ساتھ ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو دوسری جماعت کا کچھ حال معلوم نہ تھا۔ ہر گروہ اپنے حال میں گرفتار تھا۔ چونکہ ہندوؤں کی کثرت تھی اس لئے ہر طرف اور ہر جگہ ہندو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے جنگ کر رہے تھے۔ مسلمان بھی سر جھکائے نہایت اطمینان اور بڑے استقلال سے لیکن کمال جوش اور بڑی پھرتی سے لڑ رہے تھے وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کرتے تھے اور ہر حملہ میں ایک دو ہندوؤں کو مار کر گرا دیتے تھے موت کا بازار گرم ہو رہا تھا اور بہادر کٹ کٹ کر گر رہے تھے جہاں تک نظر

جاتی تھی خون آلودہ تلواریں اٹھتی اور جھکتی نظر آتی تھیں۔ ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر اچھلتے
اور گرتے نظر آتے تھے محاذ جنگ بہت کچھ پھیل گیا تھا اور ہر جگہ نہایت زور شور سے
جنگ ہو رہی تھی۔ محمد قاسم، اسلم اور ان کے ساتھیوں نے ہندوؤں کو مار مار کر
اپنے گرد لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ اب ہاتھی بالکل ان کے قریب پہنچ گئے
تھے اور ان کی پھنکاروں کی آوازیں سننے لگے تھے۔ وہ بھی ان پر حملہ کرنے کے
لئے مستعد ہو گئے تھے۔ دفعتاً ان کی پشت کی طرف سے آ کر ہاتھی کی آنکھ میں
تیر لگا اور اس نے چیخ ماری اس کے چیختے ہی تمام ہاتھی رک گئے اور لمبی سونڈیں
موڑ موڑ کر منہوں میں دبا دبا کر کھڑے ہو گئے مجروح ہاتھی بری طرح سے چنگھاڑ رہا تھا
اور اگلے پیروں کو زمین پر مار رہا تھا۔ اسلم، محمد قاسم اور اسلم کے ساتھی حیران
ہو رہے تھے کہ کس بہادر نے اس وقت تیر چلا کر ہاتھی کو زخمی کرنے کی جرأت کی ابھی
ان کی حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ پھر ایک تیر آ کر لگا جو دوسرے ہاتھی کی آنکھ میں پیوست
ہو گیا اور اس نے بھی دلدوز چیخ ماری اب اسلم نے پشت کی طرف دیکھا اسے وہی لڑکا
تیر کمان لئے کھڑا نظر آیا جو کشتیوں کے پل پر اس وقت نظر آیا تھا جب اس نے ایک
ہوتے ہندو کو تیر سے زخمی کر دیا تھا چونکہ وہ اس سے ذرا قریب تھا۔ اب بجائے پیدل
کے گھوڑے پر سوار تھا۔ اس لئے اس کی صورت صاف نظر آ رہی تھی اسلم کو اس کے
چہرہ سے حسن کی شعاعیں نکلتی معلوم ہوئیں اس نے محمد قاسم سے کہا۔ دیکھئے اس
فرشتہ کو دیکھئے محمد قاسم اور تمام مسلمانوں نے پھر پھر کر دیکھا سب اسے دیکھ
کر حیران رہ گئے محمد قاسم نے کہا۔ حقیقتاً کوئی فرشتہ ہے۔ مسلمانوں بڑھو اور ان
ہاتھیوں پر حملہ کر دو چنانچہ مسلمان بڑھے اور ہاتھیوں کے قریب پہنچ کر انہوں نے
زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ نعرہ لگاتے ہی ہاتھیوں کے مونڈوں پر وار کئے فیلبانوں
نے للکار کر ہاتھیوں کو بڑھایا اور ساتھ ہی فیل نشینوں نے بھی مسلمانوں پر حملے شروع کئے

لیکن مسلمانوں نے کسی بات کی بھی پرواہ نہ کی انھوں نے جھپٹ جھپٹ کر سونڈوں پر تلواروں سے ضربیں لگانا شروع کیں ادھر مسلمانوں کے پشت کی طرف اسی نوجوان نے جو ریشم کی پوشاک پہنے تھے جلدی جلدی تیر چلا کر ہاتھیوں کو مجروح کرنا شروع کر دیا ان پیہم حملوں سے ہاتھی گھبرا گئے اور پیچھے ہٹتے ہی مسلمانوں نے ان کے پیروں پر تلواریں مارنا شروع کیں۔ تمام ہاتھی بدحواس ہو کر بھاگے اور اپنے ہی لشکر کو کچلتے ہوئے دوڑنے لگے۔ ہاتھیوں کے اس طرح بھاگنے سے ہزاروں ہندو مسلے گئے اور سارے لشکر میں ابتری پھیل گئی ادھر مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز سن کر ہر دستہ نے ہر جگہ نعرہ لگایا۔ اور ان نعروں سے تمام میدان گونج اٹھا ہندو ہاتھیوں کے بھاگنے سے بہت کچھ نقصان اٹھا چکے تھے ہاتھی کسی ایک طرف نہ گئے بلکہ مختلف اطراف میں دوڑ رہے تھے اور جس طرف نکل جاتے تھے اسی طرف تباہی پھیلاتے جاتے تھے اس لئے ہندو خوفزدہ ہو گئے تھے اب جبکہ انھوں نے نعرہ تکبیر کی آواز سنی تو وہ سمجھے کہ شاید مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور راجہ جے سیاہ ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلا اس خیال نے ہندوؤں کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ ہر جگہ سے گھبرا گھبرا کر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا ہر طرف اور ہر جگہ ہندو کثرت سے قتل ہونے لگے محمد قاسم اور اسلم نے بیشمار ہندوؤں کو قتل کیا تھا اور ابھی تک بدستور مصروف قتل تھے کہ انھوں نے اس ریشمیں پوشاک والے نوجوان کو اپنے قریب ہی ہندوؤں سے لڑتے دیکھا وہ نہایت سرعت سے تلوار چلا رہا تھا اور دشمن کے حملوں کو اپنی چھوٹی سی ڈھال پر روک رہا تھا تقریباً ہر حملہ میں وہ ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا۔ نہایت جوش سے لڑ رہا تھا اس کا چہرہ فرط غیظ و غضب سے تمتما رہا تھا اور گل لالہ سے زیادہ سرخ ہو رہا تھا دفعتاً کئی ہندوؤں نے ان پر یک لخت حملہ کیا اس نے نہایت ہوشیاری سے ان کے حملوں کو ڈھال پر روکا محمد قاسم نے اسلم

سے کہا۔ جلد بڑھو ہندوؤں نے اسے نرغہ میں لے لیا ہے دونوں اس طرف جھپٹے ہندو
اس نوجوان کو نرغہ میں کئے تھے اور اسے ختم کرنے کے لئے حملے پر حملہ کر رہے تھے اب وہ
ان کے حملے روک رہا تھا لیکن معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی طاقت زائل ہو چکی ہے کیونکہ
اب اس سے جلد جلد ڈھال نہ اٹھتی تھی چنانچہ ایک ہندو کی تلوار اس کی ڈھال پر
پڑی اور ڈھال سے شانہ پر آ کر شانہ مجروح کر گئی۔ اس نے ایک خفیف آہ سی کی
اور اس کے چہرہ کا گلابی رنگ اڑ کر سفید ہو گیا۔ اس عرصہ میں محمد قاسم اور اسلم
دونوں اس کے قریب پہونچ گئے اور دونوں نے نعرہ لگا کر ہندوؤں پر حملے
کر دیئے۔ ہندو خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ محمد قاسم نے کہا۔ اسلم اس نوجوان
کی خبر لو۔ یہ مجروح ہو گیا ہے۔ دراصل نوجوان مجروح ہو گیا تھا۔ اور گھوڑے
سے گرنے والا تھا۔ کہ فوراً اسلم اس کے قریب پہونچا اور اس نے اس کی
کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ حوصلہ کرو نوجوان۔ نوجوان نے اسلم کی طرف دیکھتے
ہوئے حیرت کے لہجہ میں کہا۔ کون اسلم؟

اس نوجوان کی زبان سے اپنا نام سنکر اسلم کو کمال حیرت ہوئی مگر یہ حیران
رہنے کا موقع نہ تھا۔ اس نے فوراً کہا۔ ہاں میں اسلم ہوں۔ نوجوان نے کمزور آواز
سے کہا۔ میں زخمی ہو گیا ہوں۔ اگر ممکن ہو تو مجھے آہستہ سے گھوڑے سے نیچے اتار
لو جلدی سے اسلم نے اسے گود میں لیکر گھوڑے سے کھینچ لیا۔ اس نے محسوس کیا کہ
اس نوجوان کا جسم بہت ملائم ہے مگر اس وقت اس بات پر بھی غور کرنے کا موقعہ نہ
تھا اس نے اسے زمین پر کھڑا کر کے اپنے عمامہ سے دھجیاں پھاڑ کر اسکے شانہ پر
باندھیں اور اسے بٹھا کر اس کے پاس خود اسکی حفاظت کے لئے کھڑا ہو گیا ادھر
ہندوؤں کو ہر محاذ پر شکست ہو گئی تھی اور وہ بری طرح سے بھاگ رہے تھے
مسلمان انکے پیچھے انہیں قتل کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ جو سیاہ ہاتھی پر سوار تھا

لشکر کی پراگندگی دیکھ رہا تھا فیلبان نے کہا ان داتا ہندو بھاگے جا رہے ہیں ہاتھی کو پیچھے ہٹاؤں یا آگے بڑھاؤں۔ جے سیاہ نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ افسوس بزدل ہندو ہزیمت اٹھا کر بھاگ رہے ہیں اس وجہ سے اب ہاتھی آگے بڑھانے سے کیا ہوگا۔ فیلبان سمجھ گیا کہ جے سیاہ بھی بھاگنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے ہاتھی کو اشارہ کیا اور وہ جے سیاہ کو لیکر بیت کی طرف لپکا۔ وہ جس طرف سے گذرا اس نے تباہ حال اور پریشان حال ہندوؤں کو ڈرتے ہوئے دیکھا۔ جو ہندو پیدل تھے ان میں سے تو ایک بھی بچ کر نہ جا سکا۔ سب کو مسلمانوں نے ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ البتہ جو سوار تھے وہ اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے دوپہر کے وقت تمام میدان ہندوؤں سے پاک ہو گیا۔ اب مسلمانوں نے ہندوؤں کے کیمپ کا رخ کیا اور وہاں پہونچ کر اپنا قبضہ کر لیا۔

اکتّیسواں باب

"زخمی نوجوان"

اسلامی تاریخوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اکثر و بیشتر ایسے ایسے کام کیئے جن کو سن سن کر بڑی حیرت ہوتی ہے جو طریقہ پل بنانے اور اسے تیرا کر قائم کرنے میں محمد قاسم کے ذہن میں آیا وہ عجیب ہی تھا۔ اور اس وقت تک کسی کی سمجھ میں ہی نہ آیا جب تک وہ تیر کر دوسرے کنارہ کی طرف نہ چلا گیا کیونکہ

لہ ہندوؤں کو بھاگتا دیکھ کر جے سیاہ کی ہمت ٹوٹ گئی تھی اور اس نے لڑنے پر بھاگنے کو ترجیح دی (از تاریخ ہند صفحہ ۱۴۰)

بھی حیران ہوا اب سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ اس کے خیال میں محمد قاسم بچہ تھا جو لہو و لعب میں اپنی نوعمری کے دن گذارتا نہ کہ میدان جنگ میں آکر لڑتا اور پھر کس شان سے کہ لشکر کا سپہ سالار بن کر اور ایسی ایسی تجویزیں اس کے ذہن میں آتیں جو بڑے بڑے مدبروں کے دماغ میں نہ آسکیں مسلمانوں نے ہندوؤں کے کیمپ پر قبضہ کر لیا اس کے بعد انہوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا شروع کی اور کچھ لوگ دوسری طرف جاکر اپنے ڈیرے خیمے اور سامان لانے کے ذریعہ سے آئے جبکہ تمام مسلمان کسی نہ کسی کام میں مشغول تھے اس وقت اسلم اس نوجوان کو جو مجروح ہو گیا تھا اپنے ہمراہ لیکر ہندوؤں کے کیمپ میں پہونچا اور ایک خیمہ میں جا گھسا جس خیمہ میں وہ گھسا کسی ہندو سردار کا تھا۔ کیونکہ اس میں آرام و آسائش کا تمام سامان موجود تھا۔ فرش پر مسند بچھی ہوئی تھی تکیے لگے ہوئے تھے۔ نوجوان کو سخت تکلیف تھی غالباً چلنے سے زخم میں ٹھیس لگنی تھی وہ جھکا جاتا تھا۔ اسلم سہارا دیکر لایا تھا اس نے اسے مسند پر بٹھا دیا خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اب اس نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اسے خیال ہوا کہ اس نے اس وقت سے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔ لیکن کہاں دیکھا یہ اسے یاد نہ آیا۔

چونکہ تکلیف کی وجہ سے اس کے چہرہ کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں لبوں پر خشکی دوڑ گئی تھی اس لئے اسلم بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اس نے کہا۔ اس وقت آپ کو سخت تکلیف ہے آپ یہاں آرام کریں میں کسی جراح کو بلانے جاتا ہوں وہ زخم صاف کر کے دوا لگا کر پٹی کس دے گا نوجوان نے اپنے نازک لبوں کو دانتوں سے دباتے ہوئے کہا۔ نہیں اسکی ضرورت نہیں

اسلم۔ ضرورت نہیں خوب کہا آپ نے یہ تکلیف جو اس وقت آپ کو ہے اسی وقت دور ہوگی جب آپکے زخم پر دوا لگا کر پٹی کسی جائے گی۔

یہ کہتے ہی وہ اٹھا اور چلنے لگا۔ نوجوان نے کمزور آواز سے کہا۔ ٹھہریئے اسلم۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔

وہ چلا گیا۔ نوجوان اب تک تو ضبط کرتا رہا۔ لیکن اب نہ ہو سکا مسند پر لیٹ گیا اور بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے قدموں کی چاپ سنی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اس وقت اسلم ایک جراح کو ہمراہ لیکر آگیا۔ دونوں نوجوانوں کے پاس جا کر بیٹھ گئے جراح نے کہا اوہو کس قدر کمسن نوجوان ہے اطمینان رکھو صاحبزادہ میری دوا لگاتے ہی چین پڑ جائے گا ٹھہرو۔ میں تمہارے پہلے کپڑے اتار ڈالوں؟ یہ کہتے ہی وہ نوجوانوں کی طرف بڑھا۔ باوجود اشد تکلیف ہونے کے نوجوان جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے کہا۔ نہیں میں کپڑے نہیں اتروا سکتا۔ اسلم اور جراح دونوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ جراح نے کہا۔ تعجب ہے پھر کیسے دوائی لگائی جائیگی۔

نوجوان۔ نہ لگائیے۔

جراح۔ مگر یہ آپ کی تکلیف

نوجوان۔ خدا خود دوا کرے گا۔

جراح۔ یہ ٹھیک ہے لیکن دوا کا حکم تو خدا نے بھی دیا ہے۔

نوجوان۔ مگر میں کپڑے نہیں اتار سکتا۔

جراح۔ کیا حرج ہے اس میں۔

نوجوان۔ کچھ حرج نہیں۔ مگر میری شرم اس کی اجازت نہیں دیتی۔

جراح۔ اس قدر شرم ٹھیک نہیں ہے۔

نوجوان۔ کیا آپ حضرت عثمان غنیؓ کو بھول گئے کسی نے آپکے جسم کو دیکھا تھا

جراح۔ لیکن بیماروں اور مجروحوں کیلئے تو روا ہے۔

نوجوان۔ بیشک مگر میں اس کے لئے تیار نہیں۔

جراح۔ ہم لوگوں سے آپ کی تکلیف نہیں دیکھی جا سکتی۔

نوجوان۔ آپ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے جائیے۔

اسلم۔ اسے اسلامی اخوت گوارا نہیں کرتی۔

نوجوان۔ لیکن میری غیرت کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دیتی۔

جراح نے اسلم سے کہا آپ اس بات کی جا کر سپہ سالار سے اطلاع کر دیں

اسلم۔ بہت اچھا۔

اسلم اٹھا نوجوان نے کہا نہ جاؤ اسلم ان کے پاس نہ جاؤ۔

اسلم۔ اگر تم دوا لگوا لو تو میں نہ جاؤں۔

نوجوان۔ بخدا مجھے شرم آتی ہے۔

اسلم۔ اور خدا کی قسم ہم سے تمہاری تکلیف دیکھی نہیں جاتی اچھا میں باہر چلا جاتا ہوں اور تم دوا لگوا لو۔

نوجوان۔ نہیں میں دوا نہیں لگوا سکتا تم کپڑا پانی میں تر کر کے کیوں نہیں باندھ دیتے۔

جراح۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ زخم کس قدر گہرا ہے اسوقت تک صرف پانی سے تر کر کے کپڑا باندھنا مناسب نہیں ہے۔

نوجوان۔ بس تو رہنے دیجئے۔

اسلم۔ چلا گیا۔ اور بہت جلد محمد قاسم کو بلا لایا۔ نوجوان نے اٹھنے کا ارادہ کیا محمد قاسم نے کہا مت اٹھو۔ میرے دوست مت اٹھو۔ خدا کی قسم کس دلیری سے لڑے ہو تم۔

نوجوان۔ آپ کی اس حوصلہ افزائی کا شکریہ۔

محمد قاسم بڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے کہا مجھے بھائی اسلم نے بتایا ہے کہ زخم دوا نہیں لگواتے۔

نوجوان ۔ میرا زخم معمولی ہے صرف پانی کے کپڑے سے اچھا ہو جائیگا۔

محمد قاسم ۔ مگر زخم تو دیکھنا ضروری ہے۔

نوجوان ۔ لیکن میری شرم مجھے کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دیتی۔

محمد قاسم ۔ کپڑے نہ اتروائیے (جراح سے) آپ جس جگہ زخم ہے وہاں سے تھوڑی سی عبا چاک کر کے زخم دھو کر دوا لگا دیں۔

جراح ۔ مناسب ہے۔

محمد قاسم ۔ میرے خیال میں اس میں آپ کو بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

نوجوان ۔ بشرطیکہ عبا کو زیادہ چاک نہ کیا جائے۔

جراح ۔ زیادہ بالکل نہ چاک کیا جائے گا

جراح اٹھا اور اس نے اسلم کو پانی لانے کیلئے بھیج دیا اور خود نوجوان کے پاس پہونچا۔ اس کے شانہ پر سے عبا کو چاک کر کے زخم دیکھا واقعی زخم معمولی تھا زیادہ گہرا نہ تھا۔ مگر پھر بھی زخم تھا۔ ذرا سا چاقو لگنے سے ہی تکلیف ہو جاتی ہے وہ تو تلوار کا زخم تھا اس لئے نوجوان کو تکلیف تھی اس عرصہ میں اسلم پانی لے آیا۔ جراح نے زخم دھو کر دوا لگائی اور پٹی کس کر جراح نے کہا۔ انشاء اللہ یہ ایک پٹی کافی ہو گی۔ زخم زیادہ گہرا نہیں ہے جراح چلا گیا۔ محمد قاسم اور اسلم بیٹھے رہ گئے۔ محمد قاسم نے پوچھا کچھ تکلیف کم ہوئی۔

نوجوان ۔ میرے خیال میں آدھی تکلیف رہ گئی ہے۔

اسلم ۔ مگر آپ ضد کئے جاتے تو تکلیف ضرور بڑھ جاتی

نوجوان ۔ کیا کروں میں مجبور ہوں۔

محمد قاسم - تمہارا کیا نام ہے -

نوجوان - بدر جمال -

محمد قاسم - ماشاء اللہ نام صورت کی مناسبت سے خوب رکھا ہے -

نوجوان یہ سن کر کچھ جھینپ گیا -

محمد قاسم - تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو -

بدر جمال - الور سے

محمد قاسم اور اسلم دونوں کو حیرت ہوئی دونوں حیران ہو کر اس کی صورت دیکھنے لگے اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں محمد قاسم نے تعجب کے لہجہ میں کہا الور سے -

بدر جمال - جی ہاں -

محمد قاسم - کیوں گئے تم وہاں

بدر جمال - ایک لڑکی طاہرہ کو راجہ داہر گرفتار کر کے لے گیا تھا

یہ کہتے ہی بدر جمال نے اسلم کی طرف دیکھا اسلم ہمہ تن متوجہ ہوا - اس کی طرف دیکھ رہا تھا - محمد قاسم نے کہا ہاں لے گیا تھا - کیا تم اسے رہا کرانے کے لئے گئے تھے -

بدر جمال - جی ہاں

دونوں کو اور بھی تعجب ہوا - محمد قاسم نے دریافت کیا - مگر تم ناکام رہے

بدر جمال - میں طاہرہ سے ملا تھا -

دونوں نے نہایت حیران ہو کر اسے دیکھا - محمد قاسم نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا - تم اس سے ملے تھے -

بدر جمال - جی ہاں -

محمد قاسم - پھر اسے کیوں نہ لے آئے -

بدر جمال ۔ رانی لاڈی نے اسے نہ آنے دیا

محمد قاسم نے سرد آہ بھر کر کہا۔ گویا وہ رانی لاڈی کے پاس رہتی ہے ۔

بدر جمال ۔ رہتی تھی مگر اس نے ایک دن آپ کے (محمد قاسم) کے متعلق اس سے کچھ گفتگو کی تو راجہ نے سن لی اور اس نے رانی لاڈی کو قید کر دیا ۔

محمد قاسم نے چونک کر بدر جمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا بات کی تھی رانی نے

بدر جمال ۔ اس نے کہا تھا کہ اگر محمد قاسم مجھے اپنی خدمت میں رکھنا منظور فرمائیں تو میں جانے کے لئے تیار ہوں ۔

محمد قاسم کے دل پر کچھ چوٹ لگی ۔ اس نے کہا گویا رانی میرے پاس آنے کے لئے تیار تھی ۔

بدر جمال ۔ جی ہاں ۔ مگر اب قید کر دی گئی

محمد قاسم ۔ انشاء اللہ میں اسے بھی رہائی دلاؤں گا ۔ لیکن جب رانی قید ہو گئی تھی تو پھر طاہرہ تمہارے ساتھ کیوں نہ چلی آئی ۔

بدر جمال کچھ گھبرا گیا ۔ لیکن اس نے فوراً ہی کہا ۔ اس لئے کہ رانی کو رہا کرانے کی فکر میں ہے ۔

محمد قاسم ۔ مگر تم نے بڑی جرأت کی ۔

بدر جمال ۔ مجھے ایک جادوگرنی نے وہاں تک پہونچایا تھا ۔

جوگنی کو اسلم نے اس وقت دیکھا جب ساحل دیبل پر اسے اور سرا ندیپ سے آنے والے مسلمانوں کو داہر کے سپاہیوں نے قید کیا تھا اس نے کہا ٹھیک ہے شاید وہ مسلمانوں کی خیر خواہ ہے ۔

بدر جمال ۔ نہیں وہ اپنے ملک و قوم کی خیر خواہ ہے اس کا خیال ہے کہ مسلمان اس ملک کو فتح کر لیں گے اس لئے وہ نہیں چاہتی کہ جنگ ہو ۔

محمد قاسم ۔ اور تم رہنے والے کہاں کے ہو۔

بدر جمال ۔ بصرہ کا۔

محمد قاسم ۔ کس کے ساتھ یہاں آئے تھے ۔

بدر جمال ۔ آپ کے لشکر کے ساتھ ۔

محمد قاسم ۔ تعجب ہے میں نے پہلے تم کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

بدر جمال ۔ میں نے خود احتیاط کی تھی کہ آپ مجھے نہ دیکھیں ۔

محمد قاسم ۔ کیوں ۔

بدر جمال ۔ اس خیال سے کہ کہیں آپ مجھے واپس نہ لوٹا دیں ۔

محمد قاسم ۔ اور تم واپس نہ جانا چاہتے تھے ۔

بدر جمال ۔ جی ہاں

محمد قاسم ۔ کس وجہ سے ؟

بدر جمال ۔ مجھے طاہرہ سے غائبانہ محبت ہو گئی تھی اور میں اسے رہا کرانا چاہتا تھا۔

یہ کہتے ہوئے اس نے اسلم کو دیکھا۔ اسلم کے چہرہ سے رشک کی علامتیں ظاہر ہوئیں اور محمد قاسم نے مسکرا کر کہا لیکن طاہرہ نے تمہاری محبت کی کچھ قدر نہ کی ۔

بدر جمال ۔ نہیں وہ میری بہت مشکور رہی ۔

اب ظہر کی اذان ہوئی محمد قاسم نے کہا ۔ ہم نماز پڑھ آئیں تم یہیں پڑھ لو۔ محمد قاسم چلا گیا۔ اسلم نے اسے پانی لاکر وضو کرایا ۔ بدر جمال قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنے لگا۔

بتیسواں باب

"پیغام"

گزشتہ باب میں جس جنگ کا ذکر ہم نے لکھا ہے اس میں بھی بیشمار ہندو مارے گئے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار اور مسلمان پچاس سے کم شہید ہوئے ظہر کی نماز پڑھ کر شہدا کو جمع کر کے جنازہ کی نماز پڑھی اور انہیں دفن کرا دیا چونکہ بہت سے مسلمان مجروح ہو گئے تھے نہ انہیں چھوڑ کر جانا مناسب تھا اور نہ ہمراہ لینا ٹھیک تھا اس لئے سارا لشکر ہی ان کے اچھا ہونے کے انتظار میں وہیں مقیم ہو گیا۔ شام کے وقت موکہ بھی مع اپنے لشکر کے اس پار آ گیا اس نے محمد قاسم کو فتح کی مبارک باد دی اور اس کے پل بنانے کی حسن تدبیر کی بڑی تعریف کی۔ اب تمام لشکر کو دار السلطنت میں بھیج دیا صرف ایک ہزار سوار اپنے پاس رہنے دیئے دوسرے دن تمام منجنیقیں اور دوسری بھاری بھاری چیزیں بھی اس طرف پل کے اوپر کھینچ لائے محمد قاسم نے موکہ سے کہا کہ وہ اپنے کچھ آدمی بطور جاسوسوں کے الور کی طرف بھیجے تاکہ وہ خبر لا دیں کہ راجہ داہر کیا کر رہا ہے اور کس قدر لشکر لیکر ہمارے مقابلہ کیلئے آنے والا ہے چنانچہ موکہ نے اپنے معتمدوں کو دریافت حال کے لئے روانہ کر دیا۔ چند دن میں تمام مجروحین کے زخم مندمل ہو گئے بدر جمال بھی اچھا ہو گیا اور اب مسلمانوں نے پیش قدمی شروع کر دی وہ وہاں سے چل کر ایک مختصر قصبہ تاراسنی میں پہنچے وہیں ٹھہر گئے کیونکہ سامنے انکے ایک وسیع جھیل آگئی جس کو بغیر کشتیوں کے عبور کرنا دشوار تھا۔ جھیل کچھ زیادہ چوڑی نہ تھی لیکن گہری اور لمبی بہت زیادہ تھی کئی روز کی لگاتار کوشش کے بعد ایک بہت ہی مختصر سی کشتی تاراسنی ہی میں شکستہ حالت میں پڑی ہوئی مل گئی انہوں نے اسے درست کیا اور

کھینچ کر جھیل میں لا ڈالا۔ یہ کشتی اتنی چھوٹی تھی کہ ان کے علاوہ صرف تین آدمی اس میں بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ تین تین آدمیوں کو ہی اس میں سوار کرا کر پار اتارا جاتا تھا اس طرح سے کئی دن میں یہ لشکر جھیل سے پار ہوا تمام لشکر اس طرف آ جانے پر انہوں نے کوچ کیا اور جے پور میں داد ہادہ ندی کے کنارہ پر جا پہنچے یہ ایک نہایت وسیع میدان تھا۔ سطح اور سبزہ زار میدان۔ موکہ نے کہا میرے خیال میں یہ جگہ جنگ کیلئے بہت بہتر ہے اسی جگہ قیام کیجئے راجہ داہر بھی اسی جگہ لشکر لے آئے گا محمد قاسم کو یہ جگہ اچھی معلوم ہوئی اور اس نے اسی جگہ قیام کر دیا بدر جمال کیلئے محمد قاسم نے علیحدہ ایک خیمہ دیدیا تھا اور وہ اس میں رہنے لگا تھا۔

محمد قاسم کے لشکر میں بہت سے نوعمر مجاہد آئے تھے لیکن ان میں محمد قاسم سب سے کم عمر کا بچہ تھا اور محمد قاسم سے زیادہ کم عمر بدر جمال تھا اور حسین بھی سب سے بڑھ کر تھا وہ اپنے خیمہ سے کم باہر نکلتا تھا لیکن جب نکلتا تھا تو جس طرف سے گذرتا تھا لوگوں کی نظریں اس کی طرف اٹھتی چلی جاتی تھیں اب اسے بالکل آرام ہو گیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اچھی طرح آرام نہ ہونے کا بہانہ کئے ہوئے تھا اور اس لئے نماز اپنے ہی خیمہ میں پڑھ لیتا تھا محمد قاسم اکثر اس کے پاس آ بیٹھتا تھا اور اس سے باتیں کرتا تھا اسے اسکی باتوں میں بڑا لطف آتا تھا کبھی کبھی وہ رانی لاڈی کا بھی ذکر چھیڑ دیتا تھا اور گھنٹوں اس کی باتیں سنتا رہتا تھا اسلم بہت کم اس کے پاس آتا تھا اور جب آتا تھا تنہا نہیں بلکہ محمد قاسم کے ساتھ اس کا جی تو چاہتا تھا کہ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھے اور اسکی باتیں سنے مگر کسی وجہ سے کھنچا کھنچا رہتا تھا۔ بدر جمال بھی اس بات کو محسوس کرتا تھا لیکن اس نے کبھی اس بات کو معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ کیوں کھنچا رہتا ہے۔

ایک دن ایک ایسا اتفاق ہوا کہ اسلم بدر جمال کے سامنے سے گذر رہا تھا اور بدر جمال دروازہ پر کھڑا تھا اسلم نے اسے دیکھ کر سلام کیا اور آگے بڑھنا چاہا بدر جمال نے

مسکرا کر کہا۔ کہاں جا رہے ہو اسلم۔ اسلم نے بیرخی سے کہا سپہ سالار کے پاس جا رہا ہوں

بدر جمال۔ کیا کوئی کام ہے۔

اسلم۔ کوئی خاص کام نہیں ہے۔

بدر جمال۔ تو آیئے کچھ باتیں کریں

اگر اسلم نہ جاتا تو بد اخلاقی تھی اس لیے وہ اسکی طرف لوٹا بدر جمال خیمہ کی اندر چلا گیا اسلم بھی خیمہ میں داخل ہو کر اس کے پاس جا بیٹھا۔ بدر جمال نے کہا شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں اسلم نے کہا۔ میں کیوں ناخوش ہوتا آپ سے۔

بدر جمال۔ اسے تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اسلم۔ مگر آپ کو یہ خیال کیوں ہوا؟

بدر جمال۔ آپ کی بے رخی دیکھ کر۔

اسلم۔ یہ آپ کا محض خیال ہے۔

بدر جمال۔ ممکن ہے مگر میرے پاس نہ آنے کا کیا سبب ہے؟

اسلم۔ جب موقعہ ہوتا ہے تو ضرور آتا ہوں۔

بدر جمال۔ موقعہ! گویا ہر وقت آپ کام میں مشغول رہتے ہیں۔

اسلم۔ یہی سمجھ لیجئے۔

بدر جمال۔ مگر کیا کام کرتے رہتے ہیں آپ

اسلم۔ کوئی خاص کام بھی نہیں ہوتا۔

بدر جمال۔ میں سمجھتا ہوں اسلم۔

اسلم۔ کیا سمجھتے ہو؟

بدر جمال۔ آپ مجھ سے ناخوش ہیں۔

اسلم۔ نہیں بدر جمال ایسا خیال نہ کرو کوئی مسلمان کسی سے کبھی ناخوش

نہیں ہو سکتا اور میں کیوں ناخوش ہوتا۔

بدر جمال۔ میں بتا دوں۔

اسلم نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ بتاؤ

بدر جمال۔ تم شاید تسلیم نہ کرو۔

اسلم۔ تسلیم کرنے کی بات ہو گی تو ضرور تسلیم کروں گا۔

بدر جمال۔ آپ کا خیال ہے کہ میں طاہرہ کو چھڑانے کیلئے کیوں گیا

اسلم۔ نہیں تم مسلمان ہو اور مسلمان کا یہ فرض ہوتا ہے۔

بدر جمال۔ افسوس تم نہیں مانتے جانے دیجئے۔ اگر آپ اقرار کر لیتے تو میں طاہرہ کا پیغام آپ کو سنا دیتا۔

اسلم۔ چونک پڑا اس نے حیرت سے بدر جمال کی طرف دیکھ کر کہا طاہرہ کا پیغام میرے دوست سناؤ کیا پیغام ہے۔

بدر جمال۔ بس کچھ نہیں۔

اسلم نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ نہیں نہیں دوست ناخوش نہ ہو جاؤ مجھے سناؤ اس کا پیغام سناؤ۔

بدر جمال۔ گویا تم کو طاہرہ سے محبت ہے۔

اسلم۔ ہاں۔

بدر جمال۔ اور آپ کو مجھ سے اس لئے رشک ہوا کہ میں نے اس سے باتیں کیں

اسلم۔ یہ سچ ہے بدر جمال تم خوبصورت ہو مجھ سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو مجھے رشک ہونا قدرتی بات ہے۔

بدر جمال۔ طاہرہ تم کو یاد کرتی تھی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ تم آزاد ہو گئے ہو کہنے لگی کہ مجھے رہا کرانے سے پہلے انہیں آزاد کرا دو۔

اسلم کا چہرہ چمک اٹھا اس نے کہا۔ کس قدر وفادار کاش میں اڑ کر اس کے پاس پہونچ سکتا۔ کیا یہ ممکن نہیں بدر جمال کہ تم اور میں دونوں چلیں اور جاکر اسے آزاد کرالیں۔

بدر جمال۔ اس کی ضرورت نہیں ہے انشاء اللہ وہ رہا ہو جائے گی

اسلم۔ کیسے رہا ہو جائے گی۔

بدر جمال۔ ایسا کہ وزیر اعظم اسے اور رانی لاڈی کو رہا کرانے کی فکر میں ہے

اسلم۔ خدا کرے کہ وہ رہا ہو جائے۔ بدر جمال میرے دن اسکی یاد میں اور میری راتیں اس کے تصور میں گزر جاتی ہیں۔

بدر جمال۔ لیکن اسے خیال تھا کہ شاید تم اسے بھول گئے ہو۔

اسلم۔ میں اسے آخری وقت تک کبھی نہیں بھول سکتا۔

بدر جمال۔ مگر شاید تم اب اسے دیکھ کر پہچان نہ سکو۔

اسلم۔ کیوں؟

بدر جمال۔ اس لئے کہ وہ بہت بدل گئی ہے۔

اسلم۔ شاید اس پر سختیاں زیادہ کی گئی ہیں۔

بدر جمالی۔ ہاں کچھ سختیاں بھی کی گئی ہیں۔

اسلم۔ اور کیا وہ بیمار ہو گئی تھی۔

بدر جمال۔ نہیں۔

اسلم۔ تو شاید رنج و غم نے اسے گھلا دیا ہے۔

بدر جمالی۔ ہاں وہ رنجیدہ رہتی تھی۔

اسلم۔ افسوس ہے۔

بدر جمال۔ مگر اب خوش تھی۔

اسلم۔ اور خدا کرے کہ خوش رہے۔

بدر جمال نے مسکرا کر کہا۔ اب تم مجھ سے کھنچے کھنچے نہ رہو گے؟ اسلم نے اس کی طرف مشکورانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا نہیں میرے اچھے دوست مجھے معاف کرو میں نے حماقت کی آپ سے مشکوک ہو کر شک کرنے لگا۔

بدر جمال۔ اسی لئے اسلام شک کرنے سے منع کرتا ہے۔

اسلم۔ حقیقت میں مجھ سے گناہ ہو گیا معاف کرو میرے دوست

بدر جمال۔ میں نے معاف کر دیا خدا بھی معاف کر دے۔

اسلم۔ ایک بات عرض کروں

بدر جمال۔ کہو۔

اسلم۔ مجھے آپ کا چہرہ طاہرہ کے چہرہ سے بہت کچھ ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے۔

بدر جمال نے ہنس کر کہا۔ تھوڑے دنوں میں کہنے لگنا کہ میں طاہرہ ہی ہوں اسلم محجوب ہو گیا۔ اس نے کہا۔ دوست اب تم میرے خیمہ میں میرے پاس رہا کرو۔

بدر جمال۔ آپ کی مہربانی ہے۔ میں تنہا ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔

اب محمد قاسم آگئے دیکھ اور یہ دونوں چپ ہو گئے محمد قاسم نے بیٹھتے ہوئے کہا موکہ کے جاسوس آج واپس آگئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ راجہ داہر لشکر عظیم اور ہاتھی لیکر چل پڑا ہے۔

اسلم۔ خدا مددگار ہے۔

محمد قاسم۔ یقین ہے کہ وہ ہمیشہ فتح دیگا۔

اسلم۔ انشاء اللہ۔

اس کے بعد مختلف امور پر گفتگو شروع ہو گئی اور دوپہر کے وقت محمد قاسم اور اسلم دونوں اٹھ کر اپنے خیمہ کیطرف چلے گئے۔

تینتیسواں باب

"عظیم الشان لشکر"

جے سیاہ کو راجہ داہر اور اسکی رعایا نے بڑے جوش و خروش اور بڑے شان و تجمل سے رخصت کیا تھا۔ تمام رعایا، خود داہر اور سارے ارکین سلطنت کا یہ خیال تھا کہ جے سیاہ ہی مسلمانوں کو شکست دیکر بھگا دیگا چنانچہ سب کی نگاہیں میدان کارزار کی طرف لگی ہوئی تھیں اور سب اس امید میں تھے کہ عنقریب فتح کی خوشخبری آنے والی ہے داہر اس بات کو بھول گیا کہ اس نے جے سیاہ سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے پیچھے وہ بھی روانہ ہو جائیگا باوجودیکہ جے سیاہ کو روانہ ہوئے عرصہ ہو گیا تھا اب تک اسے بھی روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ غرق عشرت ہو اور عیش دیکر رہا تھا۔ دراصل وہ لڑائی سے جی چراتا تھا۔ جو شخص عیش و عشرت میں پھنس جائے ہر وقت عورتوں سے مصروف اختلاط رہے اس میں بہادری کے جوہر باقی نہیں رہتے چنانچہ داہر میں بھی مردانگی کے عنصر کا نقصان ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ میدان کارزار میں نہ جانا چاہتا تھا لیکن اس قسم کے لوگوں میں ضد کا مادہ بڑھ جاتا ہے چنانچہ وہ بھی ضدی تھا اور اس ضد کی بدولت ہی اس نے مسلمانوں سے صلح کرنا گوارا نہ کیا حالانکہ مسلمانوں کا سوائے اس کے کوئی اور مطالبہ نہ تھا کہ وہ ان تمام اسیروں کو رہا کر دے جنہیں اس کے سپاہی دیبل کے ساحل سے گرفتار کر لائے ہیں اور انکا تمام سامان اور زر نقد بھی واپس دیدے مگر اس نے اپنی حماقت اور ناعاقبت اندیشی سے مسلمانوں کا یہ جائز مطالبہ تسلیم نہ کیا اس واقعہ سے تاریخ داں حضرات اور غیر متعصب لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ڈاکو نہ مسلمان تھے بلکہ ہندو راجہ اور مہاراجہ تھے جو کہ اول

تو آپس ہی میں کٹے مرتے رہتے تھے ہر طاقتور کمزور کو فنا کر دیتا ہے اور بس ڈالتا تھا
اور جب آپس میں صلح ہو جاتی تھی تو پھر غیر اقوام کو لوٹتے تھے یہ لوٹ مار کی عادت
ان میں اسوقت سے تھی جبکہ آریہ ہندوستان میں آئے تھے۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ
ہندوستان میں کول اور دراوڑ دو قومیں آباد تھیں امن و اطمینان سے زندگی
بسر کر رہی تھیں اور ان کے نہایت عالیشان محل آباد ہو گئے تھے اور چاروں طرف
تجارت خوب پھیل گئی تھی۔ اگرچہ یہ لوگ ہزاروں چیزوں کی پرستش کرتے تھے شلا بھوت
پریت، سانپ، ہتا، درخت، پتھر، زمین، غرضیکہ ہزاروں چیزوں کو پوجتے تھے مگر اپنے
مردوں کو بجائے جلانے کے دفن کرتے تھے ان میں ذات پات کا کوئی امتیاز نہ تھا
دفعتاً ان پر مصیبت نازل ہوئی اور آریوں نے افغانستان کے درہ سے نکل کر امن
پسندوں پر حملہ کر دیا یہ حملہ محض لوٹ مار اور قتل و غارتگری اور زر، زمین، زن چھیننے
کیلئے کیا کچھ دنوں تک تو کول اور دراوڑ ان لٹیروں کا مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر پسپا
ہو کر جنوبی ہند کی طرف چلے گئے اور کچھ بیچارے جنگلوں کو کاٹ کاٹ کر اور کچھ پہاڑوں میں
جا کر آباد ہو گئے چنانچہ بندھیاچل وغیرہ کی پہاڑیوں اور ان کے نشیبی میدانوں میں
یہ قومیں ابتک موجود ہیں اور آج تک آریوں کے مظالم یاد کر کے روتی اور انہیں
دل کھول کر برا بھلا کہتی ہیں، تامل، تلنگو، کناری، ملایا وغیرہ زبانیں یہی مظلوم قوم بولتی
ہے آریوں نے ان لوگوں پر بے حد مظالم کئے انہیں قتل کیا لوٹا۔ ان کی عورتوں اور بچوں
کو چھین لیا اور ان کو شمالی ہندوستان سے نکال کر جنوبی ہند میں ڈھکیل دیا اور
ان کے شہروں اور زمینوں پر قابض ہو گئے۔ آج ان ظالم آریوں کی اولاد تقریباً
تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اور چونکہ ان بزرگوں نے ہندوستان کی اصلی
باشندہ اقوام پر بلاوجہ حملہ کر کے انھیں لوٹا اور قتل و غارت کیا تھا اس لئے آج
مسلمانوں پر لوٹ مار اور قتل و خونریزی کا اس لئے الزام لگاتے ہیں تاکہ مسلمان

انہیں یہ نہ کہیں کہ تم ڈاکو ہو عورتوں اور بچوں کو زبردستی چھینے والے ہو۔ تم نے کول اور دراوڑ پر ستم کیے قتل کیا اور انہیں لوٹا ان کے شہروں کو تباہ کیا ان کی عورتوں بچوں نیز زرو مال کو ان سے چھین لیا اور انہیں پیسہ پیسہ کا محتاج کر کے شمالی ہندوستان سے نکال دیا مسلمانوں نے کبھی بلا وجہ ہندوستان پر حملہ نہیں کیا۔ البتہ جب کبھی ان خود سر آریوں کے دماغ میں فتور آیا اور انہوں نے مسلمانوں کو ستانے کی کوشش کی مسلمانوں نے فوراً ہی ان کا سر کچل دیا اب اس میں قصور مسلمانوں کا ہے۔ یا خود سر آریوں کا جنہوں نے مسلمانوں کو ستا کر حملہ کرنے کی دعوت دی ہر منصف مزاج آدمی اس بات کو بخوبی سمجھ جائے گا۔ کہ ڈاکو لٹیرے اور ظالم وہ آریہ تھے جنہوں نے کول اور دراوڑ کو بیگناہ لوٹا، قتل کیا اور تباہ کر کے چھوڑا نا کہ مسلمان جنہوں نے ہندوؤں کی دست درازی سے تنگ آ کر حملے کیے۔ داہر فتح کی خوشخبری سننے کا منتظر تھا دفعتاً اسے جے سیاہ کے ہزیمت اٹھانے کی خبر ملی۔ اب اسے فکر ہوا اور رنج بھی اس کے دل میں بے چینی پیدا ہو گئی زیادہ ملال اسے اس بات کا ہوا۔ کہ جے سیاہ کا کسی نے بھی کچھ پتہ نہ دیا کہ وہ مارا گیا ڈوب گیا۔ یا کیا ہوا۔ اب اس نے لشکر فراہم کرنا شروع کیا۔ ملک کے بہادر لوگوں کو جمع کیا اور ایسے دن کا انتظار کرنے لگا جو اچھا ہو ہندو دنوں کو بھی اچھا برا سمجھتے ہیں کسی دن تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا اچھا نہیں سمجھتے تو کسی دن لڑکی کو سسرال بھیجنا سب خیال نہیں کرتے غرضیکہ سفر بھی خاص دن اور خاص وقت میں کیا جاتا ہے حالانکہ تمام دن خدا کے بنائے ہوئے ہیں تمام دن یکساں ہیں دنوں کا اچھا یا برا ہونا کیا۔ مگر جو لوگ خدا کو مانتے ہی نہ ہوں وہ خدا کے بنائے ہوئے قاعدہ پر کیا عمل کریں ابھی وہ نیک دن جس دن داہر کو کوچ کرنا تھا آیا بھی نہ تھا کہ جے سیاہ آگیا بیچارہ بیحد شرمندہ تھا داہر اسے دیکھتے ہی بہت خوش ہوا اس نے کہا بیٹے پرواہ نہ کرو ان سب

کو شکست دیکر بھگا آدنگا مگر یہ تو بتاؤ کہ تجھے شکست کیسے ہو گئی؟ کیا مسلمان زیادہ تھے یا تیرے لشکر نے بزدلی کی یا مسلمانوں نے شبخون مارا؟ جے سیاہ نے کہا نہ مسلمان زیادہ تھے وہ حیرت انگیز طریقہ پر پل بنا کر دریا کو عبور کر کے آگئے اور بڑی جوانمردی سے لڑے لیکن میرے سپاہیوں نے بزدلی کی اور وہ ان سے ڈر کر بھاگ نکلے۔

داہر۔ خیر کچھ مضائقہ نہیں میں نے اب ملک کے بہادر اور دلیر آدمی جمع کر لئے ہیں اور میں تیرا اور مرنے والے سندھیوں کا مسلمانوں سے انتقام لے لوں گا تو نے لڑائی میں بڑی مشقت اٹھائی ہے لہٰذا تم آرام کرو۔

جے سیاہ چلا گیا اور داہر مزید تیاریوں میں مصروف ہو گیا جس دن جے سیاہ آیا اسکے دوسرے ہی دن سیاگر داہر کے پاس پہونچا وزیر کا چہرہ کچھ اترا ہوا تھا داہر نے اسے دیکھ کر کہا۔ منتری جی (وزیر اعظم) آج کیا بات ہے تم اداس کیوں ہو سیاگر بیٹھ گیا اس نے جواب دیا ان داتا حضور نے دیکھ لیا کہ راجکمار جے سیاہ اس تمام لشکر کو تباہ کرا آئے جسے وہ لے کر مسلمانوں کو فنا کرنے کے لئے گئے تھے۔

داہر۔ بلاشبہ مجھے اس کا افسوس ہے۔

سیاگر۔ سارے الور اور تمام ملک میں گھر گھر ماتم ہو رہا ہے کیونکہ اس لشکر میں اطراف ملک کے آدمی تھے۔

داہر۔ لیکن ماتم کرنے سے کیا ہوتا ہے لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دیس کی سیوا سے بڑھ کر کوئی دھرم نہیں ہے جو لوگ دیس کی سیوا کرتے مر جاتے ہیں وہ اچھی جون میں جنم لیتے ہیں۔

سیاگر۔ یہ وہ مانتے ہیں لیکن پھر ماتم کرتے ہیں۔

داہر۔ یہ ان کے دل کی کمزوری ہے۔

سیساگر۔ یہ ٹھیک ہے لیکن مہاراج کیا اچھا ہوتا کہ یہ جنگ مول نہ لی جاتی اور مسلم اسیروں کو چھوڑ دیا جاتا۔

داہر۔ اب مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں نے فضول ضد کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ نہیں سمجھا تھا کہ مسلمانوں کا خلیفہ ان معمولی قسم کے مسلمانوں کو رہا کرانے کیلئے دور دراز فاصلے پر اپنا لشکر لڑنے کیلئے بھیج دے گا۔

سیساگر۔ حالانکہ ہر شخص اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ ہر شخص ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتا ہے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ مسلمان اپنے بھائیوں کو رہا کرانے کیلئے حملہ نہ کرتے۔

داہر۔ یہ میری غلط فہمی ہوئی۔

سیساگر۔ اب بھی مناسب یہی ہے کہ صلح کر لی جائے۔

داہر۔ اب کیسے ہو سکتی ہے جو مسلمان قید تھے انہیں تو انھوں نے چھڑا ہی لیا

سیساگر۔ کچھ تاوان جنگ دیکر مصالحت کی لی جائے۔

داہر نے جوش میں آکر کہا۔ میں تاوان جنگ ادا کر دوں اور ایک مسلمان بادشاہ کو کبھی نہیں۔ میں اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتا۔

سیساگر۔ لیکن ملک اور رعایا کو بچانے کے لئے ایسے کیجئے۔

داہر۔ ہرگز نہیں۔

سیساگر۔ حضور کو معلوم ہوا کہ مسلمان کہاں تک آگئے ہیں۔

داہر۔ نہیں۔ میں نے نہیں سنا۔

سیساگر۔ مہاراج وہ بے پور میں آگئے ہیں۔ سوچئے جب دشمنوں کا قیام مقام نیچ (بے دار) میں ہو تو ان کی وجہ (نیچ) ہونے میں کیا شبہ ہے۔

داہر نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ بدشگونی نہ کر دان کا مقام

بے دار میں نہیں ہیں۔ بلکہ ہی دار (مقام شکست) میں ہے جہاں انکی ہڈیاں
پڑی سڑا کریں گی۔

سیساگر۔ کاش ایسا ہی ہوتا۔

داہر نے جوش میں آکر کہا۔ ایسا ہی ہوگا تم دیکھ لینا کہ ایک سترہ سالہ
کا لونڈا مجھ جیسے بلوان (طاقتور) راجہ پر فتح پائے گا کبھی نہیں میں ایک ٹالتا
رہا تھا۔ لیکن اب نہ ٹالوں گا اور ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دوں
گا فتح میری ہوگی نا کہ محمد قاسم کی جو ایک شیر خوار بچہ ہے۔ کل لشکر کوچ کریگا
تم سب انتظامات مکمل کر دو۔

سیساگر۔ بہت بہتر۔

وہ چلا گیا۔ دوسرے دن جب آفتاب نکلا تو ہوائی بان (تیر) اڑائے
گئے جس سے تمام الور والوں کو خبر ہو گئی کہ اب لشکر روانہ ہونے والا ہے ساتھ
ہی نقاروں پر چوٹ پڑی اور لشکر مسلح ہو گیا۔ رانیاں اور داسیاں سب
رتھوں میں سوار کر لی گئی تھیں۔ راجہ ہاتھی پر بیٹھا اور لشکر نے آہستہ آہستہ
الور کے بازاروں میں چلنا شروع کیا۔ تمام مندروں میں گھڑیال اور ناقوس
بجائے گئے۔ ہر ہندو دیوی دیوتاؤں کو یاد کر کر کے اور نام لے لے کر ان سے
فتح کی التجائیں کرنے لگے۔ بڑی شان سے یہ لشکر الور کے قلعہ سے باہر
نکلا اور جے پور کی طرف روانہ ہوا۔

چونتیسواں باب

"خونریز جنگ"

راجہ داہر کے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ آنے کی اطلاع ہو کر کے جاسوسوں نے محمد قاسم کو کر دی تھی انہوں نے بیان کیا تھا کہ داہر ملک کے چیدہ بہادروں کو ساتھ لیکر انتقام کے جوش میں بڑے زور شور سے آرہا ہے اگرچہ اس کے پاس کافی لشکر ہے لیکن راستہ میں سے اور لشکر بھرتی کر رہا ہے اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا خاتمہ کر کے ہی دم لے گا۔ ان متوحش خبروں کا بھی مسلمانوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ نہایت اطمینان سے اپنے کاموں میں مصروف رہے اور اس عظیم الشان لشکر کے آنے کا انتظار کرنے لگے موکہ کو خیال ہوا کہ مبادا مسلمانوں کو شکست ہو جائے اگر اس کی موجودگی میں انہیں ہزیمت ہوئی تو داہر اس پر حملہ کر کے اسے بھی ختم کر دیگا اس لئے وہ محمد قاسم سے اجازت لیکر معہ اپنے لشکر کے وہاں سے چلا گیا مسلمان جانتے اور سمجھتے تھے کہ ان کے ساتھ ہو کر داہر سے نہیں لڑ سکتا نہ اس سے یہ معاہدہ تھا اس لئے اس کے چلے جانے سے بھی مسلمانوں پر کچھ اثر نہ پڑا چند ہی روز کے بعد داہر کے لشکر کا گرد نظر آگیا۔ مسلمانوں نے دیکھا اندازہ لگایا کہ تقریباً چالیس ہزار لشکر اس کے ہمراہ تھا جس وقت محمد قاسم نیرون سے الور کی طرف روانہ ہوا تو اس نے حجاج کو لکھا تھا کہ وہ نامعلوم ملک کی طرف جا رہا ہے اس لئے کچھ لشکر اور بھیجا جائے چنانچہ حجاج نے دو ہزار لشکر اور بھیجا اور وہ جے پور میں آ کر مل گیا اب محمد قاسم کے پاس آٹھ ہزار لشکر ہو گیا تھا اور داہر چالیس ہزار لشکر لیکر آیا تھا۔ ظاہر ہے گویا ایک مسلمان کے مقابلہ میں پانچ ہندو تھے اس کے علاوہ ستو ہاتھی تھے داہر نے

آتے ہی یہ سعی کی کہ مسلمانوں کو رسد نہ ملے اس نے قریب و جوار کے دیہات میں اپنا لشکر پھیلا دیا اور جس قدر گاؤں میں غلہ تھا اسے لے لیا گاؤں والے مسلمانوں کے ہاتھ دوسری اشیاء فروخت کر کے خاطر خواہ نفع اٹھا رہے تھے مگر داہر نے ان سے جبراً سب کچھ چھین لیا تو انھیں بڑا افسوس ہوا اور نہایت غصہ آیا مگر وہ کچھ سوچ کر چپ رہے اب رمضان شریف کا مہینہ شروع ہو گیا تھا اسلامی لشکر میں ہر شخص روزے رکھتا تھا اور رات کو تراویح میں کلام اللہ سنتا۔

۷ رمضان المبارک کو داہر نے بیس ہزار لشکر کو میدان کارزار میں بھیجا محمد قاسم نے سمجھ لیا کہ داہر نے تمام لشکر کو نہیں بھیجا بلکہ آدھا لشکر لڑنے کے لئے آیا ہے اس نے بھی آدھا ہی لشکر بھیجا اور محرز بن ثابت کو افسر مقرر کیا اور اس کی ماتحتی میں دو اور سردار سعید اور دوسرا حسن بن نخبتہ الکبری بھی مقرر کیا۔ اور ان سے کہا اگر خدانخواستہ محرز شہید ہو جائے تو سعید افسر ہوگا اور اگر سعید بھی شہید ہو جائے تو حسن علم افسری کو سنبھالے۔ چنانچہ چار ہزار مسلمان بیس ہزار ہندوؤں کے مقابلہ میں نکلے اور صفیں قائم کر کے لڑنے کیلئے مستعد ہو گئے جب آفتاب ذرا اونچا ہوا تو ہندوؤں کے لشکر میں نقارے بجنے لگے قرنا اور بوق پھونکے جانے لگے گھڑیال اور گھنٹے زور شور سے بجائے جانے لگے مسلمان سمجھ گئے کہ ہندو حملہ کرنے والے ہیں وہ بھی مستعد ہو گئے تھوڑی دیر ہی میں ہندو جےکارے لگاتے اور غل مچاتے بڑے جوش سے بڑھے چونکہ بیس ہزار کے تمام لشکر نے نقل و حرکت شروع کی اس لئے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کہ انسانوں کے سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں ہندوؤں کی صفیں لمبی اور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی نیم برہنہ ہندو سیلاب کی طرح بڑھتے نظر آتے تھے ہندوؤں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر محرز نے ٹھہر ٹھہر کر تین نعرے لگائے نعرے

نعرے کے ساتھ تمام لشکر نے نہایت زور کیا تھا اللہ اکبر کا نعرہ لگایا محرز نے علم کو حرکت دی پھریرا اسلامی شان کو ظاہر کرنے کیلئے نہایت رعب و داب سے لہرایا اور اسلامی لشکر نے بھی پیشقدمی شروع کی محمد قاسم اپنے لشکر یعنی اس لشکر سے جو میدان میں نہیں بھیجا گیا تھا آگے بڑھ کر کھڑا تھا میدان کارزار کی طرف دیکھنے لگا۔ اسلم، بدر، جمال اور عبد الرحمن اور کئی سردار بھی اس کے قریب کھڑے ہو کر دیکھنے لگے چونکہ ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی طرف بڑھ رہے تھے اس لئے بہت جلد دونوں لشکر مل گئے ہندوؤں نے فوراً ہی کھانڈے کھینچ کھینچ کر اٹھائے اور مسلمانوں نے تلواریں میانوں سے نکال نکال کر بلند کیں فوراً ہی کھانڈے مسلمانوں کے اور تلواریں ہندوؤں کے سروں پر جھکیں اس وقت مطلع بالکل صاف تھا آفتاب نکلا ہوا چمک رہا تھا دھوپ ہر چیز پر پھیلی ہوئی تھی کھانڈے اور تلوار آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے بجلی کی طرح جگمگانے اور کوندنے لگے تھے ہندوؤں نے اور بھی زور زور سے گھنٹے بجانے شروع کئے ناقوس، بوق اور قرنا پھونک پھونک کر چیکارنے لگا لگا کر نہایت جوش اور غصہ سے حملہ کر دیا انکے چوڑے اور تیز دھار والے کھانڈے مسلمانوں کو قتل کرنے کیلئے جھکے مسلمانوں نے ڈھالیں سامنے کر کے ان کے حملوں کو روکا اور پھر خود بھی اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر حملہ کر دیا انکی نازک تلواریں لچکتی بل کھاتی اور جگمگاتی لپکیں ہندوؤں کی سیاہ ڈھالوں پر پڑیں جنگ شروع ہو گئی فریقین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے نہایت غضبناک ہو کر حملے کرنے لگے کھانڈے اور تلواریں سرو تن کے فیصلے کرنے لگیں خون کے فوارے ابلنے لگے پر جوش سرفروش بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی انسانی زندگیاں اسی آگ میں جل جل کر بھسم ہونے لگیں موت بہادروں کے سروں پر منڈلانے لگی اور قضا مرنے والوں کی روحیں کھینچنے کیلئے گھبرائی گھبرائی پھرنے لگی چونکہ دونوں فریق

غیظ و غضب کی حالت میں نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ اسلئے لشکر میں کوئی نظام نہ رہا تھا صفیں ٹوٹ گئیں مسلمان ہندوؤں میں اور ہندو مسلمانوں میں گھل مل گئے اور جو جہاں پہونچ گیا وہیں لڑنے لگا مسلمان کم تھے بہت ہی کم اور ہندو بہت زیادہ تھے اس لئے ہندوؤں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا تھا مسلمانوں نے پچاس پچاس اور سو سو آدمیوں کے گروہ بنائے تھے اور ہر گروہ نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا تھا بہادروں کے سر کٹ کٹ کر گیندوں کی طرح اچھل رہے تھے لاشیں گر رہی تھیں خون بے قدری کیسا تھ بہہ رہا تھا ہندو دلیرے جوش سے مسلمانوں پر حملے کر رہے تھے اور مسلمان ہندوؤں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ لڑائی کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی اسوقت ہر لڑنے والا اپنی ہستی کو بھولے ہوئے تھا اسے صرف مارنا اور مرنا ہی یاد رہ گیا تھا اس خون آشام لڑائی کی تباہ کاریاں حد نگاہ تک پھیلی ہوئی تھیں زخمیوں کی چیخ و پکار قومی نعروں کی آواز اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سے تمام میدان ہیبتناک طریقہ پر گونج رہا تھا محمد ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے میں تلوار لئے نہایت جوش سے حملے کر کے ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے اس وقت انہیں حملہ روکنے کا ہوش نہ رہا تھا نہایت تند وبلا سے تو دو ہاتھ تیغے زن رہا تھا چونکہ اس بات کا خیال نہ کرتا تھا کہ مسلمان ان کے ہمراہ ہیں یا نہیں اسلئے اکثر ہندوؤں کے نرغہ میں آجاتا تھا اور پوری طاقت سے حملے کر کر کے انکے حصار سے نکل جاتا تھا لہذا ہندوؤں نے دیکھ لیا تھا کہ وہی لشکر کا روح رواں ہے اسلئے ہندوؤں نے اسے قتل کرنے کیلئے اس پر یورش کی ہر طرف سے انکے گرد احاطہ کر لیا اور رفتہ رفتہ اس احاطہ کو محدود کرنا شروع کیا محمد اب بھی نہ سمجھا اور وہ بدستور پر جوش حملے کرتے رہا آخر ہندوؤں نے اچانک چاروں طرف سے ان پر تلواروں کا مینہہ برسا یا وہ مقدر دبھر لڑا بہت سے ہندوؤں کو مار ڈالا اس نے

کر گئی تلواریں اسکی پشت کی طرف سے آکر اس کے سر پر پڑیں اور وہ ان سے نیزوں کو
نہ بچا سکا چنانچہ وہ شہید ہو کر گرنے لگا قریب ہی سعید آگیا تھا اس نے اسلامی علم
کو سرنگوں ہوتے دیکھ کر سمجھ لیا کہ خضر یا تو شہید ہو گیا یا شہید ہونے والا ہے اس
نے بڑھ کر اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا اور نہایت جوش سے حملہ کر کے ہندوؤں کو منتشر
کر دیا جب وہ خضر کے قریب پہونچا تو وہ گھوڑے سے نیچے آ رہا تھا مگر علم کو اب تک سنبھالے
ہوئے تھا سعید نے جلدی سے بڑھ کر علم اس کے ہاتھ سے لے لیا اس نے آنکھیں کھول
کر دیکھا اور کہا خدا کا شکر ہے ..... اسکے بعد اس کی آواز نہ نکلی اور زمین پر گر پڑا
گرتے ہی اس کی روح پرواز کر گئی علم ہاتھ میں لیتے ہی سعید نے نہایت جوش سے
حملہ کیا اور بہت سے ہندوؤں کو قتل کر کے ان کے نرغہ سے نکل آیا لیکن جس
طرف وہ آیا اس طرف سے ہاتھیوں کی فوج مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے بڑھ
رہی تھی اس نے یہ دیکھ لیا۔ جوش شجاعت سے اس کا خون کھولنے لگا اور وہ بے
دھڑک ہو کر ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے بڑھا چونکہ جنگ شروع ہو گئی تھی بہادر
ہمہ تن مصروف جنگ تھے اس لئے انہیں وقت گذرتا معلوم نہ ہوا۔ اس وقت دوپہر
ڈھل گیا تھا اور آفتاب نصف النہار کو عبور کر کے مغرب کی طرف جھک گیا
تھا اب بھی ہر طرف جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی خون آلود تلواریں اور
کھانڈے خون برساتے اٹھ رہے تھے سرفروش نہایت جوش سے لڑ رہے تھے
ہندو مسلمانوں کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے ادھر مسلمان انہیں قتل کرنے پر تلے ہوئے
تھے سعید ہاتھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا اس کے ایک پہلو میں اس سے ذرا فاصلہ
پر حسن مع سواروں کے بڑی ہی بے جگری سے لڑ رہا تھا اور دوسری طرف پچاس
مسلمانوں کا گروہ مصروف پیکار تھا لیکن جنگ ایسے جوش سے ہو رہی تھی کہ ایک
کو دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی سعید بڑھتے بڑھتے ہاتھیوں کے قریب پہونچ گیا اسی کا

گھوڑا خالص عربی تھا اس نے کبھی ہاتھی نہ دیکھے تھے وہ ان کالی بلاؤں کو دیکھکر بھڑکا
سعید جنگ میں مشغول تھا اس کے ایک ہاتھ میں علم تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار
نے حملہ کر دیا تھا گھوڑے کے بھڑکتے ہی وہ نیچے گر پڑا گرتے ہی اٹھا اور پیدل ہی لڑنے
لگا اس نے جلدی جلدی قریب والے ہندوؤں کے گھوڑوں کو مجروح کر دیا اور مجروح
گھوڑے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے میدان صاف ہونے لگا مگر ہاتھیوں کا ریلہ تیزی سے
اسکی طرف بڑھا چونکہ پر جوش مجاہد تھا اسلئے ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے مردانہ وار
بڑھا جب وہ ہاتھیوں کے بالکل سامنے پہونچ گیا تو ہندوؤں نے اس پر حملہ کر دیا
ان سے لڑنے لگا اور اس جوش سے لڑا کہ چشم زدن میں اس نے پانچ چھ ہندوؤں
کو مار ڈالا جب وہ جنگ میں مصروف تھا تو دفعتاً ایک ہاتھی نے اس کے گرد سونڈ
ڈالدی اور اتنے میں کہ وہ آگاہ ہونے پائے جلدی سے اسے کھینچ کر پاؤں سے
مسل ڈالا اس طرح پہلے محرز اور بعد میں سعید دونوں شہید ہو گئے۔ اور
اب اسلامی علم زمین پر گر گیا ہندوؤں نے جوش نفرت سے علم اٹھا کر اسکا
پھریرا چاک کرنا چاہا کہ حسن پہونچ گئے ان کے ہمراہ ستر آدمی تھے اس نے اس کے
ساتھیوں نے نعرہ لگا کر ہاتھیوں سے بچ کر پھر ہندوؤں پر حملہ کر دیا چونکہ اب آفتاب
غروب ہونے والا تھا۔ دن کی روشنی رات کی تاریکی میں غائب ہونے لگی تھی اس
لئے جنگ کا فیصلہ کر ڈالنے کی نیت سے ہندو اور مسلمان نے نہایت جوش سے حملہ کر
کر کے خونریز جنگ شروع کر دی ایک فریق دوسرے پر ٹوٹ پڑا اور جنگ نہایت
خونفشانی سے ہونے لگی بہادر جلدی جلدی کٹ کٹ کر گرنے لگے ہاتھوں پیروں
سروں اور دھڑوں کے جگہ جگہ ڈھیر لگ گئے لیکن جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا رات
ہو گئی اندھیرا پھیل گیا اور جنگ جاری نہ رہ سکنے کی وجہ سے فریقین الگ الگ ہو گئے
اور اپنے اپنے لشکر کی طرف لوٹ پڑے۔

پنتیسواں باب

"تسخیر اسلام"

چار ہزار مسلمانوں نے بیس ہزار ہندوؤں کا تمام دن روزہ سے رہ کر مقابلہ کیا اگرچہ ہندوؤں نے پورے جوش سے اور پوری طاقت سے حملے کئے لیکن مسلمان سد سکندری کیطرح ڈٹے ہوئے تھے اور انہوں نے بڑی صبر و استقلال سے انکے حملوں کو روکا۔ نہ صرف حملوں کو روکا بلکہ اسقدر قتل عام کیا کہ تمام میدان کارزار میں ان کی لاشیں بچھا دیں اگرچہ جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا نہ مسلمانوں کو فتح ہوئی نہ ہندوؤں کو لیکن فریقین کا نقصان زیادہ ہوا ہندوؤں کے تو آدمی زیادہ مارے گئے اور مسلمانوں کے کئی افسر شہید ہو گئے جب رات ہونے کی وجہ سے لشکر واپس لوٹے تو ہندوؤں کی سات ہزار لاشیں میدان کارزار میں پڑی رہ گئیں مسلمان بھی دو ہزار کے قریب شہید ہوئے لیکن دو افسر ایک محرز اور دوسرے سعد یہ دونوں بڑے بہادر اور شیر دل تھے دونوں ہی شہید ہو گئے جب محمد قاسم کو ان جانباز افسروں کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی تو اسے بڑا افسوس ہوا اور اس نے جوش و غم کی حالت میں قسم کھائی کہ جب تک داہر کو قتل کر کے ان دونوں کا انتقام نہ لوں گا اسوقت تک آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ تمام رات مسلمان قرآن مجید پڑھتے رہے اور دعائیں مانگتے رہے صبح کے وقت انھوں نے نماز پڑھی اور مسلح ہو کر میدان کارزار کیطرف چلے انکا خیال تھا کہ آج بھی ہندو جنگ کیلئے نکلیں گے مگر وہ تیار نہ ہوئے۔

ہندوؤں کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے تقریباً سوا میل تھا مسلمان میدان کارزار میں کھڑے رہ کر ہندوؤں کے آنے کا انتظار کرنے لگے کچھ دیر کے بعد ہندوؤں

چند آدمی آتے ہوئے نظر آئے۔ مسلمانوں کو خیال ہوا کہ شاید وہ صلح کیلئے آ رہے ہیں۔ چنانچہ اسلم نے محمد قاسم سے کہا شاید یہ لوگ صلح کے خیال سے آ رہے ہیں۔ محمد قاسم نے کہا ان کا اندازہ تو یہی بتا رہا ہے مگر ابھی تو ان کا بے شمار لشکر موجود ہے ابھی وہ صلح نہ کریں گے اور اگر صلح ہی کے ارادہ سے آئے ہیں تو میں مجبور ہوں کیونکہ رات میں نے غم اور غصہ کی حالت میں قسم کھائی ہے کہ داہر کو قتل کر کے رہونگا۔ اسلم نے کہا۔ لیکن آپ کو قسم نہ کھانا چاہیئے تھی

محمد قاسم۔ یہ سچ ہے مگر اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔

اب ہندو ان کے قریب آ گئے تھے ان میں سے ایک آدمی نے بڑھ کر کہا ہم آپ کے سردار سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

محمد قاسم۔ کہو۔

وہی شخص۔ مہاراجہ داہر یہ چاہتے ہیں کہ آج جنگ ملتوی کر دی جائے اور اپنے اپنے مردوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

بات معقول اور مناسب تھی کیونکہ میدان تمام لاشوں سے پٹا پڑا تھا محمد قاسم نے کہا منظور ہے صرف آج کیلئے التوائے جنگ کیا جاتا ہے۔

وہی شخص۔ مگر حضور مردے زیادہ ہیں اور شاید سارے دن میں بھی ٹھکانے نہ لگائے جا سکیں۔

محمد قاسم۔ تب کیا ہو؟

وہی شخص۔ دو دن کیلئے جنگ ملتوی کر دیجئے۔

محمد قاسم۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کو کسی لشکر کے آنے کا انتظار ہے

وہی شخص۔ حضور اب لشکر کون بھیجے گا۔ مہاراج خود یہاں موجود ہیں۔

محمد قاسم۔ اچھا دو دن کیلئے التوائے جنگ منظور ہے۔

ہندو واپس چلے گئے محمد قاسم نے بھی لشکر کو واپس جانے اور ان میں سے
پانسو آدمیوں کو آکر شہداء کے جمع کرنیکا حکم دیا چنانچہ تمام لشکر واپس لوٹ گیا۔ ادھر
پانسو سپاہی اسلحہ اتار کر صرف ایک ایک تلوار لیکر آگئے اور میدان کارزار میں پھیل
گئے تھوڑی ہی دیر میں اس طرف سے بھی ہندو آگئے اور وہ بھی سارے میدان
میں پھیل کر مردوں کو اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے مسلمانوں نے عصر کے وقت تک سارے
میدان کا چپہ چپہ دیکھ دیکھ کر شہیدوں کو جمع کیا۔ انکی نماز جنازہ پڑھی اور گہرے
گڑھے کھود کھود کر دفن کر دیا۔ ہندو لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لے جاتے اور چتا پر رکھ
کر جلاتے چونکہ تقریباً سات ہزار لاشیں تھیں اس لئے ایک دن میں نہ جلائی جاسکیں
آدھی رات تک اس وہ جلاتے رہے اور دوسرے دن بھی دن نکلتے ہی سیکڑوں چتائیں
بنا بنا کر مردوں کو جلانا شروع کر دیا۔ آج مسلمان آرام کرتے رہے۔ مگر یہ نہیں کہ
بیٹھے یا پڑے رہے بلکہ ہتھیاروں کو صاف کرتے رہے۔

مغرب کے بعد جب وہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ لشکر کے شمالی جانب کچھ
شور ہوا۔ ہندوؤں کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے مشرق کی طرف پڑا ہوا تھا چاند
نکل آیا تھا اور چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ محمد قاسم اپنے خیمہ کے سامنے فرش پر بیٹھا تھا
وہ شور سنکر چونکا اور اس نے اپنے غلام ساقی کو آواز دی۔ ساقی کھانا تیار کر رہا تھا
وہ اس کے پاس آیا۔ محمد قاسم نے کہا ذرا جلدی جا کر پتہ لگاؤ کہ یہ کیسا شور ہو رہا ہے
بہت اچھا کہہ کر ساقی چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا۔ چونکہ محمد قاسم مضطرب
ہو رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی کہا۔ کہو کیا معاملہ ہے۔ ساقی نے کہا کچھ ہندو آپکی خدمت
میں باریاب ہونا چاہتے ہیں۔

محمد قاسم ۔ اچھا تم ذرا اس طرف اور فرش کرادو

ساقی نے جلدی سے خیمہ کے اندر فرش بچھا دیا جب وہ فرش بچھا کر فارغ ہوا

تو تقریباً پچاس ہندو مسلمانوں کے ہمراہ آئے انہوں نے آتے ہی محمد قاسم کو سلام کیا۔ محمد قاسم نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نہایت عزت سے بٹھایا جب وہ بیٹھ گئے تب محمد قاسم نے کہا۔ کہیے کیسے تشریف لائے۔

ان میں سے ایک ہندو نے کہا جو کہ چند ہار پہنے ہوئے تھا ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ کے بھائی بن جائیں۔ محمد قاسم نے خوش ہو کر کہا نہایت مسرت خیز بات ہے آپ کا نام کیا ہے؟ ہندو نے جواب دیا۔ میرا نام کسکہ ہے میں قصبہ دار کا رہنے والا ہوں یہ قصبہ میں نے ہی بسایا ہے یہ لوگ میری ہی رعایا ہیں۔

محمد قاسم۔ اور یہ سب ہمارے بھائی بننا چاہتے ہیں۔

کسکہ۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ بہتر ہے۔

کسکہ۔ اچھا تو آپ ہمیں مسلمان کریں۔

محمد قاسم نے کلمہ پڑھا کر ان سب کو مسلمان کر لیا چونکہ اس عرصہ میں بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے فرط مسرت سے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا۔ اب محمد قاسم نے کہا۔ مذہب اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے اب تم ہمارے دانشہرائے حجاج اور اعلیٰ حضرت خلیفتہ المسلمین ولید کے بھائی بن گئے ہو اب جو خدمت تم ہم سے لینا چاہتے ہو کہو ہم تمہاری خدمت کریں گے۔

کسکہ۔ اپنی خدمت کرانا نہیں چاہتے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے پر تیار ہیں۔

محمد قاسم۔ جزاک اللہ کیا آپ ایک بات بتا دیں گے؟

کسکہ۔ ضرور۔

محمد قاسم۔ کس بات نے آپ کو مسلمان ہونے پر آمادہ کیا۔

کسکہ۔ داہر کے مظالم نے وہ مغرور بھی ہے اور ظالم بھی اس کے حکم سے اسکے لشکر نے ہمارے قصبہ میں پہونچ کر ہمارے تمام غلہ پر قبضہ کر لیا میں نے ہر چند انکو منع کیا لیکن وہ نہ مانے میں داہر کے پاس گیا اور ان سے شکایات کیں۔ داہر نے کہا ہم یہاں لڑنے کیلئے آئے ہیں کیا تم لشکر کے لئے رسد بھی نہیں دے سکتے میں نے کہا جس قدر غلہ قصبہ والوں کی ضرورت سے زیادہ ہو وہ لے لیا جائے اس نے نہ مانا اور مجھے نکلوا دیا یہ میری زبردست توہین تھی۔ غم غیرت سے میں اس توہین کو برداشت نہ کر سکا اور میرے دل نے کہا کہ اس مذہب ہی کو چھوڑ دینا چاہئے جس کے پیرستار ظالم بن گئے تھے چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

محمد قاسم۔ بس خدا نے تم کو ہدایت دی اس نے یہ بہانہ بنا دیا۔

کسکہ۔ یہی بات ہے اب میں داہر سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔

محمد قاسم۔ اس نے دو دن کے لئے التوائے جنگ کی درخواست کی تھی آج دوسرا دن ہے۔ کل انشاء اللہ جنگ ہو گی۔ تم ہمارے ساتھ رہ کر اس سے اور اسکے لشکر سے انتقام لے لینا۔

کسکہ۔ نہایت مناسب لیکن آپ اگر مناسب سمجھیں تو کچھ لشکر میرے ساتھ کر دیا اور میں رات کی تاریکی میں اس لشکر کو لیکر داہر کے پشت کیطرف پہونچ جاؤں صبح جب جنگ شروع ہو تو میں اسطرف سے اچانک حملہ کر دوں۔

محمد قاسم۔ رائے تو تمہاری معقول ہے۔ اچھا کس قدر لشکر تمہارے ساتھ کر دیا جائے۔

کسکہ۔ کم سے کم ایک ہزار۔

محمد قاسم۔ بہت اچھا!

اس نے اسی وقت مروان بن اسحم یمنی اور تمیم بن زید جشی کو ہدایت کر دی کہ فوراً کھانا کھا کر ایک ایک ہزار لشکر لیکر کیمپ سے باہر شمال کیطرف کھڑے ہو جائیں دونوں افسر سلام کر کے چلے گئے محمد قاسم نے ان تمام ہندوؤں کو جو کہ مسلمان ہو چکے تھے کھانا کھلایا اور عشاء کی نماز کے بعد انہیں ہمراہ لیکر شمال کیطرف پہونچا۔ یہاں مروان اور تمیم ایک ہزار لشکر لئے کھڑے تھے محمد قاسم نے کہا۔ اسلامی تیر دار اپنے ان بھائیوں کے ہمراہ جاؤ جو ابھی یہ کہیں اور جس طرح سے یہ کہیں اسی طرح کرو گویا تم پر اب انکی اطاعت فرض ہے جاؤ تم کو خدا کے سپرد کیا۔ کسکہ اور تمام ہندو یہ بات سن کر نہایت خوش ہوئے اور وہ اسلامی لشکر کیساتھ شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔

چھتیسواں باب

مغرور راجہ کا انجام

دوسرے دن آفتاب طلوع ہوتے ہی راجہ داہر نے لشکر کو تیار ہو کر میدان کارزار میں پہونچنے کا حکم دیا چنانچہ لشکر مسلح ہو ہو کر میدان کارزار میں جا جا کر صف بستہ ہونے لگے مسلمان بھی صبح کی نماز پڑھتے ہی تیار ہو ہو کر میدان میں آنے اور صفیں مرتب کرنے لگے داہر نے چند ایک نجومیوں کو بلا کر کہا۔ آج میں خود لڑنا چاہتا ہوں تم جوتش اور نجوم کے ذریعہ سے یہ دیکھو کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی یا میری؟

جوتشیوں نے پوتھیاں کھول کھول کر حساب لگانا شروع کر دیا کئی دفعہ حساب لگایا آپس میں سرگوشیاں کیں اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ داہر نے دریافت کیا۔ بتاؤ تمہارے علم نے کیا بتایا؟ ایک جوتشی نے کہا۔ حضور مناسب یہ ہے کہ آپ اس بات کو دریافت ہی نہ کریں اور نہ دیوتاؤں کا نام لیکر لڑائی کے لئے تشریف لے جاویں۔

داہر۔ نہیں میں بغیر دریافت کیئے نہ جاؤں گا تم ایک مرتبہ اور حساب لگاؤ اور پھر مجھے بتاؤ۔

جوتشیوں نے پھر پوتھیاں دیکھیں پھر حساب لگائے پھر سرگوشیاں کیں اور پھر چپ ہو گئے۔ داہر کو غصہ آیا اور اس نے بگڑتے ہوئے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم خاموش کیوں ہو جاتے ہو بولو تمہارا علم کیا کہتا ہے۔

ایک جوتشی نے کہا۔ مہاراج زہرہ آپ کے سامنے ہے اور عربوں کے پیچھے!!

داہر۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے۔

جوتشی۔ حضور اس کا یہ اثر ہے کہ زہرہ جس کے پشت پر ہوتا ہے فتح اسکی ہوتی ہے۔

داہر۔ گویا عربوں کی فتح ہو گی۔

جوتشی۔ جی ہاں ہمارا علم یہی بتاتا ہے۔

داہر نے ناراض ہو کر کہا۔ بدبختو یہی کہنا چاہیئے تھا تمہیں جوتشیوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ان داتا ہم تو پہلے ہی سے کچھ نہ کہتے تھے۔

داہر۔ اور کہی تو ایسی بدشگونی کی بات۔ اچھا میں تم سب کو قتل کرائے دیتا ہوں۔

تمام جوتشی کانپ گئے لیکن ایک بڈھے نے کہا مہاراج اس کا ایک حل (بدل) ہے

داہر۔ کیا؟

بڈھا۔ آپ ایک سونے کا زہرہ بنا کر فتراک میں لٹکا لیجئے اس طرح آپ کے پیچھے ایک پیکر زرد ہونے کی وجہ سے اصلی زہرہ کا اثر جاتا رہے گا۔

داہر نے خوش ہو کر کہا۔ خوب تدبیر بتائی تم نے۔ تم نہایت ہی قابل آدمی ہو۔ اس نے جلدی سے زہرہ کی تصویر سونے کی بنائی اور فتراک پر آویزاں

کرلی اب وہ خیمہ سے باہر نکل کر ایک ہاتھی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھی پر عماری کسیدہ تھی اس
نے دو خوبصورت داسیوں کو اپنے ساتھ سوار کرا لیا۔ کمان ہاتھ میں اور زرکش عماری میں
رکھ لئے فیلبان نے ہاتھی کو بڑھایا اور لشکر کے بیچ ہاتھیوں کے پاس لا کر کھڑا کر دیا اس
کے لشکر میں پہونچتے ہی نقارہ پر چوٹ پڑی۔ گھنٹے، گھڑیال، سنکھ، ترنا، بوق، اور دوسری
اشیاء زور زور سے بجائی جانے لگی تھیں۔

ہندوؤں نے جیکارے لگا لگا کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ انہیں بڑھتے ہوئے
دیکھ کر محمد قاسم نے تین نعرے لگائے تیسرے نعرہ کی تکرار تمام لشکر نے کی اس پرشور
نعرہ کی آواز میں ہندوؤں کے تمام باجوں اور جیکاروں کی آوازیں گم ہو کر رہ گئیں آج
۱۰ رمضان ۹۳ھ کا دن تھا۔ تمام مسلمان روزہ سے تھے۔ اور چونکہ راجہ داہر نے
تمام اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کیا۔ اس لئے تمام مسلمان بھی میدان کارزار میں پہونچ
گئے تھے، میمنہ پر اسلم، ذکوان، بدر جمالی اور میسرہ پر حسن، عبدالرحمن، عجل اور ساقہ
پر مجاشع اور سفیان الابرک اور طلایہ پر خریم ابانہ عبدالقیس اور قلب میں محمد قاسم
اور حمید مقرر ہوئے محمد قاسم نے اپنے تمام لشکر کی پانچ صفیں کر کے ہر صف دور
پھیلا رہا تھا یہاں تک کہ میمنہ والوں کو میسرہ والے نظر نہ آتے تھے۔

ہندوؤں کے بڑھتے ہی مسلمان نے بڑھنا شروع کیا اور دونوں فریق کمال
جوش میں بھرے ہوئے تیزی سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ جس وقت انہوں نے بڑھنا
شروع کیا تھا اس وقت دونوں لشکروں میں اتنا فاصلہ تھا کہ اگر وہ چاہتے تو تیروں
سے جنگ کر سکتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تیروں کی لڑائی لڑ کر تضیع اوقات
نہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب بڑھ کر دونوں ایک دوسرے کے قریب پہونچ گئے تب
ہندوؤں نے کھانڈے اور مسلمانوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں
کہ مسلمانوں کا لشکر آٹھ ہزار تھا۔ اور داہر چالیس ہزار لشکر لایا تھا جس میں سے سات

ہزار ہندو مارے جاچکے تھے اور تنتیس ہزار باقی تھے آج داہر نے تنتیس ہزار لشکر سے
آٹھ ہزار مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس عظیم الشان لشکر سے
مٹھی بھر مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے
ہوئے تھے جس وقت بڑھ کر دونوں لشکر ٹکرائے اور تلواریں اور کھانڈے اٹھ
اٹھ کر قتل اور خونریزی کے لئے جھکے اور سیاہ ڈھالیں اٹھیں جن سے نہایت
ہیبتناک منظر نظر آنے لگا حسب معمول ہندوؤں نے شور و غل کر کر کے حملے کرنے شروع
کر دئیے مسلمان سر جھکا کر ضبط اور سکوت سے ہندوؤں کو اس طرح قتل کرنے
لگے جس طرح کسان کھیتی کاٹا کرتے ہیں خونریز جنگ شروع ہو گئی تھی طلایہ کی صفیں پیچھے
ہٹ کر قلب سے جا ملی تھیں اور میمنہ و میسرہ بلا کی سرعت سے بڑھ کر قلب کے محاذ
میں پہنچ گئے تھے آج مسلمانوں نے اپنی صفیں نہ ٹوٹنے دیں وہ یکجہتی سے حملہ کرتے
تھے تلواریں جلد جلد اٹھ کر انسانوں کا خاتمہ کر رہی تھیں۔ ہاتھ پیر سر اور دھڑ
کٹ کٹ کر گر رہے تھے کبھی کبھی تلواریں بھی اچھل اچھل کر گر پڑتی تھیں لاشوں
کے ڈھیر لگتے چلے جا رہے تھے۔ خون پانی کی طرح سے بہہ رہا تھا ہندو جیکارے
لگا رہے تھے۔ شور مچا رہے تھے۔ زخمی چلا رہے تھے۔ ان آوازوں سے میدان
کارزار گونج رہا تھا۔

جوں جوں جنگ کی آگ بھڑکتی جاتی تھی لوگ قتل ہوتے جاتے تھے اور لوگوں کے
سینوں میں جوش و غضب کا دریا امڈ آ رہا تھا نہایت خونفشاں جنگ ہو رہی تھی خون
کے فوارے اچھل رہے تھے کسی کی زندگی محفوظ نہ تھی کوئی نہ جانتا تھا کہ کب اس پر
کھانڈا پڑتا ہے اور کب اس کا خاتمہ ہو جائے مگر خوفزدہ کوئی بھی نہ تھا ہر شخص بڑی بہادری
سے لڑ رہا تھا ہندوؤں کو تو اپنی کثرت پر زعم تھا وہ نہایت جوش سے بڑھ بڑھ کر
حملے کر رہے تھے ہر طرف پھیلے ہوئے شور کر کے میدان کارزار کو عرصہ حشر بنائے

ہوئے تھے لیکن مسلمانوں کو خدا پر اعتماد تھا اور وہ اسی کے بھروسہ پر سر جھکائے نہایت خاموشی اور بڑے استقلال سے لڑ رہے تھے وہ صفوں کی صفیں الٹ دیتے تھے کھیرے ککڑی کی طرح ہندوؤں کو کاٹ رہے تھے یہ عجیب بات تھی کہ ہندو جس قدر زیادہ تھے اسی قدر زیادہ مر رہے تھے ـــــ بلکہ مرنے میں بھی جلدی کر رہے تھے اور جو کوئی ایک دفعہ زخمی ہو کر گر پڑتا تھا اسے دوبارہ اٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا گھوڑوں کی ٹاپوں سے مسلا جاتا تھا مسلمان کم تھے اور کم ہی مر رہے تھے بڑی مشکل سے دو چار مسلمان شہید ہو جاتے تھے وہ بھی بکا بعض ساتھ ہندوؤں کو قتل کر کے۔ ہندوؤں کو خیال نہ صرف خیال بلکہ یقین تھا کہ مسلمانوں کو بہت جلد ختم کر کے فتح کا نقارہ بجائیں گے لیکن جب لڑائی نے طول کھینچا تب انھیں معلوم ہوا کہ مسلمان کچھ تر نوالہ نہیں ہیں کہ انھیں آسانی سے نگلا جا سکے رفتہ رفتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں اور ایک فریق دوسرے فریق کی صفوں میں گھس گیا اب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور قریب قریب ہر آدمی تک لڑائی کے شعلے پہونچنے لگے چونکہ میدان کارزار نہایت طویل و عریض تھا اس لئے جہاں تک اور جہاں تک نظر جاتی تھی تلواریں اٹھتی اور سر گیندوں کی طرح اچھلتے نظر آتے تھے ہندو بڑے جوش سے لڑ رہے تھے انکے چوڑے چوڑے کھانڈے نہایت تیزی سے چل رہے تھے اور وہ اپنی پوری طاقت سے حملے کر رہے تھے ہر طرف بکھرے ہوئے دلیری سے لڑ رہے تھے لیکن انکی جرأت اور انکا جوش کچھ بھی کام نہ دے رہا تھا۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے مسلمان انھیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیتے تھے اور کچھ قتل ہو جاتے تھے۔ کچھ گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے تھے پیچھے ہٹ کر جب ان کے حواس درست ہوتے تھے تب پھر جوش میں آ کر حملہ کرتے تھے اور پھر انکا پہلا ہی سا حشر ہوتا تھا انھیں اس بات پر بڑا غصہ آ رہا تھا کہ مسلمان مار تو رہے تھے اور خود نہ مر رہے تھے

یا اگر مرتے تھے تو اس قدر کم کہ مرتے ہوئے بھی معلوم نہ ہوتے تھے حقیقت یہ ہی ہے کہ مسلمان کچھ ایسے جوش سے لڑ رہے تھے جس گروہ جس غول اور جس صف پر حملہ کرتے تھے اس کا خاتمہ ہی کر کے چھوڑتے تھے اور جب ان پر حملہ کیا جاتا تھا تو شیروں کی طرح رک کر حملہ آوروں کو چیر پھاڑ ڈالتے تھے انھوں نے ہزاروں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا اور قتل و خونریزی کرتے صفیں الٹتے راجہ داہر کے قریب پہونچ گئے تھے اس وقت ہر ہندو نہایت ہی جوش سے لڑ رہا تھا اور مسلمانوں کو روکنے اور قتل کر ڈالنے کی جد وجہد کر رہا تھا مگر مسلمان ایسے جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ انھیں قتل کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے گویا انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ایک مشرک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے دوپہر سے پہلے ہی پہلے انہوں نے تقریباً پندرہ ہزار ہندوؤں کو قتل کر ڈالا تھا جنگ کے شعلے اس قدر بلند ہو رہے تھے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس کی لپیٹ میں آ کر اپنی اپنی ہستیوں کو بھول چکے تھے یوں تو ہر مسلمان بڑے جوش سے لڑ رہا تھا مگر ہر دستہ کا سردار کمال بے جگری سے جنگ کر رہا تھا خصوصاً اسلم جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو کافروں کو مار ڈالتا تھا بدرجمال اگرچہ اسی جوش سے لڑ رہا تھا جس جوش سے اسلم لڑ رہا تھا۔ مگر وہ کچھ نازک تھا اور نزاکت کی وجہ سے جلد جلد حملے نہ کر سکتا تھا تاہم مقدور بھر جنگ کر رہا تھا مگر وہ زیادہ تر اسلم کی حفاظت میں مصروف تھا جب اسلم بڑھ کر حملہ کرتا تھا تو اس کے پیچھے دوڑتا تھا اور جب کوئی ہندو اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا تو وہ اسے قتل کر ڈالتا۔

محمد قاسم بہت ہی جوش سے بھر کر لڑ رہا تھا وہ گھوڑا بڑھا کر کبھی اس طرف کبھی سامنے حملہ کرتا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو سواروں کو قتل کر ڈالتا تھا وہ جوان تھا نوجوان نہیں بلکہ کمسن۔ اس کا چہرہ جوش شجاعت سے سرخ ہو رہا تھا وہ بڑی

پھرتی اور بڑی دلیری سے حملے کر رہا تھا اس کی تلوار جس کے سر پر پڑتی تھی سر سے سینے تک چیرتی اتر جاتی تھی چونکہ صبح سے لڑتے لڑتے یہ وقت آگیا تھا اور لڑائی میں مشقت زیادہ کرنا پڑتی ہے اس لئے اسے پیاس معلوم ہونے لگی اسقدر خشکی بڑھی کہ لبوں پر پپڑیاں جم گئیں اس کے قریب ہی اس کا غلام ساقی بھی لڑ رہا تھا ایک دفعہ جب محمد قاسم غلام کے قریب پہونچا تو اس نے کہا ساقی پانی پلاؤ ساقی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ یا سیدی آپ کا روزہ ہے

محمد قاسم کو یاد ہی نہ رہا تھا کہ رمضان شریف کا مہینہ ہے اور روزہ اور تمام مسلمان روزہ سے ہیں اس نے کہا بخدا مجھے یاد نہ رہا تھا۔ خدا معاف کرے کہ میں نے رمضان شریف میں دن کے وقت پانی مانگا یہ کہہ کر وہ پھر جنگ میں مشغول ہو گیا اگر ہم ہر سردار کی جنگ کا مفصل حال لکھیں تو نہایت ضخیم کتاب ہو جائے بس یہ سمجھ لیجئے کہ ہر مجاہد ہر سپاہی ہر سردار غرضیکہ ہر مسلمان نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا جب کہ آتش جنگ تیزی سے بھڑک رہی تھی اور ہر آدمی مصروف جنگ تھا دفعتاً ہندوؤں کی پشت کی طرف سے اللہ اکبر کے پر زور نعرہ کی آواز آئی ہندو اس آواز کو سن کر چونک پڑے اور پیچھے پھر کر دیکھنے لگے انھوں نے کہا مسلمانوں کا کچھ لشکر انکی پشت کی طرف سے حملہ آور ہوا ہے اور اس نے آتے ہی نہایت شد و مد سے حملہ کر دیا اتنے میں کہ ہندو ہوشیار ہو کر معاملہ کی نوعیت سمجھیں انکی کثیر تعداد نئے آنے والے مسلمانوں نے قتل کر ڈالی۔ مسلمان اللہ اکبر کی آواز سنکر ہی سمجھ گئے تھے۔ کہ مروان اور تمیم نے ہندوؤں کی پشت کی طرف سے حملہ کر دیا اب ان مسلمانوں نے اللہ اکبر کا غلغلہ انداز نعرہ لگایا اور سنبھل کر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ اب ہندو دو دیالوں کے درمیان آگئے ایک طرف ان پر آگے کیطرف سے حملہ کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف پشت کی جانب سے اور دونوں ہی طرف پر جوش غازیوں

نے انھیں اس تند ہی سے نیز بہت بری طرح سے قتل کرنا شروع کیا کہ صرف دو ہی گھنٹے میں تقریباً تمام لشکر کو قتل کر ڈالا صرف ایک ہزار سوار راجہ داہر کے ہاتھی کے گرد کھڑے رہ گئے اب مسلمانوں نے راجہ کے ان باڈی گارڈ (محافظ رسالہ) پر حملہ کر دیا جو راجہ کے چاروں طرف کھڑا تھا مغرور و متکبر راجہ نے اپنے تمام لشکر کو قتل کرتے ہوئے دیکھا۔

جب وہ میدان کارزار میں نکلا تھا تو مسلمانوں کو تھوڑا سمجھ کر خیال کر رہا تھا کہ اس کا بے شمار لشکر انہیں فنا کر دیگا لیکن اب جبکہ اس کا تمام لشکر موت کی آغوش میں میٹھی نیند سو گیا تو حسرت و افسوس سے حسرت کا منہ دیکھنے لگا اسی دوران میں مسلمانوں نے اس کے خاص رسالہ پر حملہ کر دیا اب آ گئے حسرت و افسوس کے اس کے چہرہ سے غم اور خوف کے آثار ظاہر ہونے لگے اس نے کمان ہاتھ میں لی اور داسیوں سے تیر لے کر چلانے لگا۔

داسیاں تیر دیتی جاتی تھیں اور وہ کمان میں رکھکر چلا رہا تھا چونکہ وہ ہاتھی پر تھا اور مسلمان گھوڑوں پر اس لئے اس کے تیر مسلمانوں کو مجروح کر رہے تھے چند مسلمان روغن نفط لیئے اس واسطے کھڑے تھے کہ جب ہاتھی مسلمانوں پر حملہ کریں گے تو وہ نفط زنی کر کے ہاتھیوں کے ہودوں اور عماریوں میں آگ لگانے کی کوشش کریں گے ابھی تک ہاتھیوں نے حملہ نہ کیا تھا۔ بلکہ یہ سمجھئے کہ ہندوؤں میں ہاتھیوں کو مسلمانوں پر ریلنے کا ہوش ہی نہ تھا۔ وہ لڑ لڑ کر قتل ہو رہے تھے چنانچہ ایک نفط زن نے تاک کر تیل پھینکا جو خاص داہر کی عماری پر پڑا اس تیل کا خاصہ تھا کہ جب وہ کسی چیز پر جا کر پڑتا تو ہوا لگتے ہی اسمیں آگ لگ جاتی چنانچہ عماری پر پڑتے ہی آگ کے شعلہ بھڑک اٹھے اور عماری جلنے لگی داسیاں چیخنے لگیں داہر پریشان ہو گیا اور ہاتھی خوفزدہ ہو کر بھاگا اس ایک ہاتھی کے بھاگتے ہی تمام ہاتھی

اسکے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے اور ان ہاتھیوں کی فوج نے اس طرف کے تمام سوار
کو کچل ڈالا جس طرف وہ دوڑ گئے ادھر مسلمانوں نے نہایت زور شور سے حملہ کر کے
باقیماندہ سواروں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا داہر کا ہاتھی بے تحاشہ بھاگا جا رہا
تھا جوں جوں وہ جھپٹتا تھا عماری میں شعلہ اور بھی تیزی سے بھڑکتے تھے داہر نے جلدی
سے فیلبان کو کہا کہ ہاتھی کو ندی میں ڈال دو داہر کا لشکر دریائے داوہا کے کنارے
پر مقیم تھا فیلبان نے ہاتھی کو ندی کی طرف ڈھکیلا مگر ہاتھی سخت خوفزدہ ہو رہا تھا
اور انکس کی پرواہ نہ کرتا تھا پھر بھی فیلبان جوں توں کر کے اسے دریا کے پاس لے گیا
اور اسکو دریا میں ڈال دیا اس عرصہ میں دونوں داسیاں بیہوش ہو چکی تھیں اور داہر
سخت پریشان تھا وہ غم اور خوف بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اتفاق سے
اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر محمد اسلم بدر جمال اور چند اور سرفروش مسلمان ہاتھی کے پیچھے
دوڑ پڑے ہاتھی کو پانی میں بھی آرام نہ آیا۔ اور گھبرا کر پانی سے باہر نکلا۔

اسی وقت اسلم اور اس کے ہمراہی وہاں پہونچ گئے۔ چونکہ عماری کے اوپر کا حصہ
جل چکا تھا اس لئے راجہ صاف طور پر بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسلم نے جلدی سے کمان
ہاتھ میں لیکر ترکش سے تیر نکالا اور کمان میں جوڑ کر پوری طاقت سے چلہ کھینچ کر
تیر چھوڑا تیر سنسناتا ہوا ہوا کو چیرتا ہوا داہر کے سینہ میں جا کر ترازو ہو گیا داہر نے
ایک خوفناک چیخ ماری اور ہاتھی سے نیچے گرا اس کے گرتے ہی بدر جمال گھوڑے سے
کود اس کے پاس پہونچ گیا دیکھا تو داہر اٹھنے کی سعی کر رہا تھا بدر جمال نے تلوار کھینچ
لی داہر نے اسکی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا آہ ایک عظیم الشان راجہ کا انجام
بدر جمال نے فوراً تلوار بلند کی اور اپنی پوری طاقت سے حملہ کیا تلوار داہر کی گردن
پر پڑی۔ سر کٹ کر دور جا گرا۔ اسلم اور تمام مسلمانوں نے جوش میں آ کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا
اب انھوں نے ہاتھیوں کو قابو میں کر کے داسیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت دور دور تک

داسیوں کو ہوش آگیا تھا۔ انھیں گرفتار کرکے یہ لوگ واپس ہوئے جب میدان جنگ میں پہونچے تو دیکھا کہ تمام سنہ ردار ڈانے جاچکے ہیں ظلم و جور کے پیکر دنیا کا خاتمہ ہو چکا ہے اور مسلمان ان کے کیمپ کی طرف اسے تاراج کرنے کیلئے بڑھ رہے ہیں انھوں نے بھی گھوڑوں کے ایڑ لگائی اور مسلمانوں کے ساتھ کیمپ کی طرف چل دیئے۔ یہ تھی وہ خونریز جنگ جس نے سنہردوں کا خاتمہ کرکے مسلمانوں کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔

سینتسواں باب

"نظارۂ جمال"

داہر نہایت مغرور متکبر۔ سفلہ مزاج ظالم اور ضدی وعشرت پسند تھا جس وقت سراندیپ سے آنے والے مسلمانوں کو گرفتار کرکے اس کے سامنے دیبل کے دروازہ پر پیش کیا گیا تھا تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور ان میں سے طاہر کو اپنے ہمراہ لے آیا تھا باقیوں کو وہیں قید کرنے کا حکم دے آیا تھا اس کا خیال تھا کہ یہ مسلمان لاوارث ہیں کوئی انکی خبر لینے والا اور انکی بابت اس سے دریافت کرنے ان کے پاس نہ آئے گا لیکن جب خلیفۃ المسلمین ولید کا قاصد آیا تو وہ پیکر غرور اس بات کے زعم میں آگیا۔ کہ اس کے سامنے مسلمانوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

چنانچہ اس نے قاصد کو دیکھ کر ٹھٹھے کا اشارہ کرکے غیر مناسب جواب دیکر رخصت کر دیا جب اسلامی لشکر سندھ پر حملہ آور ہوا تو وہ یہ سنکر کہ ایک نوعمر لڑکا سپہ سالاری کر رہا ہے۔ اکڑ گیا۔ اور اس نے صلح پر جنگ کو ترجیح دی دراصل وہ خدا کا قائل نہ تھا اس لئے اس کے وہم وگمان میں کبھی نہ تھا کہ وہ خدا جس نے دنیا کی

ہر ایک چیز کو پیدا کیا جو موت اور زندگی پر قادر ہے جو نیست سے ہست اور ہست سے نیست کر دیتا ہے جس نے اسے پیدا کیو کے سندھ جیسی عظیم الشان حکومت کا راجہ بنایا اور بات پر قادر ہے کہ جب چاہے اس سے حکومت چھین لے اس کا ملک غیروں کے حوالہ کر دے اور اسے موت کی آغوش میں میٹھی نیند سلا دے خدا کبھی کسی کو سزا نہیں دیتا جب تک کہ اس کی نافرمانیاں سیاہ کاریاں، مظالم حد سے نہ بڑھ جائیں۔ خدا کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے بدکار اور ظالم بندوں کو اس لیے ڈھیل دیتا ہے کہ وہ بدعات چھوڑ کر نیک بن جائیں لیکن جب مغرور اور متکبر الشان پیکر فخر و غرور بن کر زیادہ ہی گمراہی کی طرف جاتا ہے تب قدرت اسے ایکدم اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیتی ہے اور پھر اسے دم مارنے کا بھی مہلت نہیں دیتی۔

چنانچہ داہر کیلئے بہت سے موقع قدرت نے ایسے دیئے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ نیکوکار بن جاتا لیکن اس نے دولت و سلطنت کے نشہ میں پرواہ نہ کی آخر ملک کو تاراج رعایا کو برباد آبادیوں کو ویران کر گیا اور سب کے بعد خود بھی حسرد غرور کی بھینٹ چڑھ گیا عبرت انگیز نگاہوں کے لیے یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے ایک عظیم الشان راجہ کا جس کے پاس ہزاروں سرفروش تھے جس کا لشکر ایک لاکھ کے قریب تھا جو لاکھوں سپاہی میدان کارزار میں لا سکتا تھا۔

جس کا ملک بڑا وسیع تھا جس کے خزانے دولت سے معمور تھے جس کے ماتحت بہت سے راجہ تھے قدرت نے اسے ایک کمسن سترہ سالہ مجاہد محمد قاسم اور صرف آٹھ ہزار مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے ختم کرا دیا طاقت اور دولت کوئی چیز نہیں ہے اصل چیز خدا کی رحمت ہے لیکن مادہ پرست دولت اور طاقت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں خدا میں وہ طاقت ہے کہ وہ ایک ادنیٰ شخص کو حکمران اور ایک حکمران کو کوڑی

کوڑی کو محتاج بنا سکتا ہے انسان اور خدا کا بندہ وہی ہے جو خدا کو یاد کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے۔

مسلمان تینتیس ہزار ہندوؤں کا خاتمہ کر کے ان کا کیمپ لوٹنے کیلئے دوڑے کیمپ میں کچھ خادم کچھ کنیزیں اور رانیاں تھیں کچھ سوار بھی تھے مگر بہت کم زیادہ سے زیادہ پانچ سو ہوں گے جوں ہی ان سواروں نے مسلمانوں کو دیکھا وہ گھبرا کر وہاں سے بھاگ نکلے رانی مائی بھی ان کے ہمراہ بھاگ پڑی اور رانیاں نہ بھاگ سکیں اور وہیں رہ گئیں جب مسلمان کیمپ میں پہونچے تو انھوں نے دیکھا کہ کچھ سیاہ فام لوگ چند عورتوں کو گھیرے کھڑے تھے اتفاق سے محمد قاسم وہاں پہونچ گیا اس نے ڈپٹ کر کہا کیا ہنگامہ ہے۔

محمد قاسم کو یہ خیال ہوا کہ شاید ہندو وحشی یہ سمجھ کر کہ راجہ مارا گیا ہے اسکی عورتوں پر دست درازی کر رہے ہیں اکثر نمک حرام اور غدار لوگ ایسا کیا ہی کرتے ہیں محمد قاسم کو عورتوں نے دیکھا ان میں سے ایک نے کہا بچائیے محمد قاسم مجھے بچائیے محمد قاسم اپنا نام سنکر حیران رہ گیا اس نے حیرت سے مخاطب ہندو عورت کی طرف دیکھا اسے دیکھتے ہی اس کے دل پر ایک تیر سا لگا اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ رانی لاڈی تھی۔

محمد قاسم اس کی طرف بڑھا ایک سیاہ فام ہندو اس کے پاس کھڑا تھا وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا محمد قاسم نے لاڈی سے کہا کون ہ رانی لاڈی! لاڈی اسے بے تحاشہ دیکھ رہی تھی مگر جب محمد قاسم نے اس سے خطاب کیا تو وہ سنبھلی اور اس نے شرما کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ہاں بدنصیب لاڈی۔

محمد قاسم۔ یہ کیا بات ہے یہ ہندو تم کو اور ان عورتوں کو کیوں گھیرے کھڑے ہیں اور یہ عورتیں کون ہیں؟

لادی۔ یہ تمام راجہ داہر کی رانیاں ہیں اور یہ ہندو اسلئے ہم سب کے گرد کھڑے ہیں کہ اگر راجہ کے مرنے کی خبر آئے تو یہ ہمیں مار ڈالیں۔

محمد قاسم کو یہ سنکر بڑی حیرت ہوئی اس نے پوچھا یہ کیوں؟

لادی۔ اسلئے کہ راجہ داہر نے ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ اگر ہندوؤں کو شکست ہو اور میں مارا جاؤں تو تمام رانیوں کو قتل کر ڈالنا۔

محمد قاسم۔ کس قدر بے رحم اور ظالم تھا۔

اب اس نے پشت کی طرف دیکھا اس کے پیچھے بہت سے مسلمان کھڑے تھے محمد قاسم نے ان سے کہا ان تمام بیدرد جلادوں کو گرفتار کر لو فوراً ہی مسلمان بڑھے وحشی جلاد مسلمانوں کو دیکھتے ہی کانپ اٹھے انہوں نے روتے ہوئے کہا حضور ہم بے قصور ہیں ہم پر رحم کرو ہمیں ہمارا راجہ ہی نے یہ حکم دیا تھا محمد قاسم نے بگڑتے ہوئے کہا تم ان معصوم عورتوں پر رحم نہ کرتے تھے پھر اپنے لئے رحم کی التجا کیوں کرتے ہو؟ سب نے عاجزی سے کہا رحم کیجئے حضور۔

محمد قاسم۔ اچھا تم پر رحم کیا جاتا ہے اور تم کو گرفتار کر کے خلیفہ کے حضور میں بھیج دیا جائے گا۔ تمہاری قسمت کا فیصلہ خلیفہ ہی کریں گے۔

چنانچہ مسلمانوں نے تمام ہندوؤں کو اسیر کر لیا اس عرصہ میں مسلمانوں نے ہندوؤں کی کیمپ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ ہزاروں گھوڑے بہت سے ہاتھی سونے چاندی کی چیزیں موتیوں اور جواہرات کے بیش قیمت زیورات اور مسندیں غرضیکہ بہت کچھ سامان مال غنیمت میں ہاتھ آیا ان تمام چیزوں پر قبضہ کر کے مسلمان اپنا کیمپ دہیں اٹھا لائے اب چونکہ رات زیادہ آگئی تھی اس لئے مسلمانوں نے نماز پڑھ

لہ یہ تمام واقعہ تاریخ ہند کے صفحہ ۱۴۴ پر مفصل تحریر ہے اور خود رانی لادی نے بیان کیا ہے

نے کھانا پکانا شروع کر دیا ہندؤں کو بھی رسد دی گئی اور انہوں نے اپنی کنیزوں اور رانیوں کیلئے کھانا تیار کرنا شروع کر دیا۔ سب نے کھانا تیار ہونے پر کھایا اور عشاء کی نماز پڑھ کر آرام کیا۔

محمد قاسم نے آرام کرنے سے پہلے رانیوں کے آرام کرنے کیلئے معقول انتظام ان کے حسب منشا کرا دیا۔ اس کے حسن انتظام سے تمام رانیاں کنیزیں اور ہندو اس کی تعریف کرنے لگے صبح ہوتے ہی محمد قاسم نے مسلمانوں کو شہداء کو جمع کرنے اور کچھ مجاہدین کو گڑھے کھودنے کا حکم دیا۔

چنانچہ مسلمان تمام میدان کارزار میں بکھر گئے اور شہداء کو تلاش کر کر کے جمع کرنے لگے اس نے ہندؤں سے کہا کہ وہ بھی اپنے مردوں کو دفن کر دیں یا جلا دیں مگر ہندؤں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ مردوں کی لاشیں اتنی ہیں کہ انہیں نہ جلایا جا سکتا ہے اور نہ جلانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے محمد قاسم ان کے اس جواب سے مجبور ہو گیا البتہ اس نے ہندؤں کو راجہ داہر کی لاش تلاش کر کے لانے کیلئے بھیجا ظہر کے وقت تک مسلمانوں نے تمام میدان میں گھوم پھر کر شہداء کو جمع کیا سب نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور انہیں دفنا دیا۔

اس عظیم الشان معرکہ میں صرف تین سو مسلمان شہید ہوئے تھے عصر کے وقت ایک برہمن چند ہندؤں کے کاندھے پر راجہ داہر کی لاش اٹھوا کر لایا۔ محمد قاسم نے اس صلہ میں ان ہندؤں کو رہا کر دیا اور برہمن کے تمام خاندان کو جنکی تعداد تین سو تھی چھوڑ دیا عصر کی نماز کے بعد محمد قاسم نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجنے کیلئے علیحدہ اور باقی چار حصہ تمام مسلمانوں اور نو مسلموں کو جو گذشتہ شب مسلمان ہوئے تھے حسب رسد تقسیم کر دیئے۔

محمد قاسم کی اس کارروائی سے وہ لوگ اس کے بیحد مشکور ہوئے کیونکہ نے

گئی مرتبہ اس کا شکریہ ادا کیا رات کو مسلمانوں نے وہیں قیام کیا اور صبح کی نماز پڑھتے ہی

مال غنیمت کا پانچواں حصہ کنیزوں اور گرفتار شدہ ہندوؤں کو کچھ مسلمانوں کے ہمراہ

حجاج کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور دوپہر سے پہلے ہی پہلے مع تمام لشکر کے الور کی طرف روانہ

ہو گیا اور اس نے رانیوں کو مصلحتاً اپنے پاس رکھا تھا۔ اور جو فتح نامہ حجاج کے نام لکھا اس

میں یہ لکھ دیا۔ نیز راجہ داہر کا سر بھی اپنے ہمراہ ہی لے گیا۔

اڑتیسواں باب

"بد بختی"

محمد قاسم مع اسلامی لشکر کے نہایت شان کے ساتھ الور کی طرف روانہ ہو گیا چونکہ اس

نے راجہ داہر کو جے پور میں دریائے داد بادہ کے کنارے زبردست ہزیمت دی تھی اور داہر

کے تمام لشکر کو تہہ تیغ کر دیا۔ اور داہر کو مار ڈالا تھا اور سوائے رانی لاڈی کے اور تمام

رانیوں کو گرفتار کر لیا تھا اس لئے انتہائے ہند میں اس کی ہیبت چھا گئی تھی ہر راجہ

اور ہر ہندو خوف و دہشت سے کانپنے لگا تھا آج سب راجہ داہر کو برا کہہ رہے تھے

گویا جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا تب انہوں نے

محسوس کیا کہ راجہ داہر نے سراندیپ کے مسلمانوں کو قید کر کے ایک ایسی قوم کو چھیڑ

دیا جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم بھی نہ کر سکتی تھی بھلا ہندو کیا مقابلہ کرتے اب ہر راجہ

اپنی اپنی خیر کرنے لگا ہندو نہ اتفاق و اتحاد سے واقف تھے نہ متحد تھے ان میں ہر

شخص علیحدہ بیٹھ کر کھاتا۔ کسی کا جھوٹا پانی پینا تو درکنار جھوٹے برتن میں پانی نہ پی

سکتا تھا۔ کھانا کھاتے وقت کوئی ان کے قریب بیٹھ نہ سکتا تھا۔ بہت سے مذہب

تھے اور ہر مذہب میں کئی فرقے تھے پھر ہر فرقے میں اونیٰ اور اعلیٰ کی تخصیص تھی

اور اس کو اچھوت یا شودر کہتے تھے اعلیٰ طبقہ کے ہندوؤں نے اس طبقہ کو بالکل گرا رکھا تھا۔ یہ غریب طبقہ رات دن ان کی خدمت کرتا تھا مشکل سے مشکل کام انجام دیتا تھا۔ جب کہیں اسے موٹا جھوٹا کھانے کو ملتا تھا۔ چونکہ اعلیٰ طبقہ والے بھی اس وقت کپڑا نہیں پہنتے تھے اس لئے ان بیچاروں کو کپڑا کون دیتا اور وہ کیسے پہنتے پھر اس خدام طبقہ کو اس قدر نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا اور ان سے اس قدر پرہیز کیا جاتا تھا کہ جس طرف سے اعلیٰ طبقہ کا ہندو گذرتا تھا مجال نہ تھی کہ کوئی شودر اچھوت اس راستہ سے گذر سکتا۔

ہندوؤں کی ایک پرانی کتاب منوسمرتی ہے اس کتاب میں منوجی نے لکھا ہے اور اس میں ویدوں اور دوسری مذہبی کتابوں کی تشریح کی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ شودر یا اچھوت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس ہوا میں اس جگہ سانس لے جہاں کوئی اعلیٰ طبقہ کا ہندو موجود ہو نیز اگر کہیں ویدوں کے منتر پڑھے جا رہے ہوں اور وہاں بدقسمتی سے کوئی اچھوت آ جائے اور اس کے کانوں میں ویدوں کے منتر پڑ جائیں تو فوراً سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا جائے یہ اور اسی قسم کی باتیں منوسمرتی میں تحریر ہیں جس میں ہندوؤں کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اچھوتوں کو ذلیل و حقیر سمجھیں۔ نہ اپنے پاس آنے دیں اور نہ ان کے پاس جائیں نہ انہیں اُس جگہ سانس لینے دیتے جس جگہ عام ہندو ہوں چنانچہ جب سے آریہ ہندوستان میں آئے ہیں اور انہوں نے کول اور دراوڑ کو جنوبی ہند کی طرف ڈھکیلا تب سے وہ اس خلاف انسانیت کو ساتھ لائے اور آج تک بیچارے اچھوت ذلت کی حالت میں ہیں۔

اچھوتوں کو یہ کبھی خیال نہ ہوا کہ اگر وہ ہندو نہیں ہیں تو انہیں کیا بننا چاہیئے جس سے وہ انسانوں کی صف میں شامل ہو کر انسان کہلانے کے مستحق ہیں عرصہ دراز کے بعد ان کی آنکھیں کھلیں ہیں اور انہیں اپنی ذلت اور ہندوؤں کی خود

غرضی کا احساس ہوا ہے اور وہ سوچنے لگے ہیں کہ انہیں کون سا مذہب اختیار کرنا چاہیئے۔ جس سے وہ انسانی حقوق حاصل کر سکیں۔

ان کے بڑے بڑے لیڈر اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ مساوات اسلام میں ہے اور انہیں مسلمان ہو جانا چاہیئے اب یہ فرض مسلمانوں کا ہے کہ وہ اس پسماندہ مظلوم طبقہ کو اسلامی تعلیم سے روشناس کر کے مسلمان بنانے کی سعی کریں غرضیکہ ہندو متفق نہ تھے نہ ان میں اتفاق ہوا وہ دیکھنے لگے کہ اگر محمد قاسم الور کو فتح کر لے تو وہ پھر اس سے صلح کی درخواست کر کے مصالحت کر لیں۔ اسلامی لشکر نہایت شان سے کوچ کر کے الور کے سامنے جا اترا۔ جے سیاہ کا بیٹا الور میں ہی تھا جب اس نے سنا کہ اسلامی لشکر الور آ رہا ہے تو خفیہ طریقے سے وہاں سے برہمن آباد بھاگ گیا۔ رانی مائی اور سیسا گر دزیر دونوں الور آ گئے تھے اور انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے فصیل پر لشکر متعین کر دیا تھا جگہ جگہ فصیل پر تیروں پر جھولوں اور پتھروں کے ٹکڑے ڈھیر لگا دیئے تھے اس وقت بھی الور میں پندرہ ہزار آزمودہ کار لشکر موجود تھا اور وہ فصیل کے چاروں طرف پھیل گیا چونکہ فصیل نہایت مضبوط تھی اس لیے ہندوؤں کو یقین تھا کہ محمد قاسم اس قلعہ کو فتح نہ کر سکے گا اور برس چھ مہینے محاصرہ کر کے واپس لوٹ جائے گا۔ اگر وہ اب بھی صلح کی کوشش کرتے تو محمد قاسم نہایت ہی نرم شرائط پر صلح کر لیتا مگر وہ ہمیشہ بیوقوفی کر کے جنگ کو ترجیح دیتے رہے راجہ داہر کو لشکر کی کثرت پر غرہ تھا تو رانی مائی اور سیسا گر دزیر اعظم کو قلعہ کی مضبوطی پر زعم تھا۔ محمد قاسم نے چند ایک افسروں کو ہمراہ لے کر قلعہ کا معائنہ کیا اس نے اندازہ کر لیا کہ فصیل نہایت مضبوط ہے اول تو ہندو فصیل تک پہنچنے ہی نہ دیں گے اور اگر سرفروشی کر کے پہنچ بھی گئے تو اس کا توڑ ڈالنا آسان نہ ہو گا۔ اس لیے اس نے سرنگ کی کھدائی شروع کرا دی لیکن یہ بھی ضروری

تھا کہ ہندوؤں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے قلعہ پر حملہ بھی کیا جاتا اس لئے روزانہ ایک افسر حملہ آور ہوتا تھا اور دن چھپنے تک لڑتا رہتا تھا ایک روز رانی لادی نے محمد قاسم سے کہا کہ اسے قلعہ کے قریب بھیجا جائے وہ ہندوؤں کو دروازہ کھولنے پر آمادہ کرنے گی۔

چنانچہ محمد قاسم نے چند سپاہیوں کے ساتھ اسے روانہ کر دیا اور خود بھی وہ افسروں کے اس کے پیچھے پیچھے چلا جب سے رانی لادی محمد قاسم کے پاس آئی تھی اور اسکے لشکر میں رہنے لگی تھی اس وقت سے محمد قاسم نے اس سے کہدیا تھا کہ وہ پردہ کرے اور وہ اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے رہتی تھی چنانچہ آج بھی چہرہ پر نقاب ڈال کر گھوڑے پر سوار ہو کر اسلامی شیروں کے ساتھ چلی جب وہ بدر جمال کے خیمہ کے قریب سے گذرنے لگی تو اس نے بدر جمال کو خیمہ کے سامنے کھڑے دیکھا وہ رک گئی اور اس نوجوان کو دیکھنے لگی کچھ دیر کھڑی دیکھتی رہی اور پھر بڑھ کر اس کے قریب پہنچی اس نے کہا نوجوان کیا تم طاہرہ کے بھائی ہو؟ بدر جمال نے مسکرا کر کہا نہیں رانی صاحبہ میرے کوئی بہن نہیں ہے۔

لادی۔ مگر تمہاری صورت طاہرہ سے کسی قدر ملتی جلتی ہے۔

بدر جمال۔ مگر طاہرہ تو الور میں تھی

لادی۔ ہنیں اسے سیسا کر وزیر اعظم نے رہا کر دیا تھا۔

بدر جمال۔ میں آپ کے پاس حاضر ہو کر اس کے متعلق عرض کروں گا

لادی۔ میں مشکور ہوں گی۔

لادی واپس لوٹ کر سواروں کے ہمراہ چلنے لگی اور قلعہ کے سامنے پہونچی وہ اپنی مخصوص ہندوانہ پوشاک پہنے تھی اسے دیکھتے ہی فصیل والے ہندوؤں نے شور مچایا لادی نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ نقاب اٹھا کر ہندوؤں کو منھ

دکھا گئی کہ وہ اسے پہچان لیں مسلمانوں نے اسکی طرف سے منہ پھیر لئے اب اس نے
اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا دہ بہت زیادہ حسین تھی نقاب اٹھاتے ہی اس کا چہرہ چاند
کی طرح چمکنے لگا اس نے اپنا بھولا چہرہ اور معصوم نگاہیں فصیل کی طرف اٹھا کر دیکھا
سندھیوں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ انہوں نے اپنے افسروں سے رانی لاڈی
کے آنے کی اطلاع کی۔ بہت سے افسر اور رانی مائی برج میں آ کھڑے ہوئے مائی
نے دریافت کیا تم کیوں آئی ہو؟ میں یہ کہنے آئی ہوں کہ فضول خونریزی سے کوئی فائدہ
نہیں ہے ہماری طاقت تباہ ہوگئی ہزاروں سندھ مارے گئے ہزاروں عورتیں
بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہوگئے ہیں خود بھی بیوہ ہو گئی ہیں میرے سوامی راجہ داہر
قتل کر ڈالے گئے۔ آج مسلمانوں کا اقبال یاور ہے لڑنا بیکار ہے قلعہ انکے
حوالے کر کے امن و عافیت حاصل کر لو مائی نے غصہ سے بپھر کر کہا لاڈی تو چنڈالوں
میں پہنچ کر ان کی ہمدرد اور سندھیوں کی دشمن بن گئی ہے شرم کر کیا تجھے یہ زیبا
ہے کہ تم اپنی قوم کو بزدلی کا سبق دو۔

لاڈی۔ نہیں رانی میں رانی ہوں مجھے اپنی قوم سے تم سے زیادہ ہمدردی
ہے اسی وجہ سے میں ایسا کہہ رہی ہوں کہ لڑائی بے سود ہے مسلمانوں کا مقابلہ
غیر ممکن ہے جب راجہ ہی مار ڈالے گئے تو پرجا کیا کرے گی۔

رانی مائی نے غضبناک ہو کر کہا تو جھوٹ کہتی ہے راجہ زندہ ہیں اور وہ
لشکر فراہم کر رہے ہیں۔

لاڈی۔ مگر اس کا سر مسلمانوں کے پاس موجود ہے تم دیکھ سکتی ہو۔

مائی۔ تو جھوٹی ہے مکار ہے مسلمانوں سے ساز کر لی ہے۔

؎ یہ تمام گفتگو تاریخ کے صفحہ ۱۵۸ پر تحریر ہے (صادق صدیقی)

لادی کو اس کی گفتگو سخت ناگوار گذری محمد قاسم بھی وہاں آگیا تھا اس نے کہا۔ تمہاری رانی تم نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا ان بدبختوں کے سر پر غرور کا بھوت سوار ہے یہ نہیں مانیں گے انہوں نے تمہاری توہین کی ہے انشاء اللہ ان کو ایسی سزا دوں گا کہ دنیا عبرت حاصل کرے گی۔

لادی نے شرمندگی کے لہجہ میں کہا افسوس میری قوم نے میری تذلیل کی

محمد قاسم۔ یہ عورت شاید تمہاری سوت ہے۔

لادی۔ جی ہاں یہی رانی مائی ہے جو جے پور سے بھاگ آئی تھی۔

محمد قاسم۔ شاید راجہ داہر کی بہن ہے۔

لادی۔ جی ہاں بہن بھی ہے اور بیوی بھی۔

محمد قاسم۔ اس لئے اسے غصہ ہے آؤ اب تم اس بدزبان سے بات بھی نہ کرو۔

لادی نے پھر چہرہ پر نقاب ڈال لیا اور لوٹ کر محمد قاسم کے ساتھ روانہ ہوئی جب وہ لوٹی تو سندھیوں نے شور کر کے اسے برا بھلا کہنا شروع کیا جبکہ وہ عمل جا کر رانی لادی کا مضحکہ اڑا رہے تھے اسی وقت آواز آئی بدقسمت لوگو! کم بختو سب نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی۔

انتالیسواں باب

"آخری نصیحت"

جب رانی مائی اور سب سندھیوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو انہیں سیسا گر وزیر اعظم آتا ہوا دکھائی دیا۔ رانی نے دریافت کیا کیا آپ نے کہا تھا کم بخت کم ہنسیں۔

سیسا گر نے جواب دیا۔ نہیں میں نے نہیں کہا تھا۔

ماٹی۔ پھر کس نے کہا۔

سیباگر۔ میں نہیں کہہ سکتا۔

ماٹی۔ کیا تم نے آواز نہیں سنی۔

سیباگر۔ سنی تھی اور یہی دیکھنے آیا تھا کہ کس نے یہ بات کہی ہے ماٹی نے اپنے گرد کھڑے ہونے والوں سے دریافت کیا کیا آپ میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے سب نے سر جھکا کے جواب دیا ہماری یہ مجال نہیں ہے

ماٹی۔ پھر کس نے کہی۔

پھر آواز آئی میں نے کہی ہے رانی اور سب نے دیکھا برج کی دیوار سے لگی ہوئی جوگنی کھڑی تھی اسوقت اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے بال گرد آلود ہو رہے تھے اس کے ایک ہاتھ میں کالی مرچیں اور دوسرے میں جو نبو یا کی ہری ہری شاخیں تھیں ان شاخوں میں سے بعض میں کلیاں تھیں بعض میں پھول کھل رہے تھے اور اکثر پھلیاں لگ رہی تھیں ان کا چہرہ غم و حسرت میں ڈوبا ہوا تھا خشک ہونٹ پیلے پڑ گئے تھے اور پیشانی عرق آلود تھی سب اسے دیکھتے ہی جھک گئے رانی ماٹی نے کہا ماتا تم اچھے وقت پر آئیں اس وقت ملک اور قوم کو تمہاری اشد ضرورت ہے۔ جوگنی نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ افسوس راجہ داہر نے میری بات نہ مانی آخر سندھ جاتی کو تباہ کر دیا۔

ماٹی۔ آپ نے مہاراجہ کو سمجھایا تھا۔

جوگنی۔ بہت کچھ انہیں شبہ ہو گیا تھا کہ میں شاید مسلمانوں کی طرف دار ہو گئی ہوں۔

ماٹی۔ مگر۔

جوگنی۔ مگر میں مسلمانوں سے پہلے بھی نفرت کرتی تھی اور اب بھی کرتی ہوں

خیال کرو جو قوم ہمارے دیوی اور دیوتاؤں کی دشمن ہے ہم اس کے دوست کیسے ہو سکتے ہیں۔

مائی۔ بالکل نہیں۔

جوگنی۔ چنانچہ میں بھی ان کی دوست نہ تھی۔

مائی۔ لیکن

جوگنی۔ لیکن میں نے اپنے علم سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ اگر جنگ ہوئی تو فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ مائی نے کہا۔ اور تم نے راجہ کو کیا سمجھایا تھا۔

جوگنی۔ میں نے کہا تھا کہ وہ قیدیوں کو رہا کر دے مسلمانوں سے صلح کرے

مائی۔ لیکن.....

جوگنی۔ لیکن انھوں نے نہ مانا تھا۔ اگر وہ میرے کہنے پر عمل کرتے اور سراندیپ سے آنے والے اسیروں کو چھوڑ دیتے تو ملک کی تباہی نہ آتی۔

مائی۔ اب کیسے مصیبت دور ہو سکتی ہے

جوگنی۔ مسلمانوں سے صلح کرنے سے۔

تمام ہندوں اور رانی مائی نے تیز نظروں سے جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا مسلمانوں سے صلح کرنے سے۔؟

جوگنی۔ ہاں۔

مائی۔ مگر ہماری خودداری ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔

جوگنی۔ تو انجام بھی قریب ہے۔

مائی۔ اور وہ انجام کیا ہوگا۔

جوگنی۔ خوفناک تباہی۔

سب نے حیرت اور خوف بھری نظروں سے جوگنی کو دیکھا۔ جوگنی نے کہا کیا

دیکھتے ہو۔ میرا علم مجھے یہی بتاتا ہے۔

مائی۔ مگر مسلمانوں نے اپنے بھائیوں کو چھڑانے کیلئے ہم پر حملہ کیا تھا اور اب انہوں نے تمام قیدیوں کو چھڑا لیا پھر وہ واپس کیوں نہیں چلے جاتے

جوگنی۔ ابھی انتقام لینا باقی ہے۔

مائی۔ انتقام کس بات کا۔

جوگنی۔ بلا وجہ مسلمانوں کو قید کرنے کا۔

مائی۔ جب وہ انتقام لینا چاہتے ہیں تو صلح کیوں کریں گے۔

جوگنی۔ اگر انھیں زرتاوان دے دیا جائے گا تو وہ چلے جائیں گے۔

مائی۔ ورنہ۔

جوگنی۔ ورنہ سارے ہندوستان کو فتح کر لیں گے۔

مائی نے جوش میں آکر کہا۔ یہ اس وقت ہوگا جب ایک ہندو بھی تمام ہندوستان میں باقی نہ رہے گا۔

جوگنی۔ رانی صاحبہ اس وقت اس سرزمین کے چپے چپے میں ہندو موجود ہیں اور مسلمانوں کا قبضہ دیبل، نیرون، سیوستان، دریائے مہران (سندھ) اور دریائے واد عادہ کے درمیانی دوآبہ میں تب پورا اور اس سے آگے الور تک ہو چکا ہے۔

مائی۔ مگر اب ہندوؤں میں جوش و غضب کا دریا امنڈ آیا ہے اور وہ مسلمانوں کو مٹا ڈالنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

جوگنی۔ وہ بزدل جو جے پور میں چالیس ہزار ہوتے ہوئے آٹھ ہزار مسلمانوں سے شکست کھا آئے۔ انہیں کیا مٹا ڈالیں گے اور اگر فرض کر لو کہ مسلمانوں کے اس لشکر کو شکست بھی دے دی جائے تو پھر اس سے بڑا لشکر آ جائے گا اور وہ سارے ہندوستان کو اس طرح تاراج کر ڈالے گا جس طرح ہمارے بزرگوں نے کیا

اور سندر اور ڈر کو برباد کر کے انہیں شمال سے جنوب کی طرف بھگا دیا تھا۔

ماٹی۔ اطمینان رکھو ایسا نہ ہو گا۔

جوگنی جو جوش میں آ کر کہا ایسا ہی ہو گا۔

ماٹی۔ پھر ہم کیا کریں؟

جوگنی۔ صلح

ماٹی۔ مگر بغیر راجہ کے ہم صلح کیسے کر سکتے ہیں۔

جوگنی۔ مگر راجہ موجود نہیں ہے۔

ماٹی۔ کہاں گئے ہیں وہ؟

جوگنی۔ میں پہلے ہی انہیں ڈھونڈ آئی ہوں میں نے قاف سے لیکر ہمالیہ تک اور ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک اور وہاں سے لنکا تک چھان مارا۔ مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

سب حیرت سے جوگنی کو دیکھنے لگے۔ جوگنی نے کہا۔ تم شاید مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہو مجھے پہلے ہی اس بات کا خیال تھا اس لیے میں جب سراندیپ سے چلی تو میں نے مرچیں اور جوز بویہ کی یہ شاخیں لے لی تھیں۔ انھیں دیکھو کیا یہ شاخیں سبز نہیں ہیں؟ انہیں آج ہی توڑ کر لائی ہوں۔ کیا میرا چہرہ غبار آلود نہیں ہے اس نے یہ کہتے ہی مرچیں اور جوز بویا کی شاخیں پھینک دیں۔ سب نے دیکھا۔ ماٹی نے دیکھ کر کہا۔ بلاشبہ تم سچ کہہ رہی ہو ماتا۔ لیکن راجہ آخر پھر کہاں ہیں۔

جوگنی۔ راجہ مارے گئے۔

ماٹی نے چونک کر غم آلود نظروں سے جوگنی کو دیکھا۔ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد غمگین لہجہ میں کہا۔ میرے پرتیم مارے گئے۔

جوگنی۔ ہاں مارے گئے۔ اور وہ داد حادو کے کنارہ پر اور ان کا سر محمد قاسم
کے پاس موجود ہے۔

اتنا سنتے ہی مائی نے دلدوز آہ کی اور بیہوش ہو کر گری سیسا گر وزیر اعظم نے اسے بڑھ کر جلدی سے سنبھالا۔ جوگنی نے کہا۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم لوگ
مسلمانوں سے صلح نہ کرو گے اور یہ ملک تباہ ہو کر رہے گا۔ میں اپنے ملک کی تباہی
اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی اس لئے آج ہمالیہ کی طرف چلی جاؤں گی اور تمام
عمر وہیں رہوں گی۔ ہاں ایک دفعہ اور تمہارا انجام دیکھنے آؤں گی۔

یہ کہتے ہی وہ چلی گئی اور سب لوگ حیرت و افسوس بھری نظروں سے بیہوش رانی
مائی کو دیکھنے لگے۔

چالیسواں باب

"بدر جمال کا راز"

ہم بیان کر چکے ہیں کہ محمد قاسم نے سرنگ کھودنے کا حکم دیدیا تھا اور پر جوش
مجاہدین سرنگ کھودنے میں مشغول ہو گئے چونکہ انہوں نے آتے ہی اپنے کیمپ کے
سامنے خندق کھود ڈالی تھی اس لیے سندھیوں کو معلوم ہی نہ ہوا تھا کہ مسلمان
کیا کر رہے ہیں سرنگ کھودنے کا کام نہ تو آسان تھا اور نہ جلد ختم ہونے والا تھا
زمین سخت تھی اور مشکل سے کھدائی ہوتی تھی پھر سرنگ بھی ایسی کھودی جا رہی
تھی جس میں سے چار سوار تک بآسانی گذر سکیں اور چونکہ اسلامی کیمپ قلعہ سے
فاصلہ پر پڑا ہوا تھا۔ اس لئے سرنگ دور تک کھودنی تھی مگر مسلمان ہر غیر ممکن
کو ممکن اور ہر دشوار کو سہل بنا دینے کے عادی تھے اس لئے وہ نہایت استقلال

سے کام میں لگے ہوئے تھے اور برابر سرنگ کھود رہے تھے محمد قاسم نے مجاہدین کی آسانی کے لئے یہ حکم دے دیا تھا کہ ایک دن افسر اپنے سپاہیوں سے سرنگ کھدوائے اور دوسرے دن دوسرا افسر اپنے سپاہیوں سے کام کراتا تھا اور اس روز بروز سرنگ قلعہ کی طرف بڑھتی جاتی تھی۔ جو مٹی سرنگ سے نکلتی تھی اسے کیمپ کے گرد پشتہ بنانے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ ہندو مسلمانوں کو اس طرح پشتہ لگاتے ہوئے دیکھ کر ہنستے تھے ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان کے قلعہ کے سامنے کچا قلعہ بنا کر بے وقوفی کر رہے ہیں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ سرنگ کھودنے والا دستہ سرنگ کھودتا اور باقی لشکر قلعہ پر حملہ آور ہوتا لیکن یہ حملہ صرف ہندوؤں کو مغالطہ میں ڈالنے کیلئے کیا جاتا تھا اس حملہ سے حقیقی دھاوا مقصود نہ تھا اور اسی لئے صبح سے شام تک مسلمان فصیل سے فاصلہ پر کھڑے ہوئے تیر برساتے رہتے اور ہندو بھی جواب میں تیروں پتھروں اور سنگ ریزوں کی بارش کرتے رہتے مطلب یہ تھا کہ اگر مسلمان سرنگ کھودنے میں مصروف رہتے تو اغلب تھا کہ ہندوؤں کو کوئی شبہ گزرتا اور وہ دفعیہ کیلئے کوئی تدبیر اختیار کر لیتے۔ اس لئے برائے نام حملہ بھی کرتے تھے اور سرنگ بھی کھودتے رہتے تھے ایک دن اسلم کے دستہ کا نمبر سرنگ کھودنے کا آ گیا۔ وہ اپنے دستہ کو لیکر پہونچ گیا اور کھدائی شروع کرا دی۔

اس کے دستہ میں بدر جمال بھی مقرر کر دیا گیا اور اس لئے اسلم اور بدر جمال دونوں ساتھ ساتھ رہتے تھے جب زوال کا وقت آ گیا تو کام بند کر دیا گیا اور سپاہیوں کو کھانا تیار کر کے کھا لینے کی اجازت دے دی گئی تمام سپاہی کام چھوڑ چھوڑ کر چل دیئے سب کے بعد اسلم اور بدر جمال چلے اور اپنے اپنے خیمہ پہونچ گئے۔

بدر جمال کو محمد قاسم نے ایک غلام دیدیا تھا اور یہی اس کا سب کام کرتا تھا۔ کھانا بھی وہی تیار کرتا تھا۔ جب بدر جمال اپنے خیمہ پر پہونچا تو غلام سے معلوم ہوگیا کہ کھانا تیار ہے اس نے کھانا لانے کا حکم دیا اور خیمہ کے اندر چلا گیا۔ غلام کھانا لیکر اندر داخل ہوا اور بدر جمال کے پاس رکھکر باہر نکل آیا۔ بدر جمال کبھی کسی کے سامنے کھانا نہ کھاتا تھا چنانچہ غلام کا معمول تھا کہ وہ کھانا رکھ کر چلا آتا اور جب اسے بلایا جاتا تب برتن اٹھا لاتا آج بھی وہ خیمہ سے باہر آگیا تھوڑی دیر کے بعد بدر جمال نے آواز دی اور وہ برتن اٹھا لایا اب وہ کھانا کھانے لگا۔ ابھی وہ کھا ہی رہا تھا کہ اسلم آگیا اس نے غلام سے دریافت کیا بدر جمال کھانا کھا چکے ہیں؟ غلام نے جواب دیا۔ جی ہاں۔

اسلم خیمہ کی طرف بڑھنے لگا۔ غلام نے کہا۔ یا سیدی ذرا ٹھہرئیے میں آپ کی اطلاع کردوں۔ اطلاع کی کیا ضرورت ہے۔؟

غلام۔ میرے آقا کا حکم ہے کہ وہ اندر ہوں تو میں کسی کو بغیر اجازت کے اندر نہ جانے دوں بلکہ میں خود بھی نہیں جاتا ہوں پہلے دروازہ کے پاس کھڑا ہو کر اجازت طلب کرتا ہوں جب حکم دیتے ہیں تب اندر جاتا ہوں۔

اسلم نے مسکرا کر کہا۔ میرے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے تم مجھے بخوبی جانتے ہو۔!!

غلام۔ جانتا ہوں کہ آپ میرے آقا کے محب صادق ہیں لیکن مجھے ان کے حکم کی تعمیل کرنا بھی اشد ضروری ہے

اسلم۔ تم اطمینان سے کھانا کھاؤ وہ تم سے ناخوش نہ ہوں گے۔

غلام کھانا کھانے لگا اور اسلم خیمہ کی طرف بڑھا وہ اس آہستگی سے چلا کہ اس کے پاؤں کی چاپ بھی نہ ہوئی اس نے آہستہ سے خیمہ کے دروازہ پر پ

پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہوگیا اندر قدم رکھتے ہی وہ آئینہ دار حیران کھڑا بڑی ہی حیرت سے خیمہ کے اندر دیکھنے لگا۔ اسکی حیرت کی وجہ یہ تھی کہ اسوقت قسمت سے اسکا دوست بدرجمال نہ تھا بلکہ طاہرہ تھی جو کہ اپنے سر کے بال کھولے نہایت اطمینان سے بیٹھی تھی طاہرہ اسلم کو دیکھ کر کچھ ڈر گئی مگر فوراً ہی اس نے نازک لبوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی اس نے شیریں لہجہ میں کہا آپ آپ کھڑے کیوں رہ گئے؟ اب اسلم کی حیرت دور ہوئی اور محبت کا جذبہ عود کر آیا وہ تیزی سے بڑھ کر طاہرہ کے سامنے پہونچا اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ طاہرہ میری راحت روح!!

طاہرہ دلربایانہ انداز سے مسکرا رہی تھی اور ہوش ربا نظروں سے اس پر جادوگری کر رہی تھی اس نے کہا۔ ہاں میں ہی ہوں طاہرہ اسلم متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا تم کب آئیں؟

طاہرہ۔ جب تم نے دیکھا۔

اسلم۔ لیکن میں نے تو ابھی دیکھا ہے۔

طاہرہ۔ بس تو سمجھ لیجئے کہ ابھی آئی ہوں۔

اسلم۔ اور بدرجمال

طاہرہ۔ وہ باہر گئے ہیں۔

اسلم۔ مگر غلام تو کہتا تھا کہ وہ خیمہ کے اندر ہیں۔

طاہرہ۔ یہاں کہاں ہیں دیکھ لیجئے۔

اسلم۔ لیکن تم میرے پاس کیوں نہیں آئیں۔

اس وقت رشک کی علامات اسکے بشرہ سے ظاہر ہونے لگیں طاہرہ نے کہا۔ مجھے معلوم ہی کیا تھا کہ آپ بھی یہاں ہیں۔

اسلم:۔ اچھا اب چلئے۔

طاہرہ۔ چلوں گی ذرا بدر جمال کو آنے دیجئے۔

اسلم۔ مگر وہ ہیں کہاں۔؟

طاہرہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ باہر ہوں گے تم انھیں دیکھ آؤ میں اتنے میں چوٹی باندھ لوں۔ اچھا کہہ کر اسلم چلا گیا اور خیمہ سے باہر آیا اس نے پہلے ادہر ادہر بدر جمال کو دیکھا جب وہ کہیں بھی نہ ملا تب غلام سے پوچھا۔

"بدر جمال تو خیمہ کے اندر نہیں ہیں۔

غلام۔ مگر میں ابھی کھانا کھلا کر آیا ہوں۔

اب اسلم کے دل میں کچھ شبہہ ہوا وہ لپک کر پھر خیمہ کے اندر گیا۔ دیکھا تو بدر جمال کھڑا مسکرا رہا تھا اور طاہرہ غائب تھی۔ اسلم اسے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ آج اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟۔ اب اسلم بڑھ کر اسکے قریب پہونچا اور کہا شریر بدر جمال تم مجھے آجتک فریب دیتے رہے۔ بدر جمال اب بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا دھوکہ یا فریب کیسا ہو گیا آپ سے؟۔

اسلم۔ یہی کہ تم طاہرہ ہو اور مجھے اور سب کو بدر جمال کے فریب میں ڈال رکھا ہے۔

بدر جمال نے متعجب ہو کر کہا۔ طاہرہ مگر وہ تو الور کے قلعہ کے اندر ہے۔

اسلم۔ جی نہیں وہ اسی خیمے کے اندر ہے۔

بدر جمال نے ادہر ادہر دیکھتے ہوئے کہا۔ کہاں ہے وہ مجھے تو کہیں نظر نہیں آتی

اسلم:۔ میں دکھا دوں۔

بدر جمال۔ ہاں دکھا دو۔

اسلم نے بڑھ کر بدرجمال کا عمامہ کھینچ لیا۔ عمامہ کھنچتے ہی لمبی لمبی دو زلفیں اسکے سینے پر لہرانے لگیں۔ اسلم نے کہا۔ یہ ہے طاہرہ! بدرجمال حقیقت میں طاہرہ ہی تھی۔ وہ شرما گئی۔ اسکے شرمانے کی ادا اسلم کے دل میں کھپ گئی۔ اب جبکہ اس نے بدرجمال کو طاہرہ سمجھ لیا تھا تو اسے اسکے یہ مردانہ پوشاک نہایت بھلی معلوم ہونے لگی۔ طاہرہ نے شرمیلے لہجے میں کہا۔ یہ کیا کیا تم نے اسلم۔

اسلم۔ تمھیں طاہرہ کو دکھا دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم آگئیں۔

طاہرہ۔ اور خدا کا یہ بھی احسان ہے کہ تم آزاد ہو گئے۔

اسلم۔ بیدرد طاہرہ میں صرف تمھاری رہائی کی خاطر اس طرف آیا۔ اور وطن نہ گیا۔ مگر تم اس قدر بیرحم ثابت ہوئیں کہ میرے پاس آکر مجھ سے الگ ہی رہیں۔ ایسا کیوں کیا تم نے؟

طاہرہ نے شرمگیں نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ اسلئے کہ تم کو آزمانا تھا۔

اسلم۔ آزمائش کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

طاہرہ نے شرما کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔ اگر ضرورت نہ تھی تو میں کیوں ابتک تمھیں مغالطہ میں رکھتی۔ اسلم اس بت ہوشربا کے چاند سے چہرہ پر نظریں جمائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ طاہرہ نے سر اٹھا کر شوخی کے انداز میں آہستہ سے کہا۔ یہ بات بتانے کی نہیں ہے اسلم نے طاہرہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھاتے ہوئے کہا۔ شوخ طاہرہ بتانی ہوگی۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ اچھا بتاؤں گی۔

اسلم۔ تو بتاؤ۔

طاہرہ۔ ابھی نہیں۔

اسلم۔ اور کب؟

طاہرہ۔ پھر کس وقت۔

اسلم۔ ابھی کیوں نہیں۔

طاہرہ۔ اس لیے کہ سپاہی سرنگ پر جا پہنچے ہوں گے تم اور مجھ کو بھی وہاں پہنچ جانا چاہیئے۔

اسلم۔ تو کیا تم ابھی بدر جمال سے ملنا چاہتی ہو۔

طاہرہ۔ ہاں۔

اسلم۔ نہیں تم پہلے بہت کچھ مشقت برداشت کر چکی ہو میں آج ہی محمد قاسم سے تمہاری شرادت بیان کر دوں گا۔

طاہرہ۔ ضرور کہہ دینا۔

وہ مسکرانے لگی۔ اسلم نے دریافت کیا۔ کیا ہو گیا؟ طاہرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ یہ تم مجھ سے رشک کیوں کرنے لگے تھے۔ اسلم اس شوخ و شریر کو دیکھتا رہ گیا۔ دیر تک دیکھنے کے بعد کہا۔ کوئی تم سے محبت کرے یہ مجھ سے گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔

طاہرہ۔ میں یہی بات معلوم کرنا چاہتی تھی۔

اسلم۔ اب سمجھا۔ اس نے کہا۔ گویا تم میری محبت کا امتحان لے رہی تھیں طاہرہ نے شرما کر کہا۔ ہاں! اسلم نے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا ظالم میں زندگی کے آخری سانس تک تجھ سے محبت کروں گا۔

طاہرہ۔ اچھا اب چلئے گا بھی۔

اسلم۔ نہیں اب تمہیں نہیں جانا چاہیئے۔ اسلم نے طاہرہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ مگر تم الور سے کیسے نکل آئیں۔

طاہرہ نے مختصر طور پر تمام داستان سنا دی۔ اسلم نہایت توجہ سے بیٹھا

سنتا رہا۔ جب سب کچھ سنا چکی تب اس نے کہا کس قدر تکلیفیں برداشت کی ہیں تم نے۔

طاہرہ۔ مگر جب طاہرہ کو نے ہمیں تکالیف دیں اس ظالم کا بھی خاتمہ ہو گیا

اسلم۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے انتقام بھی لے لیا اور سب رہا بھی ہو گئے۔

طاہرہ۔ ہاں یہ خدا کا احسان ہے۔

اسلم۔ آج کا دن میری زندگی کا سب سے زیادہ روشن دن ہے۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ اچھا اب تشریف لے جائیے۔

اسلم۔ جی تو نہیں چاہتا لیکن جانا ہی پڑے گا۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور خیمہ سے باہر نکل کر سرنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اکتالیسواں باب

محمد قاسم کی حیرت

اسلم کو طاہرہ کو دیکھنے اس سے ملنے اور باتیں کرنے سے بڑی مسرت ہوئی وہ دریائے انبساط میں خوشی کی موجوں کے ساتھ غوطے کھاتا سرنگ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ خوشی کے ساتھ ہی اسے رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا کہ شریر طاہرہ نے اسے محمد قاسم کو اور دوسرے مسلمانوں کو کس قدر مغالطہ دیا کوئی بھی اسے پہچان نہ سکا اور کوئی تو کیا پہچانتا خود اسلم ہی نہ پہچان سکا جو کہ عرصہ تک اسکے ساتھ رہا تھا۔ اسے نہ پہچاننے کی کئی وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ ان دونوں کو بچھڑے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔ دوسرے طاہرہ نے مردانہ لباس پہن رکھا تھا اور اپنی وضع قطع بالکل نو عمر عربی لڑکے کی سی بنا رکھی تھی۔ اور باوجود

نازک بدن، اور سیم تن ہونے کی لڑکوں ہی جیسی چستی اور پھرتی پیدا کرلی اول تو وہ بولتی ہی کم تھی اور بولتی بھی تو آواز بنا کر جس سے کہ اسے کوئی شناخت نہ کرسکے تیسرے وہ کسی کو اپنے چہرہ کی طرف اچھی طرح دیکھنے کا موقع نہ دیتی تھی عمامہ کے اوپر جو رو مال ڈالتی تھی اسے سینے تک لٹکا لیتی تھی جس سے اس کے چہرہ کا بیشتر حصہ چھپ جاتا تھا۔ نگاہ جھکا کر باتیں کرتی تھیں۔ کسی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتی تھی۔ یہ وجوہات تھیں جن سے کوئی اسے نہ پہچان سکا اور وہ عرصہ تک خود کو چھپائے رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسلم مسرت کی دنیا میں ہچکولے کھاتا ہوا برابر بڑھا چلا جا رہا تھا۔ وہ سرنگ کے پاس پہونچ کر رک گیا اور بقیہ دن کام میں مصروف رہا۔ عصر کی نماز پڑھ کر جب وہ لوٹ رہا تھا۔ تو محمد قاسم مل گیا۔ اس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ آج کیا بات ہے اسلم تم بہت ہی خوش نظر آتے ہو۔ کیا سرنگ حد اختتام تک پہونچ گئی۔ اسلم رک کر محمد قاسم سے مخاطب ہوا۔ اس نے کہا نہیں ابھی سرنگ کی کھدائی باقی ہے۔

محمد قاسم۔ پھر تمہاری مسرت کی کیا وجہ ہے۔

اسلم۔ طاہرہ آگئی ہے۔

محمد قاسم نے چونک کر اسلم کو دیکھا اور حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ طاہرہ آگئی ہے خدا کا شکر ہے کب آئی وہ۔

اسلم۔ اسے آئے ہوئے تو عرصہ ہو گیا ہے۔ مگر ظاہر آج ہوئی ہے۔

محمد قاسم۔ عجیب بات کہہ رہے ہو اگر اسے آئے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا تو پھر وہ کہاں رہی؟

اسلم۔ اسلامی لشکر میں آپ کی اور میری نظروں کے سامنے۔

محمد قاسم۔ حیرت پر حیرت ہے گویا تم اور میں اسے پہچان نہ سکے۔

اسلم ۔ جی ہاں ۔

محمد قاسم نے مسکرا کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تم کو بہکا دیا ہے ۔

اسلم ۔ جی نہیں حقیقت میں اس نے ہم دونوں کو دھوکہ دیا ۔

محمد قاسم ۔ ناممکن ہے کہ وہ ہمیں دھوکہ دے سکتی ۔

اسلم ۔ آپ نے بدر جمال کو دیکھا ہے ۔

محمد قاسم ۔ اچھی طرح سے وہ نہایت پرجوش مجاہد ہے ۔

اسلم نے ہنستے ہوئے کہا ۔ مجاہد نہیں مجاہدہ !! محمد قاسم نے حیران ہو کر اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا ۔ مجاہدہ ۔ ؟

اسلم ۔ جی ہاں ۔ وہ بدر جمال نہیں بلکہ طاہرہ تھی ۔

محمد قاسم فرط حیرت سے اسلم کو دیکھتا رہ گیا کچھ دیر کے بعد بولا طاہرہ تھی بدر جمال طاہرہ نہیں ہو سکتا ۔

اسلم ۔ مگر یہ حقیقت ہے ۔

محمد قاسم ۔ جب تو مجھے حیرت کی بات ہے میں نے اسے لڑتے ہوئے دیکھا ہے لڑکیاں اس جوش سے نہیں لڑ سکتیں جس سے وہ لڑ رہا تھا ۔

اسلم ۔ حیرت کی بات یہی ہے ۔

محمد قاسم ۔ تمہیں کیسے اسکی حقیقت کھلی ۔

اسلم نے تمام کیفیت اپنے جانے اور اتفاقیہ خیمے میں گھسنے اور طاہرہ کو شیشے دیکھنے وغیرہ کی بیان کی محمد قاسم کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کہا بڑی بہادر لڑکی ہے ۔

اسلم ۔ کیوں نہ ہو ۔ وہ ایک مسلم دوشیزہ ہے ۔ مسلمان مرد ہو یا عورت، لڑکا ہو یا لڑکی سب بہادر ہوتے ہیں ۔

محمد قاسم۔ تم سچ کہتے ہو چلو میں اس بہادر مگر شریر لڑکی سے ضرور ملونگا۔

اسلم۔ آئیے۔

دونوں اس خیمہ کی طرف چلے جس میں بدر جمال یا طاہرہ رہتی تھی۔ چونکہ محمد قاسم کو حیرت تھی اس لیے وہ خاموش تھا۔ اور اسے دیکھکر اسلم بھی خاموش تھا۔ جب دونوں اس خیمے پر پہونچے تو انھوں نے غلام کو دیکھا وہ دوڑ کر ان دونوں کے پاس آیا۔ اسلم نے دریافت کیا کیا بدر جمال خیمہ کے اندر موجود ہیں۔ غلام نے کہا۔ جی ہاں اندر ہی ہیں۔ آج وہ نماز کے لیے بھی باہر نہیں نکلے۔

اسلم۔ انھوں نے خیمہ ہی میں نماز پڑھ لی ہوگی۔

غلام۔ کیوں خدا نخواستہ کچھ ان کی طبیعت ناساز ہے۔

اسلم۔ نہیں۔ وہ بالکل اچھے ہیں۔

یہ کہکر وہ بڑھا۔ محمد قاسم بھی ساتھ چلا۔ اور دونوں خیمہ کے قریب پہونچے محمد قاسم نے اسلم سے کہا۔ اس بیچارے غلام کو ابھی تک یہی مغالطہ ہے۔ کہ بدر جمال خیمہ کے اندر ہے۔

اسلم۔ جی ہاں!۔

اب دونوں خیمہ کے اندر داخل ہوئے طاہرہ زنانہ لباس پہنے تھی وہ حسین تھی لکمال خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ جوں ہی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے اسلم اور محمد قاسم آتے ہوئے نظر آئے وہ سمٹ کر بیٹھ گئی اسکی دلفریب نگاہیں فرط حیا سے جھک گئیں۔ محمد قاسم اسے دیکھکر حیران رہ گیا اور اسی عالم میں بڑھکر اسکے قریب پہونچا اور اسلم کے ساتھ اسکے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد جب حیرت ذرا کم ہوئی تب اس نے کہا۔ طاہرہ خدا کا شکر و احسان ہے کہ تم بھی آزاد ہوکر مسلمانوں میں آگئیں اب سراندیپ کے مسلمانوں میں سے کوئی

بھی قید میں نہیں رہا ہے مگر یہ تم نے شرارت کی اور کیوں اب تک بدر جمال بنی رہی؟ طاہرہ۔ نے شرمیلے انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں جس لباس میں الور سے چلی تھی اسی لباس میں دریائے مہران (سندھ) کے کنارہ پر پہنچی اس وقت آپ کشتیوں کا پل بنا کر اسے تیرا کر کنارے سے لگانا چاہتے تھے۔ ہندو مزاحمت پر آمادہ تھے میں نے انھیں تیر برسا کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تھا۔

محمد قاسم۔ میں نے اور صرف چند مسلمانوں نے تم کو اس وقت دیکھ لیا تھا۔

طاہرہ۔ میں سمجھ گئی تھی مجھے جوش جہاد تھا میں لڑنا چاہتی تھی مجھے خیال ہوا کہ اگر میں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا تو اس آسانی سے شریک نہ ہو سکوں گی جس سے بدر جمال بن کر ہو سکتی ہوں اسی لیے میں بدر جمال بنی رہی۔

محمد قاسم۔ اور نہایت جوش سے لڑتی رہیں۔

طاہرہ۔ جی ہاں جس قدر طاقت نے اجازت دی لڑی۔

محمد قاسم۔ جزاک اللہ۔ مسلم لڑکیوں میں ایسا جوش ہونا چاہیے مگر تم رہا کیسے ہوئیں۔

طاہرہ۔ الور کے وزیر اعظم سیاگر کو مجھ پر رحم آگیا۔ انھوں نے مجھے رہا کیا۔ کپڑے فراہم کیے میں نے سیئے ان کے آدمیوں کے ساتھ دریائے مہران (سندھ) تک بحفاظت آئی۔

محمد قاسم۔ تم کو رہا کر کے سیاگر نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے میں آج تمام لشکر میں اعلان کر دوں گا کہ الور میں داخلہ کے وقت کوئی اسے گزند نہ پہنچائے بلکہ جس کی طرف وہ اشارہ کر دے اسے بھی امن دیا جائے۔

طاہرہ۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محمد قاسم۔ میرے کوئی بہن نہیں ہے طاہرہ۔

طاہرہ۔ اور میں بڑے فخر سے آپ کی بہن بننا پسند کروں گی۔

محمد قاسم۔ بس تو آج سے میری بہن ہے۔ میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے شیر دل اور بہادر بہن عطا کی۔

طاہرہ۔ اور میں بھی خدا کی مشکور ہوں کہ اس نے مجھے ایسا بہادر بھائی دیا جسکی شجاعت و بسالت کی دھوم دنیا بھر میں ہو گئی ہے۔ جو فاتح اعظم اور فاتح سندھ ہے جسکی دھاک تمام ہندوستان پر بیٹھ گئی ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا اب بہن کو بھائی کے خیمے پر چلنا چاہیئے۔

طاہرہ۔ بڑی خوشی سے اگر کہو تو بدر جمال ہی بن کر چلوں؟

محمد قاسم۔ جیسے تمہاری خوشی۔

طاہرہ نے اٹھکر کپڑے نکالے اور ایک طرف جاکر بدلے وہ پھر بدر جمال بن گئی۔ دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور اسکے ساتھ ہی خیمے سے باہر نکل کر محمد قاسم خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

بیالیسواں باب ۴۲

حیرت زدہ رانی

جب یہ تینوں محمد قاسم کے خیمے پر پہنچے تو انھوں نے خیمہ کے اندر رانی لاڈی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ لاڈی نے خود ہی اپنا خیمہ محمد قاسم کے خیمہ کے پاس نصب کرایا تھا۔ اور لالہ انیوں کے خیمے لاڈی کے دوسری طرف تھے اکثر لاڈی محمد قاسم کے خیمہ پر آجاتی تھی۔ الور کی فتح کے متعلق مشورے دیا کرتی تھی لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ محمد قاسم سرنگ کھدوا رہا ہے۔ جب سے قلعہ والوں نے لاڈی کی تذلیل

کی تھی اس وقت سے محمد قاسم کو اس سے زیادہ ہمدردی ہو گئی تھی اور قلعہ والوں کی بد تہذیبی پر غصہ آ رہا تھا۔ لاوی کو اس بات کا خیال تھا کہ اسکی قوم نے اس کی توہین کی تھی یہ دوسری بات تھی کہ وہ اسکی بات بھی مانتے لیکن اسے برا کہنا اور دگالیاں دینا انسانیت اور شرافت کے خلاف تھا۔ لاوی کو اس بات کا بڑا رنج تھا۔ لیکن محمد قاسم اسکی تسلی کر کے اس کا غم غلط کرنے کی سعی کر رہا تھا۔ لاوی نے جب ان تینوں کو آتے ہوئے دیکھا تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے مخصوص لباس میں تھی نفیس شلوکہ اور عمدہ ساڑی زیب تن کئے تھی۔ دسیوں چمکدار موتیوں کے ہار تھے جو اس نے پہن رکھے تھے۔ ان ہاروں نے اسکی صورت کو چاند کی طرح جگمگا رکھا تھا۔ یہ تینوں اسکے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ محمد قاسم نے مسکراتے ہوئے لاوی سے کہا۔ یہ بدر جمال تم سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ لاوی نے بدر جمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جی مجھ سے ملنے کیوں آئے ہیں؟۔

محمد قاسم۔ انھیں تم سے بڑی شکایت ہے۔

لاوی نے چونک کر کہا۔ مجھ سے شکایت ہے؟ کیا۔

محمد قاسم۔ کہتے ہیں کہ جب میں الور میں تھا تو رانی مہربانی کرتی تھیں اور وہ اب یہاں بے مروت بن گئی ہیں۔

لاوی نے حیران ہو کر بدر جمال کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا اور رانی نے کہا یہ الور میں گئے کب تھے۔؟ بدر جمال نے انداز بنا کر کہا۔ ابھی سے بھول گئیں رانی جی یہی تو میں کہہ رہا تھا۔ رانی حیرت بھری نظروں سے بدر جمال کو دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے تم کو کبھی الور میں دیکھا ہے۔

بدر جمال۔ اگر مجھے خیال ہوتا کہ تم مجھے اس قدر جلد بھول جاؤ گی تو۔۔۔ وہ ہنس کر خاموش ہو گیا۔ لاوی کی حیرت دم بدم بڑھتی جاتی تھی۔ اس نے کہا۔ تم

الو گئے کب تھے؟ بدر جمال نے ہنستے ہوئے کہا اور تم نے اپنی ساڑی کیسے پہنائی تھی اور کیسے اپنے زیورات پہننے کو دیئے تھے؟۔

لاڈی۔ تمھیں دیئے تھے!؟۔

بدر جمال۔ اور کیسے۔

لاڈی۔ طاہرہ کو دیئے تھے۔

بدر جمال اور وہ طاہرہ کون تھی؟۔

لاڈی نے بکمال حیرت سے اسے دیکھکر کہا۔ تم طاہرہ تھے تم... بدر جمال طاہرہ تھے۔ تم طاہرہ بن کر میرے پاس رہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تم طاہرہ نہیں تھے؟۔

محمد قاسم۔ اسلم اور بدر جمال تینوں مسکرا رہے تھے۔

بدر جمال۔ اب تم سمجھ جاؤ۔ تو اس کا کیا علاج۔

لاڈی۔ میں طاہرہ کو پہچانتی ہوں۔ تم طاہرہ نہیں البتہ اس کے بھائی ہو سکتے ہو۔

اب بدر جمال نے رومال اور عمامہ سر سے کھینچ لیے۔ لاڈی نے اسے دیکھا وہ اسکے قریب ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا میں دھوکہ میں رہی۔ تم طاہرہ ہو شریر طاہرہ!

طاہرہ مسکرا رہی تھی۔ نرگسی غنچوں کی طرح اس کے نازک لبوں پر تبسم کھیل رہا تھا آنکھیں چمک رہی تھیں اور رخساروں سے بجلیاں نکل رہی تھیں جب لاڈی پیچھے ہٹ کر بیٹھی اور اسے مسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی تب طاہرہ نے کہا۔ بیوفا رانی اس قدر جلد بھول گئیں تم مجھے!

لاڈی۔ میں تجھے عمر بھر نہیں بھول سکتی۔ مگر تم نے تو لڑکا بن کر ہم سب کو فریب

میں ڈال دیا۔

اب مغرب کی اذان ہو گئی۔ محمد قاسم و اسلم دونوں نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے۔ طاہرہ نے خیمے کے اندر ہی نماز پڑھ لی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئی تب لاڈی نے اسے خوب بھینچ بھینچ کر اپنے سینے سے لگایا اور کہا۔

طاہرہ مجھے تیرا بڑا خیال تھا۔ میں نے سوداگر سے دریافت کیا تھا انھوں نے بتایا تھا کہ وہاں سے چلی گئی ہے اور انھوں نے تجھے رہا کیا ہے لیکن کہاں گئی یہ وہ بھی نہ بتا سکے تھے۔

طاہرہ۔ انھیں بتانا بھی نہ چاہیئے تھا۔

لاڈی۔ کیوں۔؟

طاہرہ۔ اول تو خود انھیں بھی خبر نہ تھی کہ میں کہاں ہوں دوسرے ممکن تھا کہ تم راجہ داہر سے کہہ دیتیں اور وہ کسی مصیبت میں پھنس جاتے۔

لاڈی۔ میں ایسی بیوقوف نہ تھی طاہرہ۔

طاہرہ۔ تم تو بیوقوف نہ تھیں لیکن داہر تو بڑا چالاک تھا۔

لاڈی۔ اس کی چالاکی ہی نے ملک کو تباہ شہروں کو ویران اور آبادیوں کو تاراج کر دیا۔

طاہرہ۔ بالکل درست ہے۔

لاڈی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئیں۔

طاہرہ نے حیرت سے لاڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم خدا کی قائل ہو گئیں۔

لاڈی۔ یہ تمھاری قوم میں آنے کا اثر ہے۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یا ان کی صحبت کا اثر ہے جنھیں تم یاد کیا

کرتی تھیں۔ لادی نے شوخ و شریر طاہرہ کو دیکھ کر کہا۔ اچھا طاہرہ! اب چھیڑ خانی بھی کرنے لگی ہو۔

طاہرہ۔ اب تم تو ایسا ہی کروگی۔

لادی۔ کیوں۔؟

طاہرہ۔ اس لیے کہ میری سفارش کی ضرورت نہ رہی۔

لادی۔ کیسی سفارش؟

طاہرہ۔ وہ باتیں یاد ہیں جو الور میں کہی گئی تھیں۔

لادی۔ یاد ہیں۔

طاہرہ۔ محمد قاسم نے تمھیں اپنے پاس رکھنا منظور کر لیا۔

لادی شرما گئی۔ طاہرہ نے کہا۔ شرمانے کی سند نہیں۔ بتا دیجئے اگر منظور کیا ہو تو میں سفارش کر دوں۔

لادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تمھاری سفارش سے کیا ہوگا؟

طاہرہ نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ انھیں منظور کرنا ہوگا۔

لادی۔ زبردستی بھی۔

طاہرہ۔ ہاں میرا کہنا نہیں ٹال سکتے۔

لادی۔ شاید وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔

اب طاہرہ شرما گئی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ پھر وہ تمھاری بات کیوں مان لیں گے۔

طاہرہ۔ اس لیے کہ انھوں نے مجھے اپنی بہن بنا لیا ہے۔

لادی۔ جب تو بیشک ان پر تمھارا حق ہے۔

طاہرہ۔ بشرطیکہ تم باقی رہنے دو گی۔

لادی نے ہوشربا نگاہوں سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم ہر وقت میرے پاس رہو۔

طاہرہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور تم ہر وقت کس کے پاس رہو۔

لادی۔ تیرے۔

طاہرہ۔ نہیں ان کے جنھیں تم یاد کیا کرتی تھیں۔

لادی۔ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ بہن اور بھائی دونوں ہی میرے پاس رہیں۔۔۔ مگر۔۔۔

طاہرہ۔ مگر کیا؟

لادی۔ یہ اسلم تمھیں گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے۔

طاہرہ شرماتے ہوئے خاموش ہو گئی تھی! لادی نے کہا۔ طاہرہ بتاؤ۔

طاہرہ نے شرمیلے انداز سے کہا۔ میں کیا بتاؤں یہ بات تو ان سے پوچھنے کی ہے

لادی۔ ہاں۔ ان سے ہی پوچھوں گی۔ انھیں اس طرح تیز نظروں سے تجھے دیکھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

طاہرہ مسکرانے لگی۔ لادی بھی ہنسنے لگی۔ اس عرصہ میں محمد قاسم اور اسلم دونوں آگئے۔ لادی نے چپکے سے طاہرہ سے کہا کیا اب دریافت کروں۔

طاہرہ نے آہستہ سے کہا۔ اب نہیں محمد قاسم نے دونوں کو آہستہ آہستہ باتیں کرتے دیکھا۔ اس نے لادی سے دریافت کیا کیا باتیں ہو رہی ہیں؟

طاہرہ کو خوف ہوا کہ لادی اسلم سے کچھ پوچھ نہ بیٹھے۔ وہ خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔ طاہرہ کو میں اپنے خیمے میں رکھنا چاہتی ہوں اگر آپ اجازت دیں۔

محمد قاسم۔ نہایت مناسب ہے۔

لادی۔ اچھا تو ہم دونوں کو اجازت دیجئے۔

محمد قاسم۔ ہاں جاؤ آرام کرو۔

دونوں اٹھیں اور خیمہ سے باہر نکل کر لادی کے خیمے کی طرف روانہ ہوئیں!

تینتالیسواں باب ۴۳

"فتح عظیم"

سرنگ برابر تیار کی جا رہی تھی۔ محمد قاسم روزانہ سرنگ کے اندر گھس کر اس کا معائنہ کرتا تھا۔ اس نے ایک دن اپنے لشکر سے قلعہ تک کا فاصلہ ناپ لیا تھا اور قلعہ کے اندر کا حال رانی لادی سے معلوم کر کے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ فصیل سے آگے اس قدر اور کھودنے سے قلعہ کے اندر سرنگ پہونچ جائے گی۔ چنانچہ چند دن کے بعد اس نے سرنگ کی پیمائش کی تو اسکے اندازہ کے مطابق کھد چکی تھی اب اس نے کھدائی ملتوی کرا دی اور جب رات ہوئی تو صرف سو آدمیوں کو سرنگ کے اندر گھسا دیا اور انھیں ہدایت کر دی کہ زمین میں سوراخ کر دیں تاکہ اس میں سے سپاہی نکل نکل کر قلعہ کے اندر پہونچ سکیں ۔ سو مجاہدین عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ موم بتیاں روشن کر کے سرنگ میں گھس گئے اور انھوں نے سرنگ کے آخری کنارے پر پہونچ کر زمین کو برمے سے سوراخ کرنا شروع کیا جو مٹی وہاں سے نکلتی تھی اسے فوراً وہاں سے اٹھا کر کیمپ سے باہر پھینکا جاتا تھا۔ آدھی رات کے وقت تک اتنا سوراخ کر لیا گیا۔ جس میں سے چار آدمی بفراغت نکل کر قلعہ میں جا سکیں۔ چنانچہ چار آدمیوں نے نکل کر دیکھا۔ تمام قلعہ پر سکوت طاری تھا۔ ہر شخص خواب راحت کے مزے لے رہا تھا فوراً ایک

آدمیوں نے جاکر محمد قاسم کو اطلاع دی۔ اس وقت محمد قاسم بھاگ رہا تھا اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس نے ان آدمیوں کو دیکھتے ہی تلاوت بند کردی۔ اور قرآن شریف کو جزدان میں بند کر کے رکھ دیا۔ تمام ہتھیار لگائے اور خیمہ سے باہر نکلا۔ اسلامی لشکر کے زیادہ آدمی سو رہے تھے بہت کم جاگ رہے تھے یا نماز پڑھ رہے تھے یا قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے محمد قاسم نے اسلم۔ عبدالرحمٰن۔ مجاشع۔ ذکوان بنانہ۔ سفیان الابرودگ اور خریم کو بلا بلا کر حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے دستے کے سپاہیوں کو لے کر سرنگ کے دہانہ پر پہونچیں۔

چنانچہ تمام سردار جلد جلد مسلح ہو ہو کر اپنے اپنے دستوں کو لے کر سرنگ کی طرف چلے۔ محمد قاسم چاہتا تھا کہ رانی لاڈی بھی ہمراہ چلے تا کہ وہ قلعہ کے اندر پہونچ کر رہنمائی کرے۔ وہ لاڈی کے خیمے پر پہونچا اور خیمے کے باہر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اندر جائے یا نہیں۔

دیر تک کھڑا اس بات کو بغور سوچتا رہا۔ آخر اس نے پردہ اٹھایا اور خاموشی سے داخل ہوا۔ لاڈی کے خیمے میں تمام رات روشنی رہتی تھی۔ چنانچہ اب بھی روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ طاہرہ اور لاڈی دونوں ایک ہی مسند پر ایک ہی شال اوڑھے پڑی سو رہی تھیں۔ دونوں کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور روشنی میں جگمگا رہے تھے۔ محمد قاسم انھیں اس عالم میں ایک ہی نظر دیکھ کر واپس لوٹ آیا تو اسے لاڈی کو جگانے کی ہمت نہ ہوئی۔ یا اس نے مناسب نہ سمجھا وہاں سے آتے ہی وہ اپنے دستہ کو لے کر سرنگ پر پہونچا اور سب سے پہلے خود اس میں داخل ہوا۔ اسکے بعد تمام سردار چلے اور ان کے بعد عام سپاہیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چونکہ سرنگ میں اندھیرا پھیلا ہوا

تھا اس لیے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تمام لوگ ٹٹول ٹٹول کر بڑھ رہے تھے۔ سب
سے پہلے محمد قاسم اور دوسرے سردار سرنگ کے آخری کنارے پر پہونچے
اور سوراخ میں سے نکل کر قلعہ میں پہونچ گئے۔ انھوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔
یہ جگہ جہاں سے وہ نکلے ایک مختصر سا کوچہ تھا۔ ان کے سامنے دونوں طرف
عمارتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چاندنی رات تھی اور چاند نہایت آب و تاب
سے نکلا ہوا تھا۔ یہ لوگ سوراخ سے نکل نکل کر عمارتوں کے سایے میں
کھڑے ہونے لگے۔ جب چاند ڈھل گیا اور صبح کے آثار ظاہر ہونے
لگے تب محمد قاسم نے ہر سردار کو اپنے اپنے دستہ کے ساتھ فصیل کے زینوں
پر کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ اور خود اپنا دستہ لے کر دروازہ کی طرف چلا۔

اسلم اور ذکوان ایک زینے کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور بنانہ
اور عبدالرحمن دوسرے زینہ پر ڈٹ گئے۔ سفیان الابروک اور مجاشع
وہیں رہ گئے۔ تقریباً چار ہزار مسلمان قلعہ کے اندر آ چکے تھے جس وقت محمد قاسم
دروازہ کے قریب پہونچا تو اس نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔ اس کے لشکر
نے نعرے کی تکرار کی۔ تمام مسلمانوں نے اس نعرے کو سنا۔ انھوں نے بھی جو
جہاں تھا اللہ اکبر کا پرزور نعرہ بلند کیا۔ اس ہیبتناک نعرے کی آواز سکوت قلعہ
کو توڑتے ہوئے اور عمارتوں کے در و دیوار سے صدائے بازگشت پیدا
کرتی ہوئی بلند ہوئی۔ ہندو اس آواز کو سنکر چونک پڑے۔ ابھی وہ اپنے
اپنے بستروں پر ہی پڑے تھے کہ انھوں نے متواتر پر شور نعروں کی آوازیں سنیں۔
وہ جلدی جلدی اٹھے گھروں سے نکلے اور خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر
دیکھنے لگے۔ فصیل کے اوپر جو ہندوؤں کا لشکر تھا اس نے بھی نعروں کی آوازیں
سنیں تھیں وہ سخت متحیر تھے۔ انکی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ قلعہ کے اندر سے مسلمانوں

کی آواز بھی آئی اور مسلمان قلعہ میں کیسے آگئے تمام دروازہ پر کافی لشکر متعین
تھا اور اس لیے یہ غیر ممکن تھا کہ مسلمان قلعہ کا مضبوط دروازہ توڑ کر اندر گھس
آتے اور انھیں خبر تک نہ ہوتی لیکن اب سوچنے اور غور کرنے کا وقت نہ رہا تھا
مسلمان قلعہ کے اندر آگئے تھے اور ان سے لڑنا ضروری تھا۔ چنانچہ فصیل
کے اوپر سے سپاہی اتر کر زینوں میں آئے اور زینوں کو طے کر کے قلعہ میں آنے
لگے مگر جوں ہی وہ زینوں سے اترے فوراً ہی مسلمانوں کی برق وش تلواریں
ان کے سروں پر پڑیں اور ہنگامہ کارزار شروع ہو گیا۔ لیکن ہندو بھی ڈرے
نہیں بلکہ قلعہ کو بچانے کے لیے اور مسلمانوں کو قلعہ سے نکالنے کے لیے زینوں
کے ذریعہ سیلاب عظیم کی طرح اترنے لگے۔

ادھر بستروں سے اٹھنے والے مسلح ہو کر گھروں سے باہر نکلے اور نکلتے
ہی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اگرچہ قلعہ کے اندر صرف پندرہ ہزار ہی سپاہی
تھے مگر اس وقت ہر ہندو سپاہی بن گیا تھا اور اس طرح سے ان کی تعداد چالیس
ہزار کے قریب ہو گئی تھی قلعہ کے اندر مسلمان صرف چار ہزار ہی تھے ان میں سے
بھی پانسو محمد قاسم کے ہمراہ دروازہ کی طرف چلے گئے تھے صرف ساڑھے
تین ہزار باقی رہ گئے تھے۔ انھوں نے ہر جگہ جنگ شروع کر دی تھی۔ اب نور کا
تڑکا ہو گیا تھا۔ چاند کی چاندنی کم ہوتے ہوتے بالکل غائب ہو گئی تھی اب
طلوع خاور کو قریب دیکھ کر صبح کی دلفریب روشنی پھیلنے لگی تھی اس وقت اس قدر روشنی
پھیل گئی تھی کہ لڑنے والوں کی صورتیں صاف نظر آنے لگی تھیں ہندوؤں نے
مسلمانوں کو اور مسلمانوں نے ہندوؤں کو دیکھ لیا تھا اور ایک دوسرے پر دیکھ دیکھ
کر تلواروں سے حملے کر رہے تھے۔ تمام قلعہ میں جنگ شروع ہو گئی تھی ہر طرف
تلواریں اٹھ اٹھ کر خونریزی کیلئے جھک رہی تھیں حسب عادت ہندوؤں نے شور

مچانا شروع کر دیا تھا۔ ان کے غل سے تمام قلعہ گونجنے لگا تھا۔

مسلمان خاموش تھے اور خاموشی سے لڑ رہے تھے جنگ نہایت ہی زور شور سے شروع ہو گئی تھی۔ انسانی اعضا کٹ کٹ کر گر رہے تھے خون کی دھاریں بہنے لگی تھیں۔ ہر ہندو اور ہر مسلمان بڑے جوش سے لڑ رہا تھا۔ اب آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ دھوپ فصیل کی دیواروں اور درختوں کی چوٹیوں پر پھیلنے لگی تھی اسوقت ہندوؤں نے مسلمانوں کو دیکھا اور انھیں تعداد میں کم دیکھ کر پھول گئے اور انھوں نے نہایت شدومد سے حملے شروع کر دیئے انھیں خیال ہوا کہ وہ مٹھی بھر مسلمانوں کو یا تو قتل کر ڈالیں گے یا انھیں ہتھیار ڈالدینے پر مجبور کر دیں گے لیکن مسلمان ایسے جوش اور غضب سے بھرے ہوئے تھے کہ بہادر سے بہادر ہندو بھی انکی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور اگر کوئی اجل رسیدہ کسی مسلمان کی طرف بڑھتا بھی تو مسلمان کی تلوار اس کا فیصلہ کر دیتی تھی۔ ہندو قتل ہو رہے تھے مگر ہمت نہ ہارتے تھے۔ فریب فتح کے خیال سے بڑھ کر حملے کرتے تھے اور قتل ہو رہے تھے ہر مسلمان شیر بن گیا تھا۔ اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔ اور ہر حملہ میں کم سے کم ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا۔ اکا دکا مسلمان بھی شہید ہو جاتا تھا۔ لیکن اس وقت جب کہ کسی ایک مسلمان کو چاروں طرف سے گھیر کر ہندو تلواروں کی بارش کر دیتے تھے یا کوئی مسلمان کسی ہندو پر حملہ کرتا تھا اور کوئی ہندو پیچھے سے آکر حملہ کر کے اسے شہید کر ڈالتا تھا۔ لیکن عام مسلمان شہیدوں کا انتقام لینے کیلئے ہندوؤں کی صفوں پر ٹوٹ پڑتے تھے اور جب تک اس صف کو الٹ نہ دیتے تھے اسوقت تک آرام سے نہ بیٹھتے تھے۔

محمد قاسم دروازے پر پہونچ کر محافظوں سے جنگ کر رہا تھا۔ قلعہ کے چار دروازے تھے اور چاروں دروازوں پر دو ہزار سپاہی متعین تھے اور

محمد قاسم کے پانچسو سپاہی دو ہزار ہندوؤں سے مصروف ہو گئے تھے اور سب کے سب گویا موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ہر مجاہد نہایت جوش اور بڑے حوصلہ سے جنگ کر رہا تھا لیکن محمد قاسم جنگ کا دیوتا بن گیا تھا اسکی تلوار ہر اس آدمی کو مار ڈالتی تھی۔ جس پر کہ وہ بلند ہوتی تھی۔ جس ہندو کے وہ تلوار مارتا تھا سر کاٹ کر حلق چیرتے ہوئے سینہ تک اتر جاتی تھی۔ اس نے بیسیوں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا۔

جوں جوں وہ قتل کرتا جاتا تھا۔ اسکے قتل کرنے کی حرص بڑھتی جاتی تھی جس جوش و خروش سے وہ لڑ رہا تھا اسی سے ہی اسکے دستہ کا ہر سپاہی جنگ کر رہا تھا۔ جسوقت آفتاب ذرا اور بلند ہوا اسوقت اس نے تقریباً ایک ہزار ہندوؤں کو مار ڈالا تھا۔ باقی ماندہ ہندوؤں نے یہ کیفیت دیکھ کر ہتھیار ڈالدیئے۔ غازیان اسلام انھیں گرفتار کرنے لگے اور محمد قاسم نے دس آدمیوں کو لے کر دروازہ کھول دیا۔ اور دروازہ کو کھلا ہوا دیکھتے ہی تمام مسلمان اپنے اپنے گھوڑے لے کر آئے اور قلعہ میں گھستے ہی غضب سے بھر کر حملے کرنے لگے ان تازہ دم مسلمانوں نے ہندوؤں کی تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اور نرم چارہ کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ ان کے آتے ہی تمام مسلمانوں کی ہمتیں بندھ گئیں اور انھوں نے ہر محاذ پر سنبھل کر حملہ کر دیا۔ اور مار دھاڑ شروع کر دی۔ جنگ کی آگ اس تیزی سے روشن ہوئی کہ اسکے شعلے تمام قلعہ میں بھڑک اٹھے ہر جگہ خونریزی ہونے لگی۔ ہاتھوں، پیروں، سروں، اور دھڑوں کے جگہ جگہ انبار لگ گئے تھے۔ خون ندی کے پانی کی طرح بہنے لگا۔ چونکہ اب قلعہ میں آٹھ ہزار مسلمان آ گئے تھے اسلئے سارے پھیل کر بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ ہندو بھی اپنے مقدور بھر کوشش کر رہے تھے۔ طیش میں آ آ کر حملے کرتے تھے۔

مگر مسلمان جب ان کے حملوں کو روک کر خود حملے کرتے تھے تو دور تک لاشیں بچھاتے چلے جاتے تھے۔

اب دوپہر ہو گیا تھا اور دھوپ ہر طرف اور ہر جگہ پھیل گئی تھی۔ گرمی بڑھ گئی۔ محمد قاسم بھی اب واپس لوٹ آیا تھا اب وہ ہندوؤں کے ہر گروہ پر حملہ کرکے اسے ختم کرتا ہوا قلعہ کی وسط کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جب وہ قلعہ کے درمیان پہونچا تو اس نے تقریباً دس ہزار ہندوؤں کو ایک ہزار مسلمانوں سے مصروف پیکار دیکھا۔ اس نے مع اپنے دستہ کے پُر زور حملہ کر دیا اور سرفروش ہندوؤں کو کھیتی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

ہر مسلمان نے اس قدر خونریزی کی تھی کہ خون کے چھینٹے کپڑوں پر پڑ پڑ کر جم گئے تھے۔ جو گوشت کے لوتھڑے معلوم ہونے لگے تھے۔ ابھی ان دس ہزار ہندوؤں سے زیادہ سے زیادہ تین ہزار مارے گئے تھے کہ ان کے چھکے چھوٹ گئے اور انھوں نے ہتھیار ڈال کر الامان الامان!! چلانا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے فوراً شمشیر زنی موقوف کر دی۔ اور انھیں اسیر کرنے لگے۔

جب قلعہ کے تمام ہندوؤں نے یہ کیفیت دیکھی تو ان کی ہمتیں بھی پست ہو گئیں اور انھوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ابرو کا قلعہ بچانے کے لیے ہر ہندو کٹنے مرنے پر آمادہ ہو جائے مگر ایسا نہ ہوا۔ ابھی انکی تعداد زیادہ قتل نہ ہوئی تھی کہ انھوں نے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیئے۔

چونکہ مسلمانوں کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ لڑنے والوں سے لڑتے ہیں اور جو ہتھیار ڈال دیتے ہیں انکے اوپر تلوار نہیں اٹھاتے۔ اسلیے تمام مسلمانوں نے خونریزی بند کر دی اور تلواروں کو میانوں میں ڈال ڈال کر ہندوؤں کو اسیر کرنا شروع کر دیا اس طرح سے دور راجہ داہر کا دارالسلطنت بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

چوالیسواں باب

حسرتناک انجام

جونہی سے یہ سن کر کہ راجہ داہر کو مسلمانوں نے قتل کر دیا ہے رانی مائی فرط غم و الم سے بیہوش ہو گئی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اسکے آنسو جاری ہو گئے تھے اسوقت اسکے گرد بڑے بڑے افسر، ٹھاکر، راؤت اور دوسرے معزز لوگ کھڑے تھے۔ انھیں بھی راجہ داہر کے مارے جانے کی خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا تھا اور رانی کے غم و حسرت نے ان کے صدمے کو اور بڑھا دیا تھا مائی نے غم و حسرت بھری نظروں سے ان سب کو دیکھ کر کہا۔ ہند کے جاں نثار فرزندو! تمھارا راجہ مار ڈالا گیا ہے۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ہے کیا تم راجہ کا انتقام لینے اور اپنے ملک کو چنڈال مسلمانوں سے بچانے کے لیے لڑو گے؟ یا قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنی راجدھانی مسلمانوں کے حوالے کر دو گے۔ تمام لوگوں نے جوش و خروش سے کہا نہیں ہم لڑیں گے۔ اور آخری دم تک لڑیں گے۔ مائی خوش ہو گئی اسکی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا بہادر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ سنو اگر تم بزدلی سے اور اس قلعہ کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا تو وہ تمھاری عورتوں اور لڑکیوں کو اپنی کنیزیں اور تمھارے لڑکوں کو غلام بنا لیں گے ایک غیرت مند شخص کبھی اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ تم سب فصیل پر پھیل جاؤ اور مسلمانوں سے آخری دم تک لڑو۔ میں چاہتی ہوں کہ قلعہ کا ہر ہندو جوان ہتھیار بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ سب نے جوش میں آ کر کہا۔ ایسا ہی ہو گا۔ رانی چلی گئی اور منادوں نے تمام قلعہ والوں کو رانی کا حکم سنا دیا

ہر ہندو ہتھیار باندھکر لڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور اس طرح ہندو ہزار لشکر بڑھ کر چالیس ہزار ہو گیا۔ مگر جب مسلمانوں نے سرنگ میں سے نکل کر اچانک حملہ کیا تو ہندو بوکھلا گئے۔ لیکن پھر بھی وہ لڑے نہایت جوش اور بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کا مقابلہ ہوا اس مسلم قوم سے جس کی بہادری کی دنیا بھر میں دھاک تھی۔ چنانچہ انھوں نے شکست کھائی اور بالآخر لڑائی کا انجام اپنی موت سمجھ کر انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور مسلمانوں نے انھیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

چونکہ ہر ہندو لڑائی میں شریک ہو گیا تھا اسلیے مسلمانوں نے ہر مسلح ہندو کو اسیر کرنا شروع کر دیا۔ گرفتاری کے وقت تمام قلعہ میں ابتری پھیل گئی عورتیں چیختیں۔ بچے رونے اور بڈھے آہ و فریاد کر کے غل مچانے لگے ان مختلف آوازوں نے پھر تمام قلعہ میں گونج پیدا کر دی رانی مائی اپنے محل میں تھی وہ خوب جانتی تھی کہ ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں اس قدر زیادہ تھی کہ ان کا شمار بھی نہ ہو سکتا تھا اسے اپنی فتح کا پورا پورا یقین تھا مگر جب اس نے شور و فریاد کی آواز سنی تو محل کی بالائی منزل پر کھڑی ہو کر قلعہ کے اندر جھانکنے لگی اس نے دیکھا کہ ہندو چھپے اور مسلمانوں کے سامنے ہاتھ جوڑتے پھرتے تھے مسلمان انھیں اسیر کرتے پھر رہے تھے۔ جنگ بند ہو گئی اور گرفتاریاں شروع کر دی گئیں یہ منظر دیکھ کر ان کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ پرانی کتابوں میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے اور موجودہ جوتشیوں نے جو کچھ کہا ہے اور جوگنی نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ہو نے والی ہے۔

مسلمانوں کا قبضہ الور پر ہو گیا اور وہ ہندوؤں کو اسیر کرتے پھرتے تھے مائی کے محل میں اسکی بہت سی داسیاں تھیں اس نے ان سب کو بلا کر ہندوؤں

کی گرفتاری کا منظر دکھایا۔ سب خوف اور دہشت سے کانپ گئیں۔ ماٹی نے کہا۔ بغیرو عورتو! اب کس بات کا انتظار ہے۔ مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا ہے۔ گرفتاریاں شروع کر دی ہیں کیا وہ ہمیں چھوڑیں گے؟ اسکی سہیلیوں نے کہا کبھی نہ چھوڑیں گے ہم کو بھی اسیر کر لیں گے۔

ماٹی۔ پھر کیا ارادہ ہے آیا مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر ذلت کی زندگی بسر کرنا یا ستی ہو کر عزت کی موت مرنا۔

سب سہیلیاں اس کا منہ دیکھنے لگیں ہندوؤں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا ہے تو بیوہ عورت کو شوہر کی لاش کے ہمراہ زندہ ہی جلا دیا جاتا تھا اسطرح جب کسی لڑائی میں ہندوؤں کو شکست ہوتی تھی تو اکثر عورتیں لکڑی کے انبار لگا کر اسمیں آگ لگا دیتیں اور جب شعلے بھڑک اٹھتے تو آگ میں گر کر جل جاتیں اس کو وہ ستی کے نام سے موسوم کرتے تھے ہندوؤں نے اپنی عورتوں کو بتا دکھا تھا کہ ستی ہونا عورت کا دھرم ہے اس لیے بے پروا بے زبان عورتیں ستی ہو جایا کرتی تھیں۔ سہیلیوں کو خاموش دیکھ کر ماٹی نے کہا تم چپ ہو گئیں۔ کیا ستی ہونا نہیں چاہتی۔ کیا ایسے اچھا سمجھتی ہو کہ مسلمانوں کی لونڈیاں بنو، انکی خدمت کرو۔ اپنا دھرم یا اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان بن جاؤ۔ سہیلیوں میں سے اکثر نے کہا۔ نہیں اسے سے ہم ستی ہونا اچھا سمجھتے ہیں۔

ماٹی۔ تبس تو تیار کرو۔ ابھی مسلمان سپاہیوں کو گرفتار کر رہے ہیں جب ان سے فارغ ہو جائیں گے تب تمھاری طرف آویں گے۔ تم ان کے آنے سے پہلے بلیدان (قربانی) دے کر دھرم کا پالن کرو۔

سب نے اچھا کہا۔ اور چلی گئیں۔ ماٹی اپنے سنگار خانے میں پہنچی اچھی اچھی پوشاک پہنی، بیش قیمت زیورات پہلے اور خوب سنگار کر کے کمرہ سے باہر نکل کر چلی

کے صحن میں آئی بہت سی عورتیں جو رانی کی سہیلیاں تھیں اچھی اچھی پوشاک اور اچھے زیورات پہنے کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے سامنے لکڑیوں کا انبار لگا ہوا تھا اس میں گھی اور دوسری اشیا ڈال دی گئی تھی۔ جب رانی مائی وہاں پہنچی تو شعلے بھڑکنے لگے۔ مائی بھی آگ کے پاس کھڑی ہو گئی تھی اسوقت شور و غل کی آواز محل کے قریب سے آنے لگی تھی۔ مائی نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان محل کے اندر گھس آنا چاہتے ہیں ان کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو اگنی دیوتا کے سپرد کر دو۔ نہیں یہ بڑی غلطی ہو گی۔ ایک آواز آئی۔ تمام عورتیں نگاہ اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگیں۔ انھیں جوگنی نظر آئی وہ ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اس نے کہا دیویو ستی ہونا اچھا نہیں ہے۔ سب نے حیرت سے اسکی طرف دیکھا اس نے کہا میں نے اس پوتر بھومی (مقدس زمین) کو بچانے کی خاطر ہر طرح سے راجہ کو سمجھایا مگر وہ نہ مانے (مائی سے) تمھیں سمجھایا تم نے بھی نہ سمجھا انجام جو ہونا تھا ہو کر رہا جو ہونا تھا۔ اب بھی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنے آپ کو محمد قاسم کے حوالے کر دو۔ وہ رحم دل نوجوان ہے تم سب کو رہا کر دے گا۔ ستی ہونے سے کچھ فائدہ نہیں۔

مائی۔ مگر میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے کی ذلت سے جلنے کی تکلیف وہ موت کو اچھا سمجھتی ہوں۔

جوگنی۔ تمھاری مرضی! میں نے وعدہ کیا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آؤں گی لہذا اپنے وعدہ پر آ گئی اب سندھ میں کبھی نہ آؤں گی میں نے کوہ ہمالیہ کی چوٹی اپنے لیے منتخب کر لی ہے اب وہیں رہا کروں گی۔

جوگنی چلی گئی اور پھر کسی نے اسے ہرگز نہ دیکھا۔ شور و غل کی آوازیں دمبدم بڑھتی جاتی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ مسلمان محل کے محافظوں کو گرفتار کر رہے ہیں۔ مائی نے کہا۔ جلدی کرو دیویو مسلمان محل میں آنے والے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ آگ میں کود پڑی۔ اسکے ساتھ ہی بہت سی عورتیں آگ میں گر پڑیں اور جلنے لگیں

یہ شعلے اور بھی تیزی کے ساتھ بھڑکنے لگے اور جو عورتیں آگ کے اندر گر چکی تھیں انھیں جلانے لگے۔ مائی اور اسکی سہیلیوں کے ستی ہوتے ہی جس قدر عورتیں کھڑی تھیں سب ایک ایک کر کے آگ میں کود پڑیں اور شعلوں نے اپنے دامن میں لے کر انھیں خشک لکڑی کی طرح جلانا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی عرصے میں بہت سے مسلمان محل کے اندر گھس آئے۔ محمد قاسم کا دستہ تھا۔ محمد قاسم بھی آرہا تھا رانی لاڈی اسکے ساتھ تھی۔ تمام مسلمان چتا کے گرد آ کر کھڑے ہوئے تھے۔ محمد قاسم نے لاڈی سے دریافت کیا کہ یہ آگ کیسی جلائی گئی ہے؟ لاڈی نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رانی مائی اپنی خادماؤں اور سہیلیوں کے ہمراہ ستی ہو گئی ہے۔

محمد قاسم نے افسوسناک لہجہ میں کہا افسوس کس قدر نادانی کی ہے۔ ان عورتوں نے۔

لاڈی۔ انھوں نے اپنے دھرم کا پالن کیا ہے ہم ہندوؤں میں یہ ایک رسم ہے

محمد قاسم۔ لیکن کیا یہ رسم مناسب ہے؟

لاڈی۔ دھرم میں مناسب اور غیر مناسب کا خیال نہیں کیا جاتا۔

محمد قاسم۔ لیکن یہ دھرم کیا کہ عورتیں تو جلا دی جائیں اور مرد نہ جلائے جائیں گے یہ کیا تمھارا دھرم ہے۔

اس عرصہ میں تمام عورتیں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ چونکہ ان کے جلنے کی وجہ سے تعفن پھیل گیا تھا اسلیے یہ سب وہاں سے ہٹ کر کمروں کی طرف بڑھنے لگے۔

پینتالیسواں باب

حُسنِ اخلاق

مسلمانوں نے قریب قریب تمام ہندوؤں کو گرفتار کرلیا تھا چونکہ حملہ کرنے سے پہلے ہی محمد قاسم نے اعلان کر دیا تھا کہ سیاگر وزیر اعظم۔ اسکے خاندان والوں اور ان لوگوں کو جنھیں وہ کہے گرفتار نہ کیا جائے اس لیے اسے اور اسکے خاندان والوں کو گرفتار نہ کیا۔ قلعہ والوں کو اسیر کرنے کے بعد محمد قاسم اپنا دستہ لے کر دانی لاڈی بھی محمد قاسم کے ہمراہ ہو گئی۔ اور یہ تمام اس محل میں پہونچے جب رانی مائی اور دوسری عورتیں رستی ہو چکی تو مسلمان وہاں سے ہٹ کر کمروں میں جا گھسے اور ہر ایک چیز کو نکال نکال کر باہر ڈھیر کرنے لگے۔

ان کمروں کے نیچے کئی تہہ خانے تھے ان تہہ خانوں میں داہر کے بزرگوں نے زرو جواہرات کے انبار دفن کر رکھے تھے۔ رانی لاڈی نے تمام تہہ خانوں کو بتایا اور مسلمانوں نے ساری دولت باہر نکال ڈالی۔ یہ دولت اس قدر تھی کہ اس سے کئی سلطنتیں خریدی جاسکتیں تھیں سونے چاندی کی سلاخیں ہیرے جواہرات تاج وتخت۔ سونے چاندی کے برتن غرض کہ قیمتی اشیاء تھیں جب ان کے انبار لگا دیے گئے تو انکی جگمگاہٹ نے آنکھوں کو چوندھیا دیا۔ ان تمام چیزوں کو جمع کرنے کے بعد رانی لاڈی کے کہنے سے اس جیل خانہ کو توڑ دیا گیا جس میں راجہ داہر ان عورتوں کو قید کر دیتا تھا جن سے وہ ناخوش ہوتا تھا کئی ایک عورتیں قید تھیں۔ وہ سب شیران اسلام کو دعائیں دیتی چلی گئیں۔ جیل خانہ کے محافظوں کو قتل کر ڈالا گیا۔ ان کاموں کو سرانجام دیتے ہوئے دن چھپ گیا۔

رات کو مسلمانوں نے آرام کیا۔ اور دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی محمد قاسم نے سب سے پہلے لاشیں قلعہ میں سے ہٹوائیں۔ شہداء کو جمع کر کے نماز پڑھی اور سرنگ میں ان کو دفن کر کے سرنگ کو بند کرا دیا۔ اس معرکہ میں اڑھائی سو مسلمان شہید ہوئے تھے۔ ہندو آٹھ ہزار مارے گئے تھے جب لاشوں سے قلعہ پاک و صاف ہو گیا تب محمد قاسم دربار عام کے سامنے جا بیٹھا اور اس نے مال غنیمت اور قیدیوں کو وہاں لانے کا حکم دیا۔ کچھ مسلمان مال غنیمت ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لانے لگے کچھ قیدیوں کو لینے چلے گئے تھوڑی ہی دیر میں تمام قیدی لائے گئے تیس ہزار قیدی تھے ان قیدیوں میں راجہ کے خاندان کی وہ عورتیں بھی تھیں جو کرستی ہونے سے باقی رہ گئی تھیں ان میں ایک راجہ داہر کی بھانجی تھی وہ بیحد حسین تھی اور تیس ہزار امیر زادیاں (شہزادیاں) تھیں۔ محمد قاسم نے ان عورتوں کو ایک طرف بٹھا دیا اور قیدی مردوں کو صف در صف اپنے ہمراہ کھڑا کرایا۔ اب سیاگر وزیر اعظم آ گیا۔ محمد قاسم نے اس کا استقبال کیا۔ سیاگر نے محمد قاسم کے پاس آ کر جھکتے ہوئے کہا۔ نو عمر فاتح میں آپ کے سامنے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔"

محمد قاسم نے کہا۔ میں اور تمام مسلمان آپ کے بیحد ممنون ہیں آپ نے ظاہرہ کے ساتھ اظہار ہمدردی کر کے مسلمانوں پر ایک زبردست احسان کیا ہے۔

سیاگر۔ میں مسلمانوں کا بے حد مشکور ہوں انھوں نے عام گرفتاری کے وقت میری اور میرے خاندان کی عزت کو برقرار رکھا ہے اور میرے گھر والوں میں سے کسی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

محمد قاسم۔ جب مسلمان آپ کے مشکور تھے کیسے آپ پر آپ کے خاندان پر دست درازی کر سکتے تھے۔

سیاگر۔ مجھ پر اس بات کا گہرا اثر ہوا ہے۔

اب یہ دونوں بیٹھ گئے۔ سیاگر نے دریافت کیا۔ کیا۔ طاہرہ آپ کے پاس پہنچ گئی ہے؟

محمد قاسم۔ جی ہاں وہ آپ کی مشکور ہے۔

سیاگر۔ وہ نہایت نیک لڑکی ہے میں نے گوارا نہ کیا کہ داہر کا تختۂ مشق ستم بنے

محمد قاسم حقیقت یہ ہے کہ آپ نیک دل ہیں اور اسی نیکی کی وجہ سے آپ کو یہ گوارا نہ ہوا

سیاگر۔ میں نے راجہ داہر کو سمجھایا تھا کہ وہ صلح کر لیں مگر انھوں نے نہ مانا۔

محمد قاسم۔ افسوس ہے کہ اس نے بلا وجہ چند مسلمانوں کو گرفتار کر کے جنگ مول لے لی

سیاگر۔ حالانکہ انھیں ہر جوتشی اور ہر منجم نے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔

محمد قاسم۔ خدا کو اسی طرح منظور تھا۔

سیاگر۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟

محمد قاسم۔ آپ ہمارے محسن ہیں بالکل آزاد ہیں جہاں چاہیئے جہاں جی چاہے جایئے آپ کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

سیاگر۔ طاہرہ کہاں ہے۔

محمد قاسم۔ اسلامی کیمپ میں۔

سیاگر۔ میری ایک لڑکی تھی جو مر گئی ہے اگر وہ زندہ ہوتی تو اس کی عمر طاہرہ کے برابر ہوتی۔ مجھے طاہرہ سے اپنی بیٹی جیسی محبت ہے کیا وہ میرے پاس رہ سکتی ہے۔

محمد قاسم۔ بڑی خوشی سے۔

سیاگر۔ مگر وہ تو مسلمان ہے۔

محمد قاسم۔ آپ کے پاس رہنے سے اسکے اسلام میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

سیاگر۔ بات یہ ہے کہ مجھ پر آپ کے اخلاق کا اور مسلمانوں کی شرافت کا

اثر اس قدر ہوا ہے کہ میں خود آپ کے مذہب میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔

محمد قاسم۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اس طرح آپ کل مسلمانوں کے بھائی بنجائینگے۔

سیاگر۔ اور طاہرہ مجھے اپنا باپ سمجھنے لگے گی۔

محمد قاسم۔ بالکل۔

سیاگر۔ اچھا تو مجھے مسلمان کر لیجئے۔

محمد قاسم نے اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اسکے مسلمان ہونے سے تمام مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی اور سب نے خوشی ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اب رانی لاڈی محمد قاسم کے پاس آ بیٹھی۔ اس نے کہا۔ میں عرصہ سے مسلمانوں میں رہی ہوں ان کے اخلاق و عادات اور خدا پرستی کا مجھ پر خاص اثر ہوا ہے لہذا میں بھی مسلمان ہونا چاہتی ہوں یہ سنکر محمد قاسم کو بے حد مسرت ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید رانی لاڈی اپنا مذہب تبدیل نہ کرے۔ مگر اب جب کہ اس نے خود مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی تو وہ بہت خوش ہوا اور خاص نگاہوں سے جن میں محبت کی جھلک تھی۔ لاڈی کو دیکھنے لگا۔ لاڈی کی ہوشربا نگاہیں بھی اسکی طرف اٹھ گئیں اس نے شرما کر اپنی نظریں جھکا لیں۔ محمد قاسم نے اسے بھی کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ مسلمانوں کو اسکے مسلمان ہونے سے بڑی مسرت ہوئی اور انھوں نے پھر فرط انبساط سے بے خود ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اب محمد قاسم نے سیاگر سے کہا۔ جو مرد اور عورتیں قید کی حالت میں ہیں ان سے پوچھ لیجئے کہ ان میں سے کوئی اور تو مسلمان ہونا نہیں چاہتے۔

سیاگر نے کہا۔ مردوں سے میں پوچھتا ہوں اور عورتوں سے رانی جی دریافت کر لیں۔

چنانچہ مردوں سے سیاگر نے اور عورتوں سے رانی لاڈی نے دریافت کیا صرف دس مرد اور پانچ عورتیں اور مسلمان ہوئیں انھیں خود آہی رہا کر دیا گیا۔ اب محمد قاسم نے مال غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ نکالکر بقایا چار حصے تمام مسلمانوں اور ان نو مسلموں پر جو

بچے پیدا ہیں کسکہ کے ہمراہ مسلمان ہوئے تھے حسب دستور تقسیم کر دیا۔ ایک ایک مسلمان کے حصے میں اتنی دولت آئی کہ غنی بن گئے۔ اس دن تمام قیدی جن میں تیس ہزار مرد پچاس ہزار عورتیں اور ان عورتوں میں تیس امیرزادیاں اور شہزادیاں تھیں اور ایک راجہ داہر کی بھانجی بھی تھی مع مال غنیمت کے خمس کے کعب بن مخارق کے ساتھ حجاج کی خدمت میں بھجدیئے گئے۔ محمد قاسم کو دوپہر کے قریب ان تمام کاموں سے فراغت ہوگئی اب اس نے اسلامی کیمپ کو مع تمام سامان کے قلعہ کے اندر منتقل کر دیا۔ اور منادی کرادی کہ ہندو اپنا کاروبار شروع کردیں اب امن ہو گیا ہے کسی فرد بشر کا جان و مال خطرہ میں نہیں ہے ہندوؤں نے دوکانیں کھولیں اور گھروں سے نکل آئے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ محمد قاسم خود راج محل کے ایک حصے میں ٹھہرے دوسرے حصے میں اسلم اور ذکوان مقیم ہو گئے باقی تمام سردار محل سے باہر قلعہ کے اندر ٹھہرے۔ طاہرہ رانی لاڈی کے پاس پہونچا چونکہ طاہرہ کو محمد قاسم نے اپنی بہن بنا لیا تھا۔ اس لیے وہ اسوقت اسکے پاس بیٹھا تھا اور رانی لاڈی بھی بیٹھی تھی۔ سیا گر آغوش کشادہ کر کے طاہرہ کی طرف بڑھا اس نے کہا بیٹی پیاری بیٹی۔ طاہرہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ سیا گر اسے بیٹی بنانا چاہتا ہے۔ وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اسکی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ابا پیارے ابا۔ وہ بڑھ کر سیا گر کے گلے سے جا لگی بڈھے وزیر نے اسے پیار کر کے دعا دی اور طاہرہ کو لیکر وہیں بیٹھ گیا اب ان میں باتیں ہونے لگیں اس طرح سندھ کی مہم شروع ہوئی اور راجہ داہر کی موت کے بعد اس اس کا دار السلطنت الور[1] فتح ہو گیا۔

---

[1] محمد قاسم کی فتوحات کا سلسلہ صرف الور پر ہی ختم نہ ہو گیا تھا۔ (بقیہ نوٹ ۴۴۸ پر)۔

چھیالیسواں باب

شاد کامانِ محبت

رانی لاڈی کے مسلمان ہونے سے یوں تو ہر مسلمان کو مسرت ہوئی مگر سب سے زیادہ مسرت طاہرہ کو ہوئی۔ ایک تو لاڈی تھی ہی نیک اور بھولی دوسرے

(بقیہ نوٹ ۴۴۳ کا) بلکہ چند روز آرام کرنے کے بعد وہ برہمن آباد کی طرف بڑھا اور پھر وہ الور قلعہ کو فتح کر کے برہمن آباد پہونچے اور اسے بھی فتح کر لیا اس قلعہ میں برہمن اس کثرت سے آباد تھے کہ محمد قاسم نے برہمنوں کی تنخواہیں مقرر کر کے انھیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا اور برہمن آباد سے ملتان کی طرف بڑھا۔ ۲۰ محرم ۹۴ھ کو ساوندری اور کمرور فتح کرتے ہوئے پہونچا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ یہاں اسکے پاس حاکم قلعہ بھیس تبدیل کر کے آیا اور کہا کہ میں ایک عجیب تماشہ دکھاؤں گا۔ مگر اس وقت جب کہ تم مجھے اور میرے خاندان والوں کو امان دو۔ محمد قاسم نے اسے امان دی اس نے داڑھی اور مونچھیں اکھاڑ کر پھینک دیں اور کہا کیا یہ عجیب تماشہ نہیں ہے کہ حاکم قلعہ اس طرح امان مانگنے آئے لوگوں نے محمد قاسم سے کہا یہ فریب ہے مگر محمد قاسم نے جواب دیا جو کچھ بھی ہو میں نے اسے امان دیدی ہے۔ اپنے قول سے نہیں پھر سکتا۔ آگے بڑھکر اس نے ملتان کو بھی فتح کر لیا اور ملتان سے آگے بڑھ کر سرحد کشمیر تک فتح کرتا چلا گیا۔ چونکہ ان واقعات کا ہمارے افسانے سے متعلق نہیں ہے اس لیے ہم نے انھیں مشرح نہیں لکھا ہے۔

(صادق صدیقی)

جب سے داہر طاہرہ کو لے گیا تھا اسوقت سے وہ رانی کے پاس ہی رہی تھی۔

لادی اسکے خلق و مروت سے پیش آنے سے اس سے بے حد مانوس ہو گئی اور وہ چاہتی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ نکل آئے جس سے رانی لادی ہمیشہ مسلمانوں ہی میں رہنے لگے اگرچہ اسے معلوم تھا کہ رانی لادی محمد قاسم سے محبت کرتی ہے مگر اسے یقین نہ آیا تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے گی مگر اب جبکہ وہ مسلمان ہو گئی تو اسے بڑی خوشی ہوئی اور اب اسے امید واثق ہو گئی کہ وہ رانی لادی کے پاس رہ سکے گی سیاگر کو طاہرہ سے بالکل اپنی بیٹی کی طرح محبت ہو گئی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ چل کر اسکے محل میں رہے مگر رانی لادی نے اسے کہہ سنکر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ ابھی طاہرہ کو لادی کے پاس ہی رہنے دیا جائے اور وہ دونوں ایک ہی جگہ رہتی تھیں جس قدر لادی کو طاہرہ سے محبت ہو گئی تھی اس سے زیادہ طاہرہ کو لادی سے تھی، طاہرہ نے اسے نماز یاد کرا دی تھی اور وہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتی تھی۔

دونوں میں بے حد محبت بڑھ گئی تھی گویا دونوں دو جسم اور ایک روح بن گئی تھیں ایک روز دونوں کمرہ سے باہر ایک مسند پر تکیوں کے سہارے سے بیٹھی تھیں اب رانی لادی بھی مسلم عورتوں کے سے کپڑے پہننے لگی تھی اور یہ کپڑے اس کے نہایت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے اسوقت وہ ریشمیں قمیض اور شلوار پہنے اور نہایت ہی باریک دوپٹہ اوڑھے جواہرات اور موتیوں کے زیورات پہنے بیٹھی تھی اسکی صورت چمک رہی تھی۔ طاہرہ اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ نہایت توجہ اور بڑے غور سے۔ لادی نے اسکی طرف دیکھکر مسکراتے ہوئے کہا۔ کیا دیکھ رہی ہو طاہرہ؟ طاہرہ نے کہا۔ سندھ کے چاند کو دیکھ رہی ہوں۔ رانی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ کہاں ہے سندھ کا چاند؟۔

طاہرہ۔ تم ہو رانی۔

لادی۔ میں ہوں؟۔

طاہرہ۔ ہاں تم ہو۔

لادی۔ اور تم۔

طاہرہ۔ میں ایک عربی دوشیزہ ہوں۔

لادی۔ نہیں تم! تم عرب کا چاند ہو۔

طاہرہ نے شوخی سے لادی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ چاند میں عرب کا؟ نہیں تم ہو۔ فاتح سندھ تو چاند تم ہی کو بتاتے ہیں۔

لادی۔ فاتح سندھ کون؟

طاہرہ۔ محمد قاسم۔

لادی نے خفیف تبسم کے ساتھ طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بڑی شوخ ہو گئی ہو طاہرہ۔

طاہرہ۔ اس میں شوخی کی کیا بات ہے۔

لادی۔ کیا تم سے انھوں نے نہ کہا تھا۔

طاہرہ۔ مجھ سے کس نے کہا تھا۔

لادی۔ جن کا ابھی تم نام لے رہی تھیں۔

طاہرہ۔ کن کا نام لے رہی تھیں میں۔ کچھ یاد نہیں رہا مجھے۔

لادی۔ یاد نہیں رہا بڑا اچھا ہوا۔

طاہرہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا اچھا ہوا؟ ہاں بلاشبہ اچھا ہوا۔ کوئی ان کا نام لے انھیں یاد رکھے یہ تم کو کہاں گوارا ہو سکتا ہے۔

لادی۔ کیوں گوارا نہیں ہو سکتا۔

طاہرہ۔ یہ اپنے دل سے پوچھو۔

لادی۔ دل سے ؟

طاہرہ نے ہنستے ہوئے کہا تمہارا دل تمہارے پاس ہے ہی کہاں۔

لادی۔ اور کہاں گیا میرا دل۔

طاہرہ۔ دیکھو ان کے پاس ہے وہ جو سامنے سے آ رہے ہیں۔

محمد قاسم سامنے سے آ رہا تھا۔ لادی شرما گئی۔ اس نے شرمیلے لہجہ میں کہا اچھا طاہرہ!۔ میں تجھے اس تیری شوخی کی سزا دونگی۔ طاہرہ نے ہوشربا نگاہوں سے دیکھکر مسکراتے ہوئے کہا۔ کیا سزا دو گی تم ؟۔

لادی۔ ذرا چپ۔ قریب آ گئے وہ۔

طاہرہ۔ آ رہے ہیں تو آنے دو میں کہے دیتی ہوں کہ لادی تم سے ناخوش ہیں تمہارا نام لینا اور تم سے باتیں کرنا نہیں چاہتی ہیں لہذا تم چلے جاؤ۔

لادی نے جلدی سے اسکے منھ پر دست ناز رکھتے ہوئے کہا۔ کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ وہ خفا ہو جائیں گے۔ طاہرہ نے ہمت آمیز لہجے میں کہا۔ خفا ہو جائیں گے تو...... ہو جانے دو وہ تمہارا کیا کر لیں گے۔

لادی نے التجا آمیز نظروں سے شریر طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ نہیں نہیں ایسا نہ کرو طاہرہ!!

طاہرہ۔ اچھا نہ کہوں گی مگر۔

لادی نے طاہرہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر کیا۔ ؟

لادی۔ تم ان کا نام لے دو مگر ذرا! جلدی سے نہیں تو وہ قریب آنے والے ہیں اور پھر مجھے ان سے کہہ دینا پڑے گا۔

محمد قاسم قریب آ گیا۔ لادی نے جلدی سے کہا۔ محمد قاسم اس نے شرما کر سر

جھکا لیا۔ طاہرہ مسکرانے لگی اب محمد قاسم آگیا۔ دونوں حوریں اسکے استقبال کے لیے کھڑی ہوگئیں۔ محمد قاسم بیٹھ گیا۔ اور یہ دونوں بھی بیٹھ گئیں۔ محمد قاسم نے کہا اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین کا خط آیا ہے۔ انھوں نے رانی صاحبہ کو ان کے مشرف بہ اسلام ہونے پر مبارکباد دی ہے اور لکھا ہے کہ وہ بالکل آزاد ہیں۔ اگر ہندوستان ہی میں رہنا چاہیں تو وہاں بھیج دی جائیں اور اگر۔۔۔

طاہرہ نے محمد قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کیا؟ محمد قاسم نے رک رک کر کہا اور۔۔۔۔ اگر۔۔۔ یہ کسی۔۔۔۔۔۔ سے۔۔۔۔۔ شادی کرنا چاہیں تو ہمارا ہیں شادی کرلیں۔ محمد قاسم نے ایسے انداز سے یہ الفاظ ادا کیے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کی ادائیگی کے وقت اسے قلبی صدمہ پہنچا ہے۔ لادی محمد قاسم کے چہرہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ رانی صاحبہ شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لادی اور محمد قاسم نے اس شوخ ادا حور کی طرف دیکھا محمد قاسم نے دریافت کیا کس کے ساتھ؟

طاہرہ۔ آپ ان ہی سے دریافت کریجیے۔

محمد قاسم نے لادی کی طرف دیکھا لادی کا سر فرط حیا سے جھک گیا۔ آنکھیں فرش پر لوٹنے لگی۔ محمد قاسم نے کہا یہ تو شرما گئیں۔ کچھ تم کو معلوم ہو تو کہو؟ طاہرہ نے شوخی سے محمد قاسم کو دیکھتے ہوئے کہا مجھے معلوم ہے مگر۔

محمد قاسم۔ مگر کیا؟

طاہرہ۔ آپ کچھ انعام دیں تو بتاؤں۔

محمد قاسم۔ انعام؟ اچھا۔ بہن اپنے بھائی سے کیا انعام چاہتی ہے۔

طاہرہ۔ جو آپ مناسب سمجھیں!

محمد قاسم۔ میں دوں گا اپنی بہن کو انعام دوں گا۔

طاہرہ۔ تو بتاؤں؟

محمد قاسم۔ ہاں بتاؤ۔

طاہرہ۔ آپ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔

لاڈی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس کا سر بڑھی ہوئی شرم کی وجہ سے قدارد جھک گیا۔ پھول سے عارض پسینہ میں تر ہو گیا۔ محمد قاسم نے محبت بھری نظروں سے لاڈی کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہا۔ کچھ وقفہ کے بعد بولا۔ کیا میں ایسا خوش قسمت ہوں؟ طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ اب یہ ان سے پوچھ لیں آپ؟

محمد قاسم۔ یہ تو شرم سے دوہری ہوئی جا رہی ہیں دریافت کس سے کروں۔

طاہرہ نے لاڈی کی ٹھوڑی اوپر کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو فاتح سندھ تم سے کیا پوچھ رہے ہیں۔ لاڈی نے شرمیلا چہرہ اٹھا کر حیا پرور نگاہوں سے محمد قاسم کو دیکھا۔ اسکی آنکھوں کے ذریعہ سے ہزاروں تیر گزر کر دل میں پیوست ہوتے چلے گئے اور وہ اپنا زخم خوردہ دل سنبھالنے لگا۔ طاہرہ نے کہا۔ اب دریافت کر لیں آپ ان سے۔ محمد قاسم نے کہا۔ کیا یہ طاہرہ سچ کہہ رہی ہیں۔ لاڈی کے لب کھلے مگر شرم نے کہنے کی اجازت نہ دی۔

طاہرہ نے کہا۔ شرم کی گڑیا نہ بنو کہدو تم ان سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ لاڈی کچھ کہہ نہ سکی۔ طاہرہ نے اسکے کان میں کہا۔ دیکھو ہاں کہدو ورنہ وہ خفا ہو جائیں گے۔ لاڈی نے شریر طاہرہ کو بناوٹی غصہ سے دیکھا۔ طاہرہ یہ غصہ کرنے کا وقت نہیں ہے کہدو ہاں کہدو۔

کہتے ہی طاہرہ نے اسکے گدگدی شروع کر دی۔ لاڈی کو ہنسی آ گئی اس نے آہستہ سے کہا۔ ہاں! طاہرہ نے محمد قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ سن لیا آپ

محمد قاسم ۔ سن لیا مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا ۔ مگر تم نے ان کو پریشان کر دیا طاہرہ !!

طاہرہ نے برا ماننے کی شان سے کہا ۔ لیجئے الٹی شکایتیں ہونے لگیں احسان تو گیا اچھا صاحب اب میں انھیں پریشان نہ کیا کروں گی ۔

محمد قاسم ۔ کیا میں سیسہ گر وزیر اعظم اور اسلامی لشکر کے سرداروں سے اس کا ذکر کر دوں ۔

لاڈی نے شرمیلے لہجہ میں کہا جیسے آپ کی منشاء ۔

محمد قاسم ۔ تمھارا شکریہ ۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور چلا گیا ۔ جب وہ ذرا دور نکل گیا تب لاڈی نے طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا ۔ بڑی ہی شوخ ہے طاہرہ ۔ طاہرہ ہنس رہی تھی ۔ اس نے کہا ۔ شوخ ادا ۔ میں شوخ ہی سہی لیکن میں نے اچھا کیا یا برا ؟ لاڈی نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ بہت برا کیا ۔ طاہرہ نے اٹھتے ہوئے کہا ۔ اچھا میں ان سے کہے دیتی ہوں کہ رانی تم سے نفرت کرتی ہیں اور وہ شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ۔

لاڈی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا ۔ شریر تم نے ایسی باتیں شروع کر دیں جس سے میں شرما کر زمین میں گڑنے لگی ۔ طاہرہ نے بیٹھتے ہوئے کہا یہ تمھاری غلطی ہے ۔ یہ تمھاری آرزو تھی میں نے وہی تو ظاہر کی تھی ۔

لاڈی ۔ اور اپنی آرزو ؟

طاہرہ ۔ میری تو کوئی آرزو ہی نہیں ۔

لاڈی ۔ تو یہ سمجھتی ہے کہ میں تیرا حال نہیں جانتی ۔

طاہرہ نے متعجب ہو کر کہا ۔ میرا حال ؟ ۔

لاڈی ۔ ہاں میں محمد قاسم سے کہے دیتی ہوں کہ وہ اسلم کو عراق بھجدیں